

دوسرا طبقہ

ایم اے راحت



طاہر نے ہوٹل لانگ مین کے کمپاؤنڈ میں کار روک دی۔ نیچے اتر کر دروازہ لاک کیا اور لا ابلی انداز میں سیٹی بجاتا ہوا اندر چل پڑا۔ زیادہ فاصلہ نہیں طے کیا تھا کہ اس شخص نے راستہ روک لیا۔ عجیب طرح سے سامنے آگیا تھا۔ طاہر نے ایک نگاہ اسے دیکھا۔ پرانا بوسیدہ سوٹ پہنا ہوا تھا جو اپنا اصل رنگ کھو بیٹھا تھا، سر پر گندہ سا ہیٹ تھا، قیض کے کار پر میل لگا ہوا تھا، بو لگی ہوئی تھی، لیکن اس کا چہرہ کچھ ایسا تھا کہ اس پر نگاہ جمتی تھی پھر بھی طاہر نے اس سے بچ کر آگے بڑھنا چاہا تو وہ بولا۔

”تمہیں رک کر میری بات سنی ہوگی اور تم سنو گے۔“ مدھم رکی ہوئی ٹھہری ٹھہری آواز تھی۔ ”طاہر رک گیا۔“

”جی فرمائیے۔“

”میرا نام راجہ افریاب ہے۔“

”اور آپ احمد پور سے آئے ہوں گے یہاں آپ جس سے ملنے آئے تھے وہ نہیں ملا،“ کسی ظالم نے آپ کی جیب کاٹ لی اور اب آپ کے پاس گھر جانے کیلئے کرائے کے پیسے نہیں ہیں۔“ طاہر نے طنزیہ انداز میں کہا، لیکن جواب میں اس شخص کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ان میں سے کوئی بات نہیں ہے۔“ وہ بولا۔

”تو پھر۔۔۔۔۔؟“

”جس دوست نے تمہارے پاس آنا تھا وہ نہیں آسکے گا۔ اور تم تنہا ہی یہاں ڈنر کرو گے لیکن تمہارا ستارہ میرے ستارے کے قریب آگیا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ڈنر پر تم مجھے مدعو کو لو۔“

”گڈ،“ بھیک مانگنے کا ایک نیا انداز۔۔۔ طاہر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں جانتا ہوں، چھوٹے آدمی ہو، بڑی بات نہیں کر سکو گے اور اصولی طور پر مجھے تم جیسے آدمی کا ڈنر قبول بھی نہیں کرنا چاہئے لیکن ستاروں کا کھیل، کیا کما جاسکتا ہے، راستہ بٹک جاتے ہیں، کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں، اب پتہ نہیں وہ کیا طریقہ کار ہو گا جس کے بدلے تم مجھے ڈنر پر مدعو کرو گے۔“

”یہ تم بار بار ستاروں کی بات کیوں کرتے ہو۔۔۔؟“

اس لئے کہ میری ساری زندگی ستاروں کے درمیان گزری ہے۔ اب تم جانا چاہو تو جاؤ یہاں بھی ذرا ستاروں کی شرارت دیکھیں کہ کیسے وہ ہوتا ہے جو تم نہیں چاہتے۔“
بوڑھا واپسی کیلئے مڑا۔ طاہر کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی تھی اگر وہ صرف کھانا کھانا چاہتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ایک آدمی کے کھانے سے کیا فرق پڑتا ہے، فیصل خود بھی ایک تفریح پسند آدمی ہے، جب میں اسے بتاؤں گا کہ وہ اس کے نہ آنے کی پیش گوئی کر رہا ہے یا کر چکا ہے تو وہ بھی بوڑھے سے لطف اندوز ہوگا، حالانکہ بوڑھا ایک تلخ بات کہہ گیا تھا لیکن طاہر فراخ دل تھا۔

بوڑھا چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ طاہر دوڑ کر اس کے سامنے پہنچ گیا۔

”ارے محترم افراسیاب آپ تو برا مان گئے۔“ میں تو آپ سے مذاق کر رہا تھا۔“

”مطلب۔۔۔ بوڑھے نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔“

”کیا آپ میری ڈنر کی درخواست قبول کر سکتے ہیں۔“ طاہر نے شرارتاً جھک کر کہا۔“

”ہوں ٹھیک ہے کیا کیا جاسکتا ہے۔“

”تو پھر تشریف لائیے۔ طاہر بولا، اور افراسیاب اس کے ساتھ چل پڑا۔ طاہر رستوران

میں داخل ہو گیا۔ چھوٹا سا لیکن بے حد خوب صورت رستوران تھا اور سب سے بڑی بات

یہ کہ یہاں کا کھانا بے مثال ہوتا تھا۔ فیصل نے کئی دن سے کہہ رکھا تھا کہ ”لانگ مین“

میں کھانا کھائیں گے اور آج دونوں کا پروگرام بن گیا تھا۔ چنانچہ طاہر مقررہ وقت پر یہاں

پہنچ گیا تھا۔ یا تو فیصل اندر ہو گیا یا آنے والا ہوگا۔“

بہر حال رستوران میں داخل ہو کر اس نے ایک خالی میز کا رخ کیا، آج اتفاق سے

رش کچھ زیادہ ہی تھا۔۔۔ بوڑھا اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا اندر پہنچا اور اس کے سامنے

والی کرسی پر جا بیٹھا۔ طاہر نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔۔۔“

”اور ستارے کیا کہتے ہیں۔۔۔؟“

”ابھی کچھ نہیں کہتے۔۔۔ جو کچھ کہیں گے کھانے کے بعد کہیں گے۔“

”مگر مجھے اپنے دوست کا انتظار کرنا ہے۔۔۔“

”ہاں وہ تو کرنا ہی ہے۔۔۔ بوڑھے افراسیاب نے جواب دیا اور طاہر شرارت آمیز

نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔۔۔“

وہ ایک لا ابالی نوجوان تھا، ایک دولت مند باپ کا بیٹا۔۔۔ لیکن ایسے دولت مند باپ

کا بیٹا جس کی دولت کو ہمیشہ رشک نگاہوں سے دیکھا جاتا رہا، ایم اے فاضل میں تھا۔ فیصل

بھی اس کا ساتھی تھا اور وہ بھی فاضل کا امتحان دے رہا تھا۔۔۔ دونوں میں گہری دوستی تھی

فیصل ہوشل میں رہتا تھا جبکہ طاہر نے اسے بار بار پیش کش کی تھی کہ وہ اس کے گھر آجائے

لیکن فیصل نے ہنس کر ٹال دیا تھا۔

بہر حال وہ انتظار کرتا رہا۔ دو تین بار اس نے گھڑی میں وقت بھی دیکھا اور بے چین

ہونے لگا۔ پتہ نہیں فیصل ابھی تک کیوں نہیں پہنچا تھا۔ پھر بیٹھے بیٹھے اس کی نگاہیں کچھ

فاصلے پر موجود ایک میز کی جانب اٹھ گئیں۔۔۔ یہاں اس نے نادر کو تنہا بیٹھے ہوئے

دیکھا۔۔۔

نادر حیات کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں مشہور تھیں۔ فیصل نے ہی ایک بار

اس کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک اور شہر میں رہتا ہے اور ایک

بڑے رئیس کا بیٹا ہے۔ رئیس کا نام یوسف حیات خان ہے۔ ویسے طاہر نے جب بھی کبھی

نادر کو دیکھا ایک عجیب سا احساس اس کے دل میں جاگ اٹھا۔ نادر کا بلند دبلا قد، سرخ و

سفید چہرہ اور انتہائی خوب صورت ورزشی جسم قابل رشک تھا، جبکہ طاہر یا فیصل کی صحت

اس قدر عمدہ نہیں تھی۔۔۔ اپنی مدھم مدھم شخصیت، خوب صورت آنکھوں اور کشادہ

پیشانی کے ساتھ وہ ایک اچھی شخصیت کا مالک تھا۔ البتہ فیصل نے اس سے کہا تھا۔

”نہ جانے کیوں یہ شخص مجھے ہمیشہ برا لگا ہے، حالانکہ اس نے میرے ساتھ کبھی کوئی

بری بات نہیں کی۔ لیکن میرا دل اس سے بات کرنے کو بھی نہیں چاہتا۔۔۔“

”اس کی کوئی خاص وجہ تو نہیں ہے۔ طاہر نے مسکراتی نگاہوں سے فیصل کو دیکھ کر

پوچھا تھا۔۔۔؟“

”بالکل نہیں۔۔۔ اگر وجہ ہوتی تو ذرا لطف کی بات تھی نا۔“

”چھوڑو چھوڑو۔۔۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کی دوستی کے لئے کافی ہیں۔ طاہر نے

فیصل سے کہا تھا۔

بہر حال وہ انتظار کرتا رہا۔۔۔ پھر اچانک ہی اس کے موبائل کی بیل بجی تھی اور اس

نے جیب سے موبائل نکال لیا تھا۔۔۔ موبائل کا بٹن آن کر کے اس نے اسے چرے کے قریب کر لیا۔

”طاہر بول رہا ہوں۔۔۔“

”یار طاہر میں فیصل ہوں۔“

”ارے کہاں سے فون کر رہے ہو۔۔۔؟“

”ہوسٹل کے سامنے والے پبلک کال بوتھ سے۔۔۔“

”کیوں خیریت۔۔۔“

”ایک بہت اہم ضرورت آ پڑی ہے، یار معافی چاہتا ہوں، کیا تم لاٹک مین پہنچ گئے۔؟“

”کیا بکواس کر رہے ہو۔۔۔“

”تم یقین کرو طاہر تفصیل تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ اس وقت واقعی نہیں آ سکتا۔“

”عجیب احمق آدمی ہو۔ یعنی میں شدید بھوک کا شکار ہوں اور تم اس وقت معذرت کر رہے ہو۔۔۔ جبکہ اب سے پندرہ منٹ پہلے تمہیں پہنچ جانا چاہئے تھا۔“

”طاہر جب میں تمہیں حقیقت بتاؤں گا تو تم مجھے معاف کر دو گے۔۔۔“

”چھوڑو یار، موڈ آف کر دیا تم نے۔۔۔“

”سوری طاہر۔۔۔ مان لو میری بات۔“

”اوکے اوکے۔۔۔ طاہر نے موبائل آف کیا اور پھر اسے جیب میں رکھ لیا۔ اس کی

نگاہیں یونہی افزایاب کی طرف اٹھ گئی تھیں اور افزایاب اسے شرارت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

دھننا، ہی طاہر کے ذہن میں جھٹکا لگا۔۔۔ اور اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر افزایاب کو دیکھا۔۔۔ اس کم بخت نے کہا تھا کہ وہ نہیں آئے گا جس کا مجھے انتظار ہے۔ کس قدر سچ بات نکلی تھی۔

بوڑھا گردن گھما کر نادر کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر افسوس بھرے انداز میں ہونٹ سکڑ کر چیخ کرنے لگا۔۔۔

”اب کیا ہوا جناب۔۔۔ طاہر نے گبڑے ہوئے موڈ میں پوچھا۔“

”دیکھ رہے ہو۔۔۔“ وہ جو تنہا اور اداس بیٹھا ہوا ہے۔

”جی۔۔۔ اس کے بارے میں کچھ فرمانا چاہتے ہیں آپ۔۔۔“

”اس کی پیشانی کے ستارے بجھتے جا رہے ہیں۔ تین ستارے تھے اس کی پیشانی پر۔ ایک بجھ گیا اور ابھی ابھی میں نے دو ستارے اور بجھتے ہوئے دیکھے ہیں۔ پتہ نہیں بے چارے کی پیشانی کیوں تاریک ہو گئی۔۔۔“

”گویا اب ستارے پیشانی پر ہوتے ہیں۔ طاہر نے طنزہ انداز میں کہا اور بوڑھا اسے دیکھنے لگا۔۔۔ پھر منہ بنا کر بولا۔۔۔“

”جب کچھ جانتے نہیں ہو تو بولتے کیوں ہو۔۔۔؟“ کھانا کھاؤ گے یا میں اٹھ جاؤں۔“

”نہیں نہیں۔۔۔ کھانا کھاؤ۔ کھانا کھاؤ۔۔۔ طاہر نے کہا اور ویٹر کو بلا کر آرڈر نوٹ کرانے لگا لیکن اب طاہر کو احساس ہو رہا تھا کہ بوڑھا واقعی عجیب شخصیت کا مالک ہے۔ کم

از کم اس کی ایک پیش گوئی تو سچ نکلی ہے۔۔۔ اور دوسری پیش گوئی جو نادر حیات کے بارے میں تھی۔۔۔ بے چارہ نادر حیات خان۔۔۔ کہیں واقعی اس کالی زبان والے کی زبان درست ہی نہ ثابت ہو جائے۔۔۔“

پھر ویٹر نے کھانا لگانا شروع کر دیا۔ اور بوڑھا کھانے میں مصروف ہو گیا۔ طاہر نے بھی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا تھا۔



نادر نے اپنے کمرے کا تالا کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔۔۔ بجھا ہوا دل، تھکے تھکے قدم نہ جانے کیوں دل پر ایک شدید اداسی طاری تھی۔ اس اداسی کو دور کرنے کیلئے وہ لاٹک مین چلا گیا تھا، کھانا منگایا تھا لیکن ٹھیک سے کھایا بھی نہیں گیا تھا۔ پتہ نہیں کیسے کیسے خیالات دل کو پریشان کرتے رہتے تھے۔ وہ حالات سے بے خبر نہیں تھا اسے اندازہ تھا کہ اس کا بھائی قیصر حیات کوئی بات اس کے کانوں تک نہیں پہنچنے دیتا جہاں تک ہوتا ہے ہر غم اپنے دل پر ہی سہتا ہے۔ لیکن دونوں کے دلوں کے تار اس طرح جڑے ہوئے تھے کہ اگر قیصر حیات کو کوئی پریشانی ہوتی تو وہ خود ہی اس سے متاثر ہو جاتا تھا۔ جبکہ قیصر حیات اسے کبھی کچھ نہیں بتاتا تھا۔

اس وقت جب یوسف حیات صاحب کا انتقال ہوا تھا تو ایسی ہی اداسی اس کے دل پر سوار ہو گئی تھی۔ اور پھر اسے باپ کی موت کی اطلاع ملی تو وہ بھگم بھاگ نواب پور پہنچا تھا۔ اور اسے باپ کی میت میں شریک ہونے کا موقع مل گیا تھا۔ اسے شدت سے احساس تھا کہ قیصر حیات تنہا رہ گیا ہے، گھر کے حالات کا بھی اسے اندازہ تھا۔۔۔ لوگوں کی زبان جتاڑے پر بھی نہیں رکی تھیں اور وہ کانوں کو ہاتھ لگا لگا کر یوسف حیات کیلئے

باتیں کر رہے تھے۔ ان میں ناخوشگوار باتیں زیادہ تھیں، لیکن دونوں بھائی متحمل مزاج تھے کم از کم باپ کی موت پر ہنگامہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ نادر حیات نے تو اس وقت بھی قیصر سے کہا تھا کہ حویلی کو تالا لگا دے اور اس کے ساتھ شرچلے۔ کیا رکھا ہے یہاں نواب پور میں۔۔۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں خواہ مخواہ کوئی ہنگامہ ہو جائے گا۔۔۔

لیکن قیصر حیات نے کہا۔۔۔ ”حویلی میں تو میرا بھی دل نہیں لگتا نادر لیکن تم فاضل مکمل کر لو ساری باتیں اس کے بعد ہی سوچیں گے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں آپ کو تنہا بھی تو نہیں چھوڑ سکتا بھائی جان۔۔۔“

”نہیں میں تو عادی ہوں، نمٹ لوں گا، بس تم واپس جاؤ اور سنو پڑھائی سے دل اچاٹ مت کرنا اور قیصر نے اسے واپس بھیج دیا تھا۔

ان کی ماں بچپن ہی میں مر گئی تھی۔۔۔ اور یہ کہانی ہر شناسا اچھی طرح جانتا تھا کہ ماں کی موت یوسف حیات صاحب کی برائیوں ہی سے ہوئی ہے۔ شروع ہی سے کڑھتی رہی ہے، یہ بھی پتہ تھا اسے کہ آس پاس کی زمینیں جو باپ دادا نے چھوڑی تھیں وہ بک چکی ہیں اور اب اس حویلی کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں رہ گیا ہے۔۔۔ قیصر حیات نے البتہ اسے ان باتوں پر کان دھرنے نہیں دیا تھا لیکن دیگر ذریعوں سے نادر کو یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ شیخ فیاض حسین نے مقدمہ قائم کر دیا ہے اور وہ اپنی بہت بڑی رقم ان سے وصول کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مقدمہ بھی قیصر حیات لڑ رہا تھا۔

بہر حال نادر بھائی کی فرمائش پوری کرنا چاہتا تھا، حالات بڑے عجیب تھے اور نجانے کیوں نادر کو مایوسیوں نے گھیر لیا تھا۔

یوسف حیات صاحب اوباش طبع انسان تھے۔ بیڑوں پر انہوں نے کبھی کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی، شادی تو شاید کم عمری میں ہی ہو گئی تھی لیکن اس کے بعد حویلی خود شادی خانہ بنی رہتی تھی۔ دور دور کے شہروں سے ناچ گانے والیاں آتی رہتی تھیں اور رنگ رلیاں منائی جاتی تھیں۔ جوان بیڑوں کا کوئی خیال نہیں تھا۔ یوسف حیات کو، وہ تو شکر تھا کہ قدرت نے کوئی بیٹی نہیں دی تھی ورنہ شاید اس کا مستقبل بھی تاریک ہو جاتا۔

قیصر حیات بڑے ظریف کا انسان تھا کہ اس نے چھوٹے بھائی کو ہمیشہ مشکلات سے دور رکھا اور اپنی ہی جان پر کھیلتا رہا۔۔۔ بلکہ جب اسے علم ہوا کہ نادر فرخندہ سے محبت کرتا ہے تو یہ اس کی کوششیں تھیں کہ اس نے فیروز بیگ کو فرخندہ سے شادی کیلئے تیار کر لیا تھا۔۔۔

فیروز بیگ بے حد لالچی انسان تھا اور بالکل اس جیسی فطرت اس کے بیٹے کی بھی تھی اور پھر نیر تو خاص طور سے نادر سے جلتا تھا۔۔۔ لیکن فیروز بیگ کو اس وقت یہ پتہ نہیں تھا کہ یوسف حیات دیمک کی طرح اس پشتی جاگیر کو کھا چکے ہیں جو یوسف حیات کے نام سے وابستہ تھی۔ پھر قیصر ہی کی کاوشوں سے فرخندہ اور نادر حیات کی مگنی ہو گئی تھی۔ البتہ شادی کا مسئلہ ذرا طویل کر دیا گیا تھا۔۔۔ کیوں کہ نادر ابھی تعلیم حاصل کر رہا تھا اور اس کی تعلیم ادھوری نہیں رکھی جا سکتی تھی۔۔۔ فرخندہ نے صرف میٹرک کیا تھا اور اس کے آگے فیروز بیگ اسے پڑھانا نہیں چاہتا تھا۔۔۔ بہر حال بعد کے معاملات نادر کی تعلیم کی تکمیل پر ہی طے پائے تھے اور قیصر حیات نے اپنے بھائی کو چوتھے ہوئے کہا تھا۔۔۔

”تو فکر کیوں کرتا ہے بیٹے۔۔۔ میں زندہ ہوں پایا جو کچھ بھی کر رہے ہیں ہم انہیں اس سے نہیں روک سکتے لیکن میں ہوں نا۔۔۔ میں تیرا گھر آباد کروں گا۔۔۔

بارہا نادر نے اپنے بھائی سے فرمائش کی تھی کہ وہ شادی کر لے۔۔۔ ایک عورت گھر میں آئے گی تو گھر کا رنگ بدل جائے گا۔۔۔ لیکن قیصر نے اسے ہنس کر ٹالتے ہوئے کہا تھا۔

یار اس بارے میں کبھی اطمینان سے سوچیں گے۔۔۔ پہلے تیری شادی کروں گا میں۔۔۔ اور پھر فرخندہ یہاں آکر میرے لئے کچھ کرے گی۔۔۔ اصل میں تو سمجھتا نہیں ہے تیرا سرپرست تو میں ہوں، میری سرپرستی بھلا کون کرے گا۔۔۔ ہاں میری بھالاج آجائے گی تو ظاہر ہے میں اس کی کسی بات سے انکار نہیں کروں گا۔۔۔

نادر کو اپنے بھائی پر فخر تھا۔۔۔ باپ کی موت کے بعد اس کا دل پڑھائی سے خاصا اچاٹ ہو گیا تھا لیکن چونکہ قیصر کا حکم تھا اس لئے وہ شہر واپس آ گیا تھا اور اس بات کو بھی چار پانچ ماہ گزر گئے تھے پتہ نہیں مقدمے کا کیا نتیجہ نکلا۔ قیصر کے کبھی خطوط آتے تو وہ ہمیشہ ایک ہی بات کہتا کہ وہ پورے اعتماد کے ساتھ تعلیم حاصل کرے۔ ساری باتیں تعلیم مکمل ہونے کے بعد ہی سوچی جائیں گی۔

نادر اپنے کمرے میں آکر بستر پر گر پڑا۔۔۔ وہ اس بے نام اداسی کو ذہن سے جھٹکتا چاہتا تھا لیکن پتہ نہیں کیا بات تھی اور جو بات تھی وہ دوسری صبح ہی اسے معلوم ہو گئی۔

ہاسٹل میں رہنے والے اسٹوڈنٹس کی ڈاک ایک جگہ جمع ہو جایا کرتی تھی اور سب اپنی اپنی ڈاک وہاں سے لے لیا کرتے تھے۔ نادر بھی یونی سرسری انداز میں وہاں سے گزرا

”امید نہیں تھی اس بات کی۔۔۔۔۔ لیکن تم جانتے ہو۔۔۔۔۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ فیاض کس طرح کا آدمی ہے۔ اس نے ساری زندگی یہی کوشش کی کہ ہم لوگوں کو بچا دکھائے۔۔۔۔۔ لیکن مجھے امید نہیں تھی کہ ابو ایک ایسے شخص کا سہارا لیں گے جو ہمارا خاندانی دشمن ہے۔ فیاض حسین اور ان کا بیٹا ریاض حسین جس قسم کے لوگ ہیں تم اچھی طرح جانتے ہو۔۔۔۔۔ آج فیاض حسین کو موقع ملا ہے تو وہ اس بات سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔۔۔۔۔ وہ ساری بستی میں سینہ تانے پھر رہا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اب حیات محل ان کا ہو گیا ہے اور وہ وہاں اپنی اجارہ داری قائم کریں گے۔“ ریاض حسین تو بچانے کیا کیا کہتا پھرتا ہے لیکن میں نے اپنے آپ کو سنبھالے رکھا، ورنہ اس کا خون ہو جاتا میرے ہاتھوں۔۔۔۔۔“

”نہیں بھائی جان، ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ نادر نے منسل آواز میں کہا۔۔۔۔۔“

”ہاں نہیں ہونا چاہئے تھا اس لئے میں نے نہیں کیا۔۔۔۔۔ قیصر حیات نے سوگوار انداز میں کہا۔۔۔۔۔“

”پورا واقعہ کیا ہے۔۔۔۔۔؟“

”تمام کاغذات اصل ہیں اور ان میں کوئی شک کی بات نہیں ہے والد صاحب نے لاکھوں روپیہ فیاض حسین صاحب سے لے رکھا تھا، اور تمام چیزوں کے کاغذات بنا بنا کر دیتے رہے تھے۔ انہوں نے ہمارے بارے میں کبھی کچھ نہیں سوچا۔۔۔۔۔ اور اب فیاض حسین کا قرض اتنا ہے کہ اس حویلی کی ایک کیل بھی ہمیں حاصل نہیں ہو سکتی۔ پوری حویلی اس کی ملکیت ہے اور سرکاری طور پر اسے حویلی کا قبضہ دیا جا چکا ہے۔

”یعنی۔۔۔۔۔ یعنی۔۔۔۔۔!“

”ہاں اب حویلی میں اس کا تالا پڑا ہوا ہے اور وہ جب چاہے وہاں آ سکتا ہے۔“

نادر کا دل خون کے آنسو روئے لگا۔ اسے حویلی کی ایک ایک اینٹ سے پیار تھا، اسے حویلی کا ایک ایک گوشہ پیارا تھا، اس کی زندگی کی ساری یادیں اس سے وابستہ تھیں لیکن یوسف حیات صاحب نے جو کچھ کیا تھا وہ بہر حال ایک بڑا عمل تھا۔۔۔۔۔ خود تو اس دنیا سے چلے گئے تھے لیکن بیڑوں کیلئے سر چھپانے کا ٹھکانہ تک نہیں چھوڑا تھا۔۔۔۔۔ بہت ہی قابل انفسوس بات تھی، قیصر نے کہا۔

”بہر حال جو ہوا سو ہوا۔۔۔۔۔ ہمیں حقیقتوں کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ جو کچھ ہو چکا ہے وہ ایسا ہے کہ اگر اسے نظر انداز ہی کر دیا جائے تو زندگی بچ سکتی ہے، ورنہ دل غم سے پھٹ

جاتا ہے۔۔۔۔۔ اور شاید میں اس غم کو کبھی دل سے جدا نہیں کر سکوں گا۔۔۔۔۔“

”نہیں بھائی جان ایسا نہ کہیں، اب جو کچھ ہو چکا ہے، ہمیں اس کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔۔۔۔۔“

”بس اس طرح نا، جس طرح دنیا میں لوگ زندگی گزارتے ہیں، کون سا نیا کام کر سکتے ہیں ہم لوگ۔۔۔۔۔“

”وہ تو سب ٹھیک ہے بھائی جان، لیکن پھر بھی ہمیں اپنی ہمت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔“

خاصی دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اس دوران حسین شاہ کی بیوی نے کھانا تیار کر لیا تھا۔ حسین شاہ نے شام کا کھانا ساتھ ہی کھایا۔۔۔۔۔ نادر کی آمد سے اس نے خوشی کا اظہار کیا تھا اور پھر انفسوس کرتا ہوا بول اٹھا۔

”یہ سب کچھ تو ہم نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا لیکن ہو گیا۔۔۔۔۔ خیر بچو۔ تم فکر نہ کرو تمہارا یہ غلام حاضر ہے اس گھر کی چھت تمہاری ہے جو کھاتا ہوں اس کا تھوڑا سا حصہ تمہارا بھی ہے۔۔۔۔۔ میں نے زندگی بھر تمہارا نمک کھایا ہے اور اب نمک کی ادائیگی کا وقت ہے۔“

”شکریہ حسین شاہ لیکن بہر حال دیکھیں گے کہ زندگی ہمیں کیا دیتی ہے۔ قیصر حیات نے کہا۔۔۔۔۔“

پھر نادر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔۔۔۔۔ اس نے قیصر کو نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے، لیکن اس کا رخ فیروز بیگ کے گھر کی طرف تھا۔۔۔۔۔

گھر کے دروازے پر دستک دی تو نیر بیگ نے دروازہ کھولا تھا۔ نادر کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور اس نے اندر کی طرف رخ کر کے کہا۔

”ابو نادر حیات خان آئے ہیں۔۔۔۔۔“

”آئیے اندر آئیے نادر صاحب، تشریف لائیے اور نادر اندر داخل ہو گیا۔ نیر کے لہجے کے طنز کو وہ نہ مانی گیا تھا۔ یہ سچائی تھی کہ اب حالات ایسے ہی تھے کہ کسی کی زبان کو روکا نہیں جا سکتا تھا۔ وقت نے یہی سلوک کیا تھا اس کے ساتھ اور اب اسے صبر و سکون کے ساتھ اس وقت کو گزارنا تھا۔ اگر صبر و سکون کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا جاتا تو پھر صرف جرم ہی رہ جاتا تھا جو کیا جا سکتا تھا۔۔۔۔۔“

نیر اسے لے کر ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا اور نادر اندازہ لگانے لگا کہ فیروز بیگ کے

”آپ نے کیا کہا چچا جان یعنی رشتہ۔۔۔۔۔ رشتہ ختم ہو جانے کی بات کی ہے آپ۔“

تقدیر کا فیصلہ اسے معلوم ہو چکا تھا اور اب اس فیصلے کے خلاف جنگ کرنا تھی۔ وہ افسردہ سا دہاں سے باہر نکلا۔ دروازہ کے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک طرف سے آہٹ سی سنائی دی اور شی شی کی آواز۔۔۔۔۔

اس نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا اور ایک لمحے میں پہچان لیا، وہ فرخندہ ہی تھی۔۔۔۔۔ وہ جس سے اس نے ساری زندگی ساتھ بھانے کا وعدہ کیا تھا، جسے اس نے اس کائنات میں سب سے زیادہ چاہا تھا۔۔۔۔۔

فرخندہ کے چہرے پر جو اداسی دوڑ رہی تھی اس نے نادر کے دل کو دکھی کر دیا۔ وہ آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھا اور اس نے کہا۔

”فرخندہ تم یہاں۔۔۔۔۔؟“

”اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا نادر۔۔۔۔۔؟“

”فرخندہ۔۔۔۔۔“

وہاں۔۔۔۔۔ میں تمہاری اور ابو کی ساری باتیں سن چکی ہوں، فرخندہ دکھی لمبے میں بولی۔۔۔۔۔

”فرخندہ انسان کی تقدیر بھی کیا چیز ہے؟ جب کچھ چھنے پر آتا ہے تو سب کچھ ایک ہی لمحے میں چھن جاتا ہے۔“

”مجھے محسوس ہو رہا ہے۔۔۔۔۔“

”فرخندہ اگر تم نے فیروز بیگ کی گفتگو سن لی ہے تو تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ وقت کس طرح میرے خلاف ہو گیا ہے۔۔۔۔۔

”نادر تم وقت سے جنگ نہیں کرو گے۔۔۔۔۔؟“

”فرخندہ میں جذباتی باتوں سے گریز کر رہا ہوں، کیا کہہ سکتا ہوں اس دنیا میں میرے جیسے لاکھوں انسان مارے مارے پھرتے ہیں۔۔۔۔۔ کون کیا حاصل کر لیتا ہے مجھے کچھ نہیں معلوم۔۔۔۔۔“

”نادر۔۔۔۔۔ نادر۔۔۔۔۔ میں نے بھی زندگی بھر تمہیں ہی دیکھا ہے۔ تمہیں ہی سوچا ہے۔ تمہیں ہی چاہا ہے اور تمہیں ہی پانا چاہتی ہوں۔ نادر کیا ہماری زندگی کے خواب اس طرح چھن جائیں گے ایسا تو میں نے کبھی نہیں سوچا۔۔۔۔۔“

”فرخندہ میں اگر تم سے یہ وعدہ کروں کہ میرا انتظار کرنا۔۔۔۔۔ تو اس وعدے کی کوئی بنیاد نہیں ہوگی۔۔۔۔۔“

کرائے اپنے بچوں کو، لیکن پھر بھی جتنا کچھ میرے پاس ہو سکا ہے وہ میں نے انہیں دیا ہے اور اس طرح اگر میرے نازوں کے پالے بچے اگر یوں در بدر ہو جائیں تو کیا کوئی باپ ایسا پسند کرے گا۔۔۔۔۔؟“

”چچا جان آپ۔۔۔۔۔ آپ مجھے موقع تو دیں اس کا۔۔۔۔۔“

”بولو بولو کیا موقع چاہتے ہو۔۔۔۔۔؟“

”چچا جان میں۔۔۔۔۔ چچا جان میں زندگی میں جدوجہد کرنے کی کوشش کروں گا اور اپنا مقام پالوں گا۔۔۔۔۔“

”اور اس وقت تک میری بیٹی بوڑھی ہو جائے گی کیوں۔۔۔۔۔ نہیں بھائی کیسی باتیں کرتے ہو تم۔۔۔۔۔ زندگی اتنی آسان چیز نہیں ہے جتنا تم نے اسے سمجھ لیا ہے اور دولت بھی آسمان سے نہیں برستی اس کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے اور میں جانتا ہوں کہ ایک شخص اگر ایک مناسب رقم کمانے کی کوشش کرے تو اسے کتنا عرصہ لگ سکتا ہے۔۔۔۔۔ اب تم خود بتاؤ اس کے لئے میں انتظار تو نہیں کر سکتا۔

”آپ بہت زیادہ باتیں کر رہے ہیں ابو، بھلا اس کی کیا ضرورت ہے، صاف سی بات ہے آپ نے کہہ دیا ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں ہے تو بس کافی ہے، نیریگ نے پہلی بار اس گفتگو میں حصہ لیا اور نادر اسے دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے چچا جان لیکن ایک بات میں آپ سے کہے جا رہا ہوں میں کوشش کروں گا کہ جلد از جلد اپنے لئے کوئی بہتر مقام تلاش کر لوں۔۔۔۔۔ اور چچا جان آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔۔۔۔۔“

”دیکھو اس لمبے کو تبدیل کرو۔۔۔۔۔ انتظار کرنا ہوگا سے کیا مراد ہے تمہاری کیا میں تمہارے لئے مجبور ہوں۔“

”آپ سوچ لیجئے۔۔۔۔۔“

”ٹھیک ہے اگر تم مجھے دھمکی دے رہے ہو تو میں تمہارا چیلنج قبول کرتا ہوں۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں اگر تم نے یہ حویلی واپس لے لی جس طرح بھی بن پڑا یہ تمہاری ذمہ داری ہے تو میں اپنی بیٹی کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں گا لیکن اس کے لئے بھی ایک وقت کا تعین ہونا ضروری ہے، وہ وقت، جب میری بیٹی کے بالوں میں سفیدی نہ آجائے۔ سمجھ گئے نا تم۔۔۔۔۔! فیروز بیگ نے کہا۔۔۔۔۔ اور نادر نے سوچا کہ اب یہاں رکتا بے کار ہے۔

”نہیں نادر انسان پہلے ہر چیز کی بنیاد رکھتا ہے۔۔۔۔ اور اس کے بعد وہ کچھ کہہ۔۔۔“

”اگر یہ بات ہے فرخندہ تو میں بھی کوشش کروں گا کہ ایک بار پھر اپنی کھوئی ہوئی زندگی حاصل کر لوں۔۔۔“

”میں جانتی ہوں نادر۔۔۔ ابو لالچی آدمی ہیں حالانکہ سوچنے کا انداز ہے۔ اگر وہ مجھے کسی دولت مند گھرانے میں پہنچا دیں گے تو انہیں کیا مل جائے گا۔۔۔ بس انسان کی اپنی سوچ ہوتی ہے۔۔۔ لیکن نادر میں تم سے ناامید نہیں ہوں، میں جانتی ہوں تم اپنی تقدیر کے ستارے پھر سے روشن کر لو گے۔۔۔ میں جانتی ہوں نادر اچھی طرح جانتی ہوں۔ اور نادر نے گہری سانس لی۔

”یہ سب جذباتی باتیں ہیں فرخندہ۔۔۔ ہم شاید یہ نہ کر پائیں گے۔“

”نہیں نادر خدا کے واسطے ایسا نہ کہو۔۔۔ ہم لوگ ذہنی طور پر ایک دوسرے کے علاوہ کچھ سوچ ہی نہیں سکتے۔۔۔“

”مجھ سے وعدہ کرو یہ وعدہ تمہارے دل میں عزم پیدا کرے گا اور اگر سچائیوں کی راہ ہوتی ہے تو پھر نادر ہماری فتح ضرور ہوگی تم یقین کرو نادر ہماری فتح ضرور ہوگی۔“

”یہ سب جذباتی باتیں ہیں فرخندہ۔۔۔ ہم شاید یہ نہ کر پائیں گے۔“

”نہیں نادر خدا کے واسطے ایسا نہ کہو۔۔۔ ہم لوگ ذہنی طور پر ایک دوسرے کے علاوہ کچھ سوچ ہی نہیں سکتے۔۔۔“

”اور اگر فیروز بیگ صاحب نے تمہیں مجبور کیا تو۔۔۔“

”نادر میں آخری حد تک کوشش کروں گی کہ وہ مجھے مجبور نہ کر پائیں، میری جدوجہد اگر دم توڑ گئی تو میں خود بھی دم توڑ دوں گی۔۔۔“

”نہیں فرخندہ ایسا مت کہو۔۔۔“

”نادر ایسا کہتا پڑ رہا ہے مجھے۔۔۔ تم مجھے کوئی آس، کوئی دلاسا نہیں دے رہے تمہیں یہ دلاسا مجھے دینا چاہئے نادر۔۔۔ میں تو عورت ہوں، لڑکی ہوں، بے بس ہوں۔۔۔ لیکن پھر بھی میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ اس وقت تک جب تک میں جدوجہد کر سکتی ہوں کرتی رہوں گی اور اگر میرا باپ اس بات پر قائل جاتا ہے کہ وہ مجھے موت ہی کی آغوش میں دھکیل دے تو نادر یہی سنا ہے میں نے کہ دنیا میں محبتوں سے مایوس رہنے والے بالآخر آخرت میں ایک دوسرے کو پالیتے ہیں۔ مجھے تلاش کر لینا نادر۔۔۔ موت کے بعد مجھے تلاش کر لینا۔۔۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات۔۔۔“

نادر کی آنکھوں میں آنسو نکل آئے۔۔۔ فرخندہ کی آواز بھی لرز رہی تھی۔ پھر اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔۔۔

”زیادہ وقت میں یہاں نہیں رک سکتی، میں نہیں چاہتی کہ ابو کو میری کسی بات پر غصہ آئے۔ ابھی میں نے ان کی کسی بات پر کوئی احتجاج نہیں کیا ہے، میں جانتی ہوں، مجھے طویل احتجاج کا دور قبول کرنا پڑے گا۔۔۔ لیکن نادر میں کروں گی تم اطمینان رکھو۔۔۔ میں آسانی سے ابو کی بات نہیں مانوں گی۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔“

نادر میں یہاں نہیں رک سکتی، میں نہیں چاہتی کہ ابو کو میری کسی بات پر غصہ آئے۔ ابھی میں نے ان کی کسی بات پر کوئی احتجاج نہیں کیا ہے، میں جانتی ہوں، مجھے طویل احتجاج کا دور قبول کرنا پڑے گا۔۔۔ لیکن نادر میں کروں گی تم اطمینان رکھو۔۔۔ میں آسانی سے ابو کی بات نہیں مانوں گی۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔“

نادر میں یہاں نہیں رک سکتی، میں نہیں چاہتی کہ ابو کو میری کسی بات پر غصہ آئے۔ ابھی میں نے ان کی کسی بات پر کوئی احتجاج نہیں کیا ہے، میں جانتی ہوں، مجھے طویل احتجاج کا دور قبول کرنا پڑے گا۔۔۔ لیکن نادر میں کروں گی تم اطمینان رکھو۔۔۔ میں آسانی سے ابو کی بات نہیں مانوں گی۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔“

نادر میں یہاں نہیں رک سکتی، میں نہیں چاہتی کہ ابو کو میری کسی بات پر غصہ آئے۔ ابھی میں نے ان کی کسی بات پر کوئی احتجاج نہیں کیا ہے، میں جانتی ہوں، مجھے طویل احتجاج کا دور قبول کرنا پڑے گا۔۔۔ لیکن نادر میں کروں گی تم اطمینان رکھو۔۔۔ میں آسانی سے ابو کی بات نہیں مانوں گی۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔“

ہیں ایک بار پھر نواب پور آکر اپنی ساکھ بحال کرنا ہوگی۔ آج جو دنیا ہمارے بارے میں کہہ رہی ہے ہم اس دنیا کو جھوٹا ثابت کر کے دکھائیں گے۔ ہم اسے بتائیں گے کہ ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔“

”مجھے غم نہیں ہے بھائی جان۔۔۔ اور میں آپ کی بات سے سو فیصد اتفاق کرتا ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ اب ہمیں نواب پور میں قیام نہیں کرنا چاہئے۔ جب تقدیر نے آزمائے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو پھر ہم دیکھیں گے کہ تقدیر کا خود اپنا فیصلہ کیا ہے۔ ہمارے بارے میں۔۔۔؟“

”میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔۔۔“
 ”تو بہتر یہ ہوگا کہ اس بے چارے غریب آدمی کے شانوں پر بوجھ ڈالنے کے بجائے ہم یہ جگہ چھوڑ دیں۔“
 ”کہاں جائیں گے۔۔۔؟“

”شر واپس۔۔۔ یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں بھائی جان کہ میں اپنی تعلیم مکمل نہیں کر سکتا، حالات مجھے اب بالکل اس کی اجازت نہیں دیتے۔۔۔ لیکن جو جیب خرچ مجھے بھجوا جاتا رہا ہے میں نے اسے غلط طریقے سے خرچ نہیں کیا۔ بہت کم لوگوں سے شناسائی رکھی ہے۔ صرف ضرورت کے مطابق اخراجات کئے ہیں۔ بینک میں جو اکاؤنٹ ہے اس میں تھوڑی بہت رقم رکھی ہوئی ہے۔ کم از کم وہ ہمارا اتنا ساتھ دے سکتی ہے کہ ہم اپنے مستقبل کے بارے میں مناسب فیصلہ کر سکیں۔“
 ”قیصر حیات کے چرے پر خوشی کی ایک لہر اٹھی اور اس نے کہا۔۔۔“ کیا واقعی تمہارے پاس کچھ رقم موجود ہے۔۔۔“

”آپ سے بھلا جھوٹ بولنے کا کیا سوال ہے؟“
 ”آہ یہ میں نے نہ کیا۔۔۔ لیکن میں نے سوچا بھی تو نہیں تھا۔ کچھ اس طرح اچانک میرے اوپر افتاد پڑی کہ سارے ہی کام بگڑ گئے لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ فیاض حسین نے ایک مکمل خاموشی اس لئے اپنے آپ پر طاری کئے رہی کہ اچانک ہی حملہ کرے اور ہم پہلے سے ہوشیار نہ ہو جائیں۔۔۔ لیکن بہر حال، جو کاغذات اور اس نے پیش کئے ہیں ان میں سے ایک بھی جعلی نہیں ہے۔ وہ حقدار ہے اس بات کا کہ ہماری ہر چیز پر قبضہ کر لے۔“

”تو پھر بھائی جان حسین شاہ سے اجازت لی جائے۔۔۔“ بلکہ اجازت بھی نہ لی جائے

نے ایسا گل کھلایا ہے کہ کہیں کوئی راستہ نہیں رہا۔۔۔ اب جب حویلی پر قبضہ ہو چکا تھا۔۔۔ اور قبضہ بھی ایک ایسے شخص کا جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ شیطان بھی شاید اس سے مشورے لے لے کر شہانت کرتا ہو۔ بہر حال ساری باتیں اپنی جگہ تھیں اور اب یہ سوچ رہا تھا کہ بھائی کی تعلیم کہاں سے جاری رکھ سکے گا۔۔۔ یا پھر فیروز بیگ جس کے بارے میں پہلے بھی قیصر حیات کے خیالات اچھے نہیں تھے۔ لیکن یہ بھی وہ جانتا تھا کہ فرخندہ ایک بہت ہی نفیس لڑکی ہے، اپنے باپ اور بھائی سے بالکل مختلف۔۔۔ اور اگر وہ ان کی زندگی میں شامل ہو جائے تو کوئی بری بات نہیں ہے۔۔۔ وہ اسے اپنے خاندان میں بڑی خوشی سے قبول کر سکتے تھے اور اس وقت فیروز بیگ یہ جانتا تھا کہ حویلی والے کس حیثیت کے مالک ہیں بلکہ یقینی طور پر فیروز بیگ نے یہ بھی سوچا ہوگا کہ بالاخر یوسف حیات اپنی برائیوں سے باز آ جائے گا اور اس کے بعد حویلی دونوں بھائیوں کے پاس ہوگی۔ چونکہ پشتوں سے اس حویلی کی ساکھ بنی چلی آئی تھی اس لئے کوئی اس برے وقت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔۔ وہ جو کہتے ہیں کہ ہاتھی لاکھ لئے پھر بھی سوا لاکھ کا۔۔۔ سو حویلی والوں کے بارے میں یہ خیال تھا اس کا۔۔۔ البتہ جب فیاض حسین نے حویلی کے بارے میں اپنے کاموں کا آغاز کیا تو صورتحال لوگوں کے علم میں آئی اور لوگ دانستوں میں انگلی دبا کر رہ گئے۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ اگر نادر حیات کا انتظار نہ ہوتا تو قیصر حیات لوگوں کے طعنوں سے تنگ آکر نواب پور چھوڑ ہی دیتا۔ اسے اپنے بھائی کا انتظار تھا، اور اب وہ یہ بھی جانتا تھا کہ نادر حیات کہاں گیا ہوگا۔۔۔ لیکن اس کے دل میں افسردگی کے سوا اور کچھ نہیں تھا، نادر کو کسی طور تسلی نہیں دی جاسکتی تھی۔ جھوٹے خواب نہیں دیکھائے جا سکتے تھے، وقت نے اب ایک بالکل نیا رخ اختیار کیا تھا۔

قیصر جانتا تھا کہ فیروز بیگ کس طرح نادر کے ساتھ پیش آئے گا اور جب نادر حسین شاہ کی ڈیوڑھی میں داخل ہوا تو ایک لمحے میں اس نے اندازہ لگا لیا کہ جو کچھ اس نے سوچا وہ ہی سچ ہے۔

نادر کے چرے پر مایوسی کی لکیریں کھینچی ہوئی تھیں، قیصر حیات کے پاس آکر وہ خاموشی سے چارپائی پر بیٹھ گیا تو قیصر حیات نے مدہم لہجے میں کہا۔

”میں جانتا ہوں کہ تم فیروز بیگ کے گھر گئے ہو گے۔۔۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ مکار فطرت فیروز بیگ نے کیا کہا ہوگا۔۔۔“ لیکن میرے بھائی ہمارے مذہب میں مایوسی کفر ہے۔ اور ہم اپنے ایمان کا یہ حصہ بھی چھوڑنا نہیں چاہتے۔ وقت سے جنگ کرنا ہوگی۔

”کیا۔۔۔؟“

حیات بولا۔

قیصر حیات نے کچھ لمحے سوچا اور اس کے بعد بولا۔۔۔۔۔ ”ٹھیک ہے میں تمہیں اس سے منع نہیں کروں گا، لیکن تمہیں یہ وعدہ کرنا ہو گا کہ تم کسی بھی قیمت پر وہاں سے کوئی چیز حاصل نہیں کرو گے۔۔۔۔۔“

چور راستہ ایک دیوار کی جڑ میں موجود تھا جس سے گزرتے ہوئے قیصر حیات اور نادر اندر داخل ہو گئے۔ حویلی میں سارا ساز و سامان جوں کا توں بڑا ہوا تھا۔ ہر طرف تاریکی اور سنائے

قیصر حیات نے کہا۔

“ہاں۔۔۔۔۔”

”ہاں ممکن ہے۔۔۔۔۔“

باتوں کو نظر انداز کر کے نادر حیات اپنے بھائی کے ہمراہ ہوشل میں داخل ہو گیا۔
اب سے کچھ وقت پہلے اس کے تصور میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ یہ سب کچھ اس کے لئے لحوں میں اجنبی ہونے والا ہے، لیکن جو ہونا تھا وہ ہو گیا تھا اور۔۔۔ تو اور سب سے بڑی ساتھی، زندگی کا سب سے حسین لمحہ اس سے رخصت ہو گیا تھا یعنی فرخندہ۔۔۔ آتے ہوئے اس نے دوبارہ فرخندہ سے ملنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اب یہ سب بے کار ہے۔ وہ فیروز بیگ کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھا، ایک ایسے شخص کا اس کے پاس جانا قطعی مناسب نہیں تھا جو زندگی میں اپنا سب کچھ کھو چکا ہو۔ بہر حال اب تمام باتوں سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اب تو صرف آگے کے بارے میں سوچنا تھا۔۔۔ غور کرنا تھا اس عالم مفلسی میں بھی غور کرنا تھا۔۔۔ چنانچہ ہوشل آنے کے بعد نادر نے اپنا سامان وغیرہ باندھا اور پھر ہوشل کے آفس پر پہنچ گیا جہاں اسے اپنے اخراجات کا حساب کرنا تھا۔

وہ حساب کتاب کر رہی رہا تھا کہ طاہر وہاں پہنچ گیا۔۔۔ اور اس نے اسے سازو سامان کے ساتھ دیکھ کر اس کی طرف رخ کیا۔۔۔ وہ جانتا چاہتا تھا کہ نادر سامان باندھ کر ہوشل سے کہاں جا رہا ہے۔۔۔ حالانکہ اس کی نادر سے کوئی خاص سلام دعا نہیں تھی لیکن پھر بھی وہ کلاس فیلو تو تھے ہی۔۔۔ پتہ نہیں اس نے دل میں کیا خیال آیا کہ وہ آہستہ آہستہ ان کے قریب پہنچ گیا۔

”ہیلو۔ اس نے نادر کو مخاطب کر کے کہا۔“

”ہیلو مسٹر نادر۔۔۔“

”آپ مجھے جانتے ہیں۔۔۔؟“

”جی کیوں نہیں۔۔۔ آپ فیصل کے دوست ہیں۔ میرے کلاس فیلو ہیں اور فیصل سے میری بہت زیادہ گہری دوستی نہ سہی لیکن پھر بھی ہم لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔“
”وہ دیکھتے فیصل آ رہا ہے۔۔۔ پیچھے سے فیصل بھی آ رہا تھا۔ اس نے بھی نادر حیات اور اس کے بھائی قیصر حیات کو دیکھا تو فیصل نے کہا۔

”خیرت، ارے تم کہیں جا رہے ہو کیا۔۔۔؟ کیا ہاسل چھوڑ رہے ہو۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔“

”ضرور تم نے شہر میں کوئی بہت بڑی رہائش گاہ حاصل کر لی ہوگی۔ آخر ایک بڑے باپ کے بیٹے ہو۔۔۔“

”وہ کیسے۔۔۔؟“

”دیکھو نادر ہم دونوں مضبوط ہیں، جوان ہیں، ہمارے بازو طاقتور ہیں ایسا نہیں ہو سکتا نادر کہ ہم اپنی تمام ضرورتوں کو نظر انداز کر کے اپنی زندگی کا صرف ایک محور بنا لیں اور وہ محور ہو اس حویلی کا حصول۔

نادر کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

”بھائی جان حقیقت یہ ہے کہ میں ایک باہمت آدمی ہوں، زندگی سے دوسرے رابطے تو توڑے لئے ہیں میں نے، لیکن اس حویلی سے اپنا رشتہ نہیں توڑوں گا۔۔۔“

”تو آؤ اس حویلی میں کھڑے ہو کر قسم کھائیں کہ ہم اسے دوبارہ حاصل کرنے کی بھرپور جدوجہد کریں گے۔۔۔ اور اگر ہم میں سے کوئی ایک باقی نہ رہے تو دوسرا یہ نہ سوچے کہ اب اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔۔۔ اس حویلی کے درودیوار اپنے ہیں ہم اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔۔۔“

”ایسی بات نہ کہیں بھائی جان۔۔۔ ہم بے شک دو جسموں کے مالک ہیں لیکن ہماری راہیں ایک ہیں۔“

”حقیقتوں سے کبھی گریز نہیں کیا جا سکتا، وقت اپنی کمائی خود تحریر کرتا ہے ہم نہیں جانتے کہ وقت کی کیا کمائی ہے۔۔۔ لیکن اس جدوجہد کو ہم ہمیشہ اپنے لئے مشعل راہ بنا رکھیں گے۔۔۔“

”ٹھیک ہے بھائی جان تو پھر آج ہم ان درودیوار سے وعدہ کر کے یہاں سے نکلتے ہیں کہ ہم ایک بار پھر ان کے درمیان آئیں گے لیکن اس طرح کہ یہ ہماری ملکیت ہوگی اور ہم اسے پھولوں سے سجا دیں گے۔ اتنے پھول سجائیں گے اس حویلی میں کہ پوری حویلی ایک گلستانہ معلوم ہو۔۔۔“

اور اس کے بعد وہ دونوں خاموشی سے اس چور راستے سے باہر نکل آئے اور ریلوے اسٹیشن کی جانب چل پڑے۔۔۔ ایک طویل سفر ایک لمبا سفر اور اس کے بعد نجانے کون سی منزل۔۔۔

رات کی تاریکی میں ریل کے ڈبے کے تمام مسافر گہری نیند سو رہے تھے۔ بس وہ دونوں خاموش بیٹھے ہوئے تاریک خلاؤں میں گھور رہے تھے اور ان خلاؤں میں شاید اپنا مستقبل تلاش کر رہے تھے۔

سو سفر ختم ہوا لیکن دن کی روشنی میں یہ منصوبہ بنا لیا گیا تھا کہ آگے کیا کرنا ہے۔ چنانچہ تمام

دکھ بھری بات پسند کروں۔ لیکن براہ کرم کیا آپ مجھے یہ بتانا پسند کریں گے کہ ایسا کیوں ہے۔۔۔۔۔؟

”ہم لوگ تلاش ہو چکے ہیں۔۔۔۔۔ آپ نے مجھے بڑے باپ کا بیٹا ہونے کا طعنہ دیا تھا اب میں کسی بڑے باپ کا بیٹا نہیں رہا، بلکہ میرا باپ بھی اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ نادر حیات نے کہا۔

”نہیں مسٹر نادر پلیز۔۔۔۔۔ اگر آپ نے میری اس بات کو محسوس کیا ہے تو مجھے اس کا افسوس ہے اور مجھے اس بات کا بھی افسوس ہے کہ۔۔۔۔۔ کہ آپ فاضل میں نہیں بیٹھ رہے، ایسا نہ کیجئے مسٹر نادر۔۔۔۔۔ سر میں آپ کا نام نہیں جانتا لیکن آپ نادر کے بڑے بھائی ہیں، پلیز آپ ہی انہی سمجھائیے۔

”میرا نام قیصر ہے۔۔۔۔۔ مجھے خوشی ہے کہ نادر نے جھوٹی باتوں سے کام نہیں لیا۔۔۔۔۔ اصل میں ہم لوگ تلاش ہو چکے ہیں۔ کچھ ایسے واقعات پیش آئے ہیں ہم لوگوں کے ساتھ جن کی بنا پر اب ہم اس قابل نہیں رہے کہ شریف انسانوں کی طرح زندگی بسر کریں۔ ہم یہ ہوٹل چھوڑنے کے بعد کسی فٹ پاتھ کو اپنائیں گے اور پھر دیکھیں گے کہ تقدیر ہمارے لئے کیا فیصلہ کرتی ہے۔

فیصل اور طاہر کے چہرے پر عجب سے آثار پھیل گئے تھے۔ اچانک ہی طاہر کو وہ شخص یاد آیا جس نے نادر کی پیشانی پر بھیجتے ہوئے ستاروں کی نشاندہی کی تھی اور اس کے چہرے پر عجب سے تاثرات پھیل گئے۔ کچھ دیر وہ نادر کو دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

”ایک بات کہوں مسٹر نادر۔۔۔۔۔ آپ برا تو نہیں مانیں گے۔۔۔۔۔؟“

”نہیں قطعی نہیں کہئے۔“

”ایک دن آپ ہوٹل میں بیٹھے ہوئے تھے، میں بھی ہوٹل میں بیٹھا ہوا تھا۔ فیصل کا انتظار کر رہا تھا کہ مجھے ایک بوڑھا شخص ملا جس کا نام افزایاب تھا۔ اس نے اپنا نام راجہ افزایاب ہی بتایا تھا اور پھر اس نے آپ کے بارے میں ایک عجیب سی پیش گوئی کی۔ اس نے بتایا کہ آپ کی پیشانی کے ستارے بگھ رہے ہیں۔ میں نے اس وقت اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی تھی لیکن اس نے یہ بھی کہا تھا کہ میں جس کا انتظار کر رہا ہوں وہ نہیں آئے گا، اور وہ شخص تھا فیصل۔۔۔۔۔ اور فیصل واقعی نہیں آیا تھا۔ بہر حال میں نے اس شخص کو کھانا کھلا کر رخصت کر دیا تھا لیکن اس کی دونوں پیش گوئیاں کچھ درست سی ثابت نہیں ہوئیں۔۔۔۔۔“

جواب میں نادر کے ہونٹوں پر ایک پھلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

”شکریہ بہر حال تم نے مجھے بڑے باپ کا بیٹا کہا۔۔۔۔۔ اور اس کے بعد نادر نے ادائیگی کر کے سید حاصل کر لی۔۔۔۔۔ پھر فیصل نے کہا۔

”لیکن ہاسٹل چھوڑنے سے پہلے کم از کم تمہیں ہمارے ساتھ ایک پیالی چائے تو پینی چاہئے اور اصولی طور پر ہمیں اپنی رہائش گاہ پر چائے پر مدعو کرنا چاہئے۔“

”نہیں دوست شاید میں اس کا متمثل نہ ہو سکوں۔۔۔۔۔ نادر نے کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟“

”مطلب یہ کہ۔۔۔۔۔ کہ۔۔۔۔۔ نادر جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔

”آؤ یا رہاٹل کی کنٹین پر چلتے ہیں۔ آئیں بھائی صاحب ہمیں اندازہ ہو چکا ہے آپ دونوں کے یکساں چہرے دیکھ کر کہ آپ نادر حیات صاحب کے بھائی ہیں۔۔۔۔۔ آئیے پلیز صرف ایک پیالی چائے۔۔۔۔۔ اور اس کے بعد وہ کنٹین میں جا بیٹھے۔

کنٹین میں بیٹھ کر فیصل اور طاہر نے چائے کے ساتھ کچھ دوسری چیزیں بھی منگوائیں اور اس کے بعد نادر کی طرف رخ کر کے بولا۔

”تو جناب نے یہ نی رہائش گاہ کہاں بنائی ہے۔۔۔۔۔؟“

”اصل میں فیصل میں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ ایک جھوٹ بول کر اسے چھپانے کیلئے ہزار جھوٹ بولے جائیں۔“

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟“ فیصل تعجب سے بولا۔

”میں نے ہاسٹل چھوڑ دیا ہے اور اس کے ساتھ تعلیم کو بھی خیر یاد کہہ دیا ہے۔ نادر حیات نے سر دلبے میں کہا۔

”کیا۔۔۔۔۔ فیصل چونک پڑا۔“

”ہاں میں نے تعلیم ختم کر دی ہے۔“

”لیکن فاضل۔۔۔۔۔ فاضل ایگزام نہیں دو گے کیا۔۔۔۔۔؟“

”ہاں فاضل میں نہیں بیٹھ سکوں گا۔“

”کیا بات کر رہے ہو مسٹر نادر۔۔۔۔۔ یہ تو ایک عجیب و غریب انکشاف ہے۔ فیصل نے حیرت سے کہا۔

”میں نہیں جانتا، میرا یہ انکشاف تمہیں پسند ہے یا ناپسند۔۔۔۔۔؟“

”نہیں مسٹر نادر، میرا اور آپ کا کوئی ایسا جھگڑا تو نہیں رہا ہے، جس کی بنا پر میں یہ

”میں کیا کہہ سکتا ہوں اس سلسلے میں۔“
 ”لیکن میں کہہ سکتا ہوں مشر نادر اور سر آپ نے اپنا نام کیا بتایا تھا۔“
 ”قیصر حیات — قیصر حیات نے کہا۔“

”جی“ میں ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں آپ سے — آپ سوچیں گے تو سہی بلکہ بہت بڑے لوگ جب کسی طرح مفلس ہو جاتے ہیں تو ان کی جذباتی کیفیت زیادہ خراب ہو جاتی ہے۔ آپ براہ کرم محسوس نہ کریں۔ دیکھیں ویسے تو اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ میرے پاس بہت کچھ ہے لیکن میں آپ کے سامنے کوئی بڑا آدمی نہیں ہوں۔ اتفاق کی بات ہے کہ مشر نادر سے میرے کوئی گہرے تعلقات نہیں رہے — لیکن بہر حال اتنی شناسائی ہے کہ میں آپ کو ایک پیشکش کر سکوں۔“

”کیا — قیصر حیات نے پوچھا۔“

”کچھ وقت میرے ساتھ قیام کیجئے گا۔“

”کہاں — قیصر نے چونک کر پوچھا۔“

”میرے گھر — میرے گھر کی انہی اچھی خاصی ہے اور آپ کچھ وقت وہاں قیام کر سکتے ہیں۔ معاف کیجئے گا اس سے آپ کی توہین مقصود نہیں بلکہ انسانی جذبوں کے تحت میں آپ کو سارا دینا چاہتا ہوں۔“

”شکریہ مشر طاہر آپ کی یہ پیشکش — نادر نے کہنا چاہا لیکن قیصر نے اس کا یہ جملہ پورا نہ ہونے دیا۔۔۔۔۔“

”اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ایسا ہو سکے گا تو میں آپ کی یہ پیشکش قبول کرتا ہوں۔“
 نادر نے چونک کر بھائی کو دیکھا لیکن قیصر حیات کے چہرے پر اطمینان کی لہریں دیکھ کر وہ بھی خاموش ہو گیا۔

”بہت بہت شکریہ آپ اطمینان رکھیں ہمارے گھر میں آپ بالکل اپنے گھر کا سا سکون محسوس کریں گے۔ اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ آپ کیلئے کیا کر سکتے ہیں۔ طاہر نے کہا۔“

بہر حال ان لمحات میں قیصر حیات نے جو فیصلہ کیا تھا وہ بہتر ہی تھا۔ بعد میں نادر کو اس کا احساس ہوا۔۔۔۔۔ کنٹینر سے رخصت ہونے کے بعد طاہر محبت کے ساتھ انہیں لے کر باہر نکلا۔ فیصل بھی ساتھ ہی تھا۔ پھر انہوں نے ایک ٹیکسی روکی۔ یہ مختصر سا سامان اس میں رکھا اور چل پڑے۔



اچھے اور اعلیٰ ظرف لوگ تھے، مہمانوں کی پذیرائی کرنا جانتے تھے، بڑے لوگ وہی ہوتے ہیں جو اس وقت کسی کی مدد پر آمادہ ہوتے ہیں جب وہ مشکل میں ہوں — یہ بات طاہر اور فیصل اچھی طرح جانتے تھے کہ نادر کا کچھ ہی روز پہلے کا ماضی بہت شاندار تھا، اور وہ ایک اعلیٰ شخص کے طور پر مشہور تھا۔ اس وقت تو خیر ان لوگوں کا ساتھ جیسا بھی رہا لیکن یہ وقت ایسا تھا کہ انہیں انسانی بنیادوں پر سارا دیا جائے۔

طاہر کے والد اطہر شیخ بھی بہت نفیس انسان تھے۔ بیٹے نے بعد میں باپ کو ان کے بارے میں جو کچھ بھی بتا دیا ہو — لیکن ابتدا ہی میں انہوں نے ان دونوں کی معزز مہمانوں کے طور پر پذیرائی کی تھی — انہی کسی کی رہائش گاہ بھی بہت عمدہ تھی حالانکہ نادر کو کچھ لمبے حیرت بھی رہی تھی کہ قیصر جیسے خوار شخص نے ان لوگوں کی اعانت کیسے قبول کر لی تھی — لیکن بہر حال وہ سمجھ گیا تھا کہ قیصر اس وقت ساروں کی تلاش میں ہے اور یہ تو انسانی فطرت کا ایک حصہ ہوتا ہے بعد میں قیصر نے اپنے بھائی کو مطمئن کرتے ہوئے کہا۔

”خودداری بہت اچھی چیز ہوتی ہے بھائی لیکن انسان ایک دوسرے کے کام آتا ہی ہے۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے آنے والا وقت ہمیں دوبارہ اس قابل کر دے کہ ہم ان لوگوں کے احسان کا بہترین صلہ چکا سکیں۔“

الغرض یہاں آکر لمحوں کا سکون مل گیا تھا۔ ویسے تو نجانے کیسے کیسے اضطرابی تصور ذہن میں ابھرتے رہتے تھے لیکن تنہائی میں نادر کو فرخندہ بہت یاد آتی تھی اور وہ آخری لمحات جب وہ اس سے جدا ہوا تھا اور فرخندہ کی آنکھوں میں حسرت و یاس کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔۔۔۔۔ وہ ایک کمزور لڑکی تھی، زندگی میں اس نے کبھی کسی سے بغاوت کا تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔۔۔۔۔ پتہ نہیں وقت کے دھارے اسے کہاں سے کہاں تک بہا لے جائیں — کون کہہ سکتا ہے کل کیا ہوا آنے والا وقت کیا ہو —؟“ بہر حال ٹھنڈی نسوں کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

ادھر طاہر راجہ افراسیاب کی تلاش میں نجانے کہاں کہاں مارا مارا پھر رہا تھا۔ بس ایک ہلکی سی امید تھی ممکن ہے افراسیاب ان دونوں کی مشکل کا کوئی حل بتا دے۔ آدمی ذرا مختلف قسم کا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ اس کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ افراسیاب اسے ایک چھوٹے سے گندے سے ہوٹل میں مل گیا تھا۔ اور پھر ہزاروں جتن کر کے وہ افراسیاب

کو اپنے گھر تک لانے میں کامیاب ہو سکا۔ اس نے بوڑھے کو ساری تفصیل بتا دی تھی۔
افریاب ان کے درمیان پہنچ گیا اور پھر اس نے کہا۔

”ہاں اس روز میں نے تم سے کہا تھا کہ اس شخص کی پیشانی کے ستارے مدہم ہوتے جا رہے ہیں اور یہ آج بھی کھوں گا۔۔۔۔۔ لیکن جہاں تک مسئلہ مستقبل کا ہے تو ستارے اپنا رخ بدلتے ہی رہتے ہیں اور میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ ان کے ستاروں کا رخ بھی بدلے گا اور طریقہ کار یہ ہے کہ سفر وسیلہ ظفر ہوتا ہے اور اس کے لئے سفر ہی مناسب ہے۔

پھر اس نے قیصر کو دیکھ کر کہا۔

”بس ایک ہی کے بارے میں کہہ دینا کافی ہے۔“

”میرے بارے میں بھی کچھ بتائیے جناب۔۔۔۔۔ نادر نے کہا۔

”بس میں نے کہا تھا کہ ایک ہی کے بارے میں کہہ دینا کافی ہے، بوڑھے نے ضدی لہجے میں کہا۔“

اس کے بعد ان سب نے لاکھ کوشش کی لیکن بوڑھے افریاب کے منہ سے اور کوئی بات نہیں کھلوا سکے تھے۔ البتہ اس کے جانے کے بعد قیصر نے کہا۔

”اس تمام عرصے میں یہی تصور میرے ذہن میں بھی جاگزیں رہا کہ ہمیں وطن سے کہیں اور چلے جانا چاہئے۔ اس کے دو فائدے ہیں۔ یہاں رہ کر ہم ہمیشہ اپنے گھر اپنے ماحول کو یاد کرتے رہیں گے، جب کہ اگر ہمیں یہاں سے باہر نکلتا نصیب ہو جائے تو بہت سی باتیں بھولی بھی جاسکتی ہیں اور جدوجہد کے لئے بھی ہر طرح کا عمل کیا جاسکتا ہے کیونکہ اطراف میں ہمارے شناسا نہیں ہوں گے۔

تو پھر یوں ہوا کہ اطہر شیخ صاحب نے ایک شپنگ کمپنی میں جنرل مینیجر کے عہدے پر فائز اپنے دوست سے گفتگو کی اور اس سے کہا کہ ان دو افراد کو کہیں کسی طرح اپنے کسی جہاز پر ملازمت دے دے۔۔۔۔۔ تو جنرل مینیجر نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ جہاز پر جو ملازمتیں ہوا کرتی ہیں وہ مخصوص ہی ہوتی ہیں یا تو پھر ایسے تجربے کار افراد ہوں جن کا شپنگ کمپنی سے کوئی تعلق ہو۔۔۔۔۔ ورنہ دوسری صورت میں صرف غلامیوں میں جگہ مل سکتی ہے۔

اور اعلیٰ خاندان کے یہ دو افراد چونکہ اطہر علی شیخ کے علم میں تھے اس لئے انہوں نے ذرا سا گریز کیا تاہم اپنے بیٹے سے تذکرہ ضرور کر دیا اور جب طاہر نے قیصر اور نادر سے

اس سلسلے میں بات کی تو دونوں ہی بخوشی تیار ہو گئے۔ نادر نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”جب تقدیر سے جنگ ہی ٹھہری تو پھر یہ دیکھنا بالکل غلط ہو گا کہ کون سا ہتھیار استعمال کیا جائے، ہمیں وطن سے نکلنے کا موقع تو ملے۔“

سو ایک نیوی گیشن کمپنی کے ایک مسافر بردار جہاز میں انہیں غلامیوں کی ملازمت ملی مئی اور دونوں بھائیوں نے وطن عزیز کو الوداع کہا۔۔۔۔۔ وسیع و عریض جہاز نے جب ساحل چھوڑا تو دونوں کی آنکھیں پر نم تھیں۔ وہ ڈیڑھائی ہوئی نگاہوں سے اپنے وطن کی مٹی کو دیکھ رہے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ تاحد نظر سمندر کے سوا کچھ نہ رہا۔۔۔۔۔ اور دونوں نے یہ طے کیا کہ اپنے فرائض محنت و خوش اسلوبی سے انجام دیں گے کہ اپنے لئے کوئی مقام بنا لیا جائے۔ اب سمندر کی موجیں تھیں یا وہ۔۔۔۔۔ یا پھر اطراف میں بکھرے ہوئے بے شمار افراد جو اپنی اپنی رنگ رلیوں میں مصروف رہا کرتے تھے۔

دونوں نے اپنے ذہنوں سے امارت کا چھٹا اتار پھینکا اور محنت سے اپنا کام سرانجام دینے لگے کہ ان کے افسروں کو جو ان کی نگرانی کرتے تھے ان سے ذرا بھی شکایت نہ ہو۔۔۔۔۔ اور ایسا ہی ہوا تھا۔

رفتہ رفتہ وہ اس ماحول کے عادی ہوتے جا رہے تھے اور پھر خاصا وقت اس انداز میں گزر گیا۔ دل کو دھارس سی مل گئی تھی۔۔۔۔۔ اور نئے ماحول نے ذہن کو تھوڑا سا سکون بھی بخشا تھا۔ پھر وہ تقریباً آٹھ ماہ تک دنیا کے مختلف گوشوں میں اس جہاز پر سفر کرتے رہے تھے۔ ملازمت مستقل ہو گئی تھی۔۔۔۔۔ اور ابھی تک کوئی ایسا ذریعہ ہاتھ میں نہیں آیا تھا جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ وہ مستقبل کے دروازے کھول سکتا ہے۔ لیکن امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا گیا تھا۔

نادر کو اس کا بڑا بھائی قیصر حیات اس طرح سارا دیئے ہوئے تھا کہ پہلے وہ اپنی خدمات سرانجام دیتا تھا اور اس کے بعد اپنے چھوٹے بھائی نادر کیلئے مصروف رہ جاتا تھا۔ اس کے کپڑے، اس کے رہنے سننے کی جگہ، ہر وہ آسائش جو قیصر حیات اسے دے سکتا تھا دے رہا تھا۔ بھائی کی محبت دل میں کچھ اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ یوں زندگی کا یہ سفر طے ہوتا رہا۔ سوالات دونوں کے ذہن میں تھے اور اکثر وہ ایک دوسرے سے بیٹھ کر باتیں کر لیا کرتے تھے۔ نادر کہتا۔

”بھائی جان آپ کا کیا خیال ہے، یہ ستاروں کا چکر ہم پر سے کب ختم ہو گا۔“
”اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔۔۔۔۔ لیکن مایوسی کفر کہلاتی ہے۔ میں ابھی تک مایوس نہیں

فیٹ کی کہانی کچھ یوں تھی جو اس نے خود ان لوگوں کو سنائی تھی۔
 ”عظیم آقا اور سورج جیسی چمک رکھنے والو‘ ہوا یوں تھا کہ میں افریقہ کے ایک قبیلے
 فرد ہوں لیکن اس وقت میں شکم مار میں تھا جب برے وقت میں آنے والے سفید فاموں
 نے میری ماں کو میرے قبیلے سے اغوا کر لیا اور اسے قیدی بنا کر نئی دنیا میں لے آئے۔
 بہت برے لوگ تھے جنہوں نے میری ماں کو میرے قبیلے سے جدا کر دیا۔ لیکن بعد میں جب

نمائندے تھے اور قیصر حیات، نادر حیات اور دوسرے تمام افراد اپنی نیلی وردیاں پہنے مختلف انتظامات کے لئے بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔

موسم خاصا خراب تھا اور اس خراب موسم کیلئے تمام انتظامات کر لئے گئے تھے۔ کچھ مسافر ایسے تھے جو ضرورتاً یہ سفر کر رہے تھے اور کچھ ایسے جبالے تھے جو سمندر میں اس خراب موسم میں سفر کرنا چاہتے تھے تاکہ اچھے موسم کا مزہ بھی لے سکیں۔ چنانچہ سارے انتظامات مکمل ہو چکے تو جہاز کے لنگر اٹھا دیئے گئے۔ اور پھر وہ آگے بڑھنے لگے۔

ٹھنڈی ہواؤں کا دور دورہ تھا اس کے باوجود موسم میں ایک عجیب سی ٹھن پائی جاتی تھی، آسمان پر بادل گھرے ہوئے تھے۔ اس اثنا میں جہاز نے ساحل چھوڑا اور آہستہ آہستہ انسانی آبادی سے دور ہوتا چلا گیا۔ سیاہ گھٹا آسمان پر تلی کھڑی تھی، جیسے ہی جہاز کے سفر کو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ گزرا موسلا دھار بارش کا آغاز ہو گیا۔ تیسرے درجے کے عرشے پر لیٹے ہوئے مسافروں میں ہلچل مچ گئی اور ہر شخص بارش سے پناہ کے لئے دوڑ پڑا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے سامان کھلی جگہوں پر ہی چھوڑ دیا اور خود عرشے کے نیچے چلے گئے۔ رفتہ رفتہ سمندر میں اونچی اونچی لہریں اٹھنے لگی تھیں اور میڈونا لہروں کے درمیان ہنکولے کھانے لگا۔

ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن کوئی بھی ہراساں نہیں تھا۔ نادر اور قیصر حیات اب موسموں کے عادی ہو گئے تھے۔ کئی بار انہیں سمندری طوفان کا سامنا کرنا پڑا تھا اور وہ جانتے تھے کہ ایسے موقعوں پر انہیں کیا کرنا چاہئے۔ لیکن اس وقت کا یہ طوفان کچھ زیادہ ہی شدید تھا۔ بارش کے تھپیڑے پوری قوت سے بند کھڑکیوں اور دروازوں کی آہنی ہلیٹوں سے ٹکرا رہے تھے پھر کچھ دیر کے بعد اولے بھی برسنے لگے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے مٹین گمن سے گولیاں برس رہی ہوں۔ بند کینوں کے مسافر بھی خوفزدہ ہو گئے تھے۔ چاروں طرف گھپ اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا اور اس اندھیرے میں جب کبھی کبھی بجلی چمکتی تو سمندر کی خوفناک لہریں جہاز سے ٹکراتیں ہوئی دکھائی دیتیں۔

مسافر کافی دیر مشکل کا شکار رہے لیکن پھر آہستہ آہستہ سمندری طوفان کا جوش و خروش مدھم پڑتا چلا گیا۔ اور مسافروں میں ڈنر تقسیم ہونے لگا۔ اکثر مسافروں نے اپنے کیمپ میں ہی کھانا منگوایا تھا۔ البتہ بعض مسافر جو یورپین کھانے کے شائق تھے طعام گاہوں میں چلے گئے تھے۔ اور وہاں موسم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اس وقت رات کے تقریباً تین بجے تھے جب جہاز نے زبردست جھٹکا کھایا اور سوئے

ان دونوں کا بھی شکر گزار تھا اور بوڑھی عورت کی بیماری سے اکثر پریشان رہا کرتا تھا۔

پھر ایک بار دوران سفر بوڑھی پر سخت دورہ پڑا اور اس کے بعد وہ زندگی سے محروم ہو گئی۔ تب اس کی لاش سمندر میں ڈال دی گئی اور فینٹ کے ہونٹوں سے اس کے بعد سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

حالانکہ نادر اور قیصر اس کا بہت خیال کیا کرتے تھے لیکن فینٹ کے ہونٹ تو ایسا لگتا تھا جیسے مسکراتا بھول ہی گئے ہوں۔ وہ گردن جھکائے بیٹھا رہتا تھا۔ اس کی تمام شوخیاں غائب ہو گئی تھیں، اس نے ان لوگوں سے کہا تھا۔

”اور میرے دوستو! اس عورت کے سوا میں نے اس دنیا میں کبھی کسی کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھا، میں نے کسی سے محبت نہیں کی۔ یوں تو زندگی میں بے شمار افراد آتے ہیں لیکن محبت ہر ایک سے نہیں ہو جاتی۔ بس اس کے بعد میں یہ سوچتا ہوں کہ اس دنیا میں مجھے کیا کرنا ہے کس کے لئے جینا ہے، کوئی نہیں ہے میرا اس پوری دنیا میں۔“

”فینٹ ایسا نہیں سوچو۔ ہم تمہارے ہیں۔ تمہارے دوست ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔۔۔۔۔۔ یہ لوگ اسے دلاسہ دیتے۔۔۔۔۔۔ اور بہر حال سب کی ہمدردیاں فینٹ کے ساتھ تھیں اور یہ لوگ کوشش کر رہے تھے کہ رفتہ رفتہ فینٹ کے دل سے غم کا یہ احساس نکل جائے اور شاید ایسا ہو رہا تھا کیونکہ فینٹ آہستہ آہستہ زندگی کی جانب واپس آ رہا تھا۔“

ان دونوں بھائیوں کے ساتھ فینٹ کی دوستی بے پناہ بڑھ گئی تھی اور وہ کہتا تھا کہ اب اگر کسی کے ساتھ زندگی گزارنے کا لطف ہے تو وہ صرف یہ دونوں ہیں۔۔۔۔۔۔ وہ اپنی ماں کی سنائی ہوئی بے شمار کمائیاں انہیں سنا رہا تھا، اس نے بتایا تھا کہ اس کا قبیلہ اندھیرے والا کہلاتا ہے۔ اور وہاں تاریکیوں کی پوجا ہوتی ہے۔ وہ اپنی ماں کی زبانی سنی ہوئی کمائیاں بڑی دلچسپی سے ان لوگوں کو سنا رہا تھا۔

بہر حال سفر زندگی کا ایک حصہ بن کر رہ گیا تھا لیکن وسیلہ ظفر ابھی تک کہیں نظر نہیں آیا تھا۔۔۔۔۔۔ یوں پہلا سال گزر گیا۔۔۔۔۔۔ پھر دوسرا سال درمیان میں پہنچا تھا کہ وقت نے کڑوٹ بدل۔

ان دنوں وہ گایا میں بحیرہ اوقیانوس کے ساحل پر لنگر انداز تھے۔ یہاں سے میڈونا پر مسافروں کو لا کر آگے بڑھنا تھا اور خاصے طویل سفر کا آغاز کرنا تھا۔۔۔۔۔۔ چنانچہ اب اس کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ تمام افراد جہاز پر آ رہے تھے۔ ان میں مختلف ملکوں کے

بہر حال آگ پر قابو نہیں پایا جاسکا تھا۔ آگ اب درجہ اول کے کیمینوں کو جلا کر جزی سے جہاز کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔ لکڑی کے تختے اور دوسرا سامان آگ کے اندر چٹاخ چٹاخ کی آوازیں پیدا کرتا ہوا دھواں دھار جھل رہا تھا۔ تمام خلاسی اور انجینئرز آگ پر قابو پانے کی جدوجہد میں مصروف تھے اور وہ ہر قیمت پر جہاز کو بچانے کے خواہشمند تھے۔ لیکن چند ہی لمحوں میں انہیں معلوم ہو گیا کہ اس آگ پر قابو پانا کسی بھی صورت میں ممکن نہیں ہے۔

آگ کی تپش سے موسم بھی گرم ہو گیا تھا اور اب جہاز کے تمام مسافر موت کی آگ اپنے چاروں طرف بکھری ہوئی دیکھ رہے تھے۔ تمام عملے کو پوری طرح احساس ہو گیا کہ اب آگ بجھانے میں ناکامی ہی ہوگی چنانچہ وہ مسافروں کی طرف متوجہ ہوئے اور لائف جیکٹیں پن کر عرشے کی طرف دوڑ پڑے۔ اس کے بعد کشتیوں کو باقاعدگی سے نیچے اتارا جانے لگا۔ لیکن مسافروں کی بدحواسی اتنی خوفناک تھی کہ کشتیاں آسانی سے نہیں اتاری جا رہی تھیں یہاں تک کہ صورتحال بالکل بس سے باہر ہو گئی اور جہاز کے تمام آفیسروں نے مشفقہ طور پر فیصلہ کر لیا کہ اب جہاز کو بچانا ممکن نہیں۔ جو آخری کوششوں میں مصروف تھے اور وہ تمام انتظامات کر رہے تھے جو کئے جاسکتے تھے۔

ایسے موقع پر کچھ افسروں نے اپنے عملے کے افراد کو بھی زندگی بچانے کی ہدایت کی اور اس وقت مجبوری کے عالم میں جہاز کو آگ اور سمندر کے رحم و کرم پر چھوڑ کر عملے کے افراد کو بھی چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر پانی میں اتارنا پڑا۔

انہی میں سے ایک کشتی پر نادر حیات، قیصر، فینٹ اور چند دوسرے افراد بھی سوار تھے جو اس وقت ایک دوسرے کی صورت سے آشنا نہیں رہے تھے۔ ان سب کی ایک ہی کوشش تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے کشتی کو جہاز سے دور لے جایا جاسکے تاکہ جب جہاز پانی میں غرق ہو تو اس سے پیدا ہونے والے بھنور سے یہ کشتی بچائی جاسکے۔

اور اس وقت ہر شخص نفسانفسی کا شکار تھا اور اب صرف اپنی جان بچانے میں کوشاں تھا۔ قیصر اور نادر بھی ایک گوشے میں موجود تھے چونکہ فینٹ ان کے قریب ہی موجود تھا اس لئے وہ فینٹ کی جانب سے تشریف کا شکار نہیں تھے لیکن جو زندگی سے محروم ہو گئے تھے ان کے لئے ان کے دل خون کے آنسو رو رہے تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کریں۔

بہر حال یہ آخری لمحات ہوتے ہیں جب انسان صرف اپنی زندگی کے بارے میں سوچتا

ہوئے مسافر جاگ اٹھے۔ انہیں عجیب سی کیفیت کا احساس ہوا تھا۔ بہر حال لوگ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے رہے۔ ابھی کچھ وقت گزرا بھی نہیں تھا کہ اچانک درجہ اول کی جانب سے آگ کے اونچے اونچے شعلے اور سیاہ دھوئیں کے مرغولے اٹھتے ہوئے دکھائی دیئے۔ پھر ایک قیامت برپا ہو گئی۔ دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے اور مسافروں کی بدحواسی میں دوڑنے کی آوازیں پورے جہاز پر پھیل گئی تھیں، اور لوگ ایک ایک دوسرے سے الگجے ٹکراتے گرتے پڑتے سارے جہاز میں ادھر سے ادھر بھاگتے پھر رہے تھے۔ آگ آگ کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

پھر عجیب و غریب مناظر دیکھنے میں آئے۔ بہت سے لوگ شدید زخمی ہو گئے تھے۔ بھاگ دوڑ میں وہ مختلف جگہوں پر ٹکرا رہے تھے اور بڑی پریشان کن کیفیت تھی۔ جہاز کے سب سے وسیع عرشے پر ایک قیامت برپا تھی۔ ہر شخص پریشان تھا۔ بچے بلک بلک کر رو رہے تھے اور مرد بے حواس گم سم کھڑے آگ کے شعلوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان سب کے چروں پر موت کی زردی پھیل رہی تھی۔

قیصر حیات اور نادر دوسرے تمام افراد کے ساتھ سمندر میں تیرتے ہوئے اس آگ کے گولے پر آگ پر قابو پانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مسافر بے لگام ہو گئے تھے۔ ہر شخص اپنے اپنے طور پر کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا۔ پھر موت کے مسافر لائف بولس کی طرف بھاگے تو لائف بولس کے انچارج نے ان لوگوں کو روکا اور انہیں ہدایت دینے لگا کہ اس طرح ایک بھی لائف بوٹ سمندر میں نہیں اتاری جائے گی جب تک کہ لائف بوٹوں پر چڑھے ہوئے لوگ نیچے نہیں اتریں گے۔

اسی اثنا میں چند لوگوں نے کشتیاں پانی کی سطح تک اتارنے کیلئے الٹی سیدھی تدبیریں اختیار کیں اور غلطی سے چند رے کاٹ دیئے لیکن اس کا بڑا ملک نتیجہ برآمد ہوا۔

رے کٹتے ہی دھماکوں کے ساتھ آدمیوں سے کچا کچج بھری ہوئی دو کشتیاں سمندر میں گر گئیں۔ ان میں عورتیں اور بچے بھی تھے جن کی ٹلک شگاف چھین بلند ہونے لگیں۔

نادر اور قیصر دوڑتے ہوئے آہنی کھڑے کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ لوگ سمندر میں غوطے کھا کھا کر غرق ہو رہے تھے۔ اس سے پیشتر کہ انہیں بچانے کا کوئی انتظام کیا جانا سمندری مچھلیاں کثیر تعداد میں پانی کی سطح پر ابھر آئیں۔ ان میں بڑی بڑی شارک مچھلیاں بھی تھیں جو اپنے بھیا تک جڑے کھولے تیزی سے انسانوں کو شکار کر رہی تھیں۔ یہ منظر اتنا دہشت انگیز تھا کہ بہت سے لوگ غش کھا کر گر پڑے تھے۔

علاقہ تھا جہاں ان کی پوری بستی آباد تھیں۔ شاید اکثر لوگوں کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ بڑے بڑے سمندروں میں رہنے والی شارک مچھلیوں کے بھی بہت سے قبیلے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مچھلی اپنی حد سے نکل کر کسی دوسری سرحد میں داخل ہو جائے تو خود اس کی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ دوسرے قبیلے کی شارک مچھلیاں اسے فوراً چٹ کر جاتی ہیں۔ یہ ساری باتیں انہیں جہاز کے سفر کے درمیان ہی معلوم ہوئی تھیں۔ بہر حال لائف بوٹ پر زندگی کا یہ سفر جاری تھا۔ ہوا کبھی تیز چلنے لگتی تھی اور کبھی آہستہ۔ ہوا کے بعد دوسرا مسئلہ لہروں کے اتار چڑھاؤ کا تھا۔ اگر لہروں میں غیر توازن پیدا ہو جائے تو لائف بوٹ خطرے میں پڑ سکتی تھی بہر حال وہ آسانی سے پانی کی لہروں پہ بہتی چلی جا رہی تھی۔ ہوا کا کوئی تیز جھونکا آتا تو اس کی رفتار بڑھ جاتی اور ہوا کم ہو جاتی تو ست چلنے لگتی تھی۔ صحیح معنوں میں ان کی زندگیوں کا حصار اب ہوا کے گھٹنے بوھنے پر ہی تھا۔ وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا۔ یہ اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ کس سمت جا رہے ہیں۔ ایک آدمی جو باقی بچا تھا وہ بھی ذہنی طور پر عدم توازن کا شکار تھا اور بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ سارا دن اسی طرح گزر گیا۔ سورج سمندر میں غروب ہوا اور آسمان پہ تارے جھلکانے لگے۔ ہوا ایک بار پھر تعاون کر رہی تھی اور اب ان سب کے معدے بھوک سے تکلیف کا شکار ہو گئے تھے۔ کھانے پینے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا لیکن اب جو کچھ بھی کرنا تھا اپنی قوت برداشت کے سارے تھا۔ پہلا دن پہلی رات، پھر دوسرا دن دوسری رات، یہاں تک کہ تیسرا دن شروع ہو گیا۔ تین روز کے مسلسل فاقے اور پیاس نے ہر شخص کو غڈ حال کر دیا تھا۔ لائف بوٹ میں وہ سب ایک دوسرے کے قریب لاشوں کی طرح پڑے آسمان کو دیکھتے رہتے تھے کہ شاید بادل ہی آ جائیں۔ حالانکہ بارش نے ہی یہ سب کچھ کیا تھا، لیکن اس کے بعد وہ روٹھی ہوئی۔ محبوبہ کی مانند دور چلی گئی تھی۔ اگر بارش ہو جاتی تو کم از کم تھوڑا سا پانی ہی جمع کیا جاسکتا تھا۔ ان سب کی زبانوں پر کانٹے پڑے ہوئے تھے۔ چوتھا آدمی جس نے ابھی تک اپنا نام بھی نہیں بتایا تھا شدت تکلیف سے بار بار منہ کھولتا اور یوں محسوس ہوتا جیسے وہ بڑے کرب کے عالم میں گزارا کر رہا ہے۔ چھپے روز افق کے دوسرے سرے پر سیاہ بادلوں کے چند ٹکڑے دکھائی دیئے۔ جن کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی اور سب ہی بے صبری اور شوق کے ساتھ ان کے قریب آنے کا انتظار کر رہے تھے لیکن بادل کشتی پر سے گزر گئے اور ایک بوند بھی نہ ٹپکی۔ سارا دن سورج آسمان پر پوری آب و تاب سے چمکتا اور ان کے بدن دھوپ میں جھلتے محسوس ہوتے۔ یوں لگتا جیسے جسموں پر چوینٹیاں رینگ رہی ہیں اور کبھی کبھی سویاں

ہے۔ اور اس وقت جو حالات پیدا ہو چکے تھے اس میں اس کشتی میں موجود تمام ہی افراد صرف اپنی اپنی زندگی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ جو گزر گیا تھا وہ ماضی تھا اور جو آنے والا تھا وہ ایک خوفناک مستقبل کا پیش خیمہ تھا۔



ایک لڑخیز اور بے یار و مددگار سفر شروع ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ ان اوقات میں خود کو تقدیر کے حوالے ہی کیا جاسکتا تھا اور پھر نادر اور قیصر تو اپنے آپ کو زندگی سے دور سمجھ ہی بیٹھے تھے۔ قیصر کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے لیکن اس نے کسی پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ اس کی پسلیوں پر ایک شدید ضرب پڑی ہے اور وہ تکلیف کا شکار ہے۔ وہ جانتا تھا کہ چھوٹا بھائی اس کی تکلیف سے پریشان ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے اپنی اس تکلیف کی جانب سے ذہن ہٹا لیا تھا۔ رات کے آخری حصے میں بارش تھمی اور بادل چھٹ گئے۔ آسمان پر اکا دکا تارے نظر آنے لگے تھے۔ جو ان چھ مسافروں کی بے بسی پر مسکراتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ صبح ہوتے ہی میب لہرس پر سکون ہو گئیں۔ لائف بوٹ تیز رفتاری سے ہچکولے کھاتی کسی نامعلوم منزل کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اور سب کے چروں پر صرف ایک سوال تھا۔ اب کیا ہوگا۔؟ فینٹ کے علاوہ باقی تین افراد جہاز کے عملے ہی کے لوگ تھے اور ان میں ایک سیکنڈ آفیسر بھی تھے۔ وہ بڑی بری حالت کا شکار تھے۔ ان میں سے دو کے بدن آگ سے جھلس گئے تھے۔ ان سب کے چہرے موت کے خوف سے زرد تھے اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ بہر حال دقت گزرتا رہا اور پھر آہستہ آہستہ روشنی نمودار ہونے لگی۔ جھلنے والوں کی حالت رات بھر میں کافی خراب ہو گئی تھی اور پھر اس کے بعد دن کو تقریباً دس بجے دونوں نے ایک ساتھ دم توڑ دیا۔ ان کی لاشوں کو اٹھا کر پانی میں پھینک دیا گیا تھا۔ سب کے سب ذہنی بحران کا شکار تھے۔ فینٹ بھی خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ نادر اور قیصر بھی اپنے اپنے طور پر سوچ رہے تھے۔ اتنے طویل عرصے میں سمندر کا خاصا تجربہ ہو چکا تھا اور اس کے علاوہ اور کوئی احساس ذہن میں نہیں آتا تھا کہ بالآخر سب سمندر کا شکار ہو جائیں گے۔ قرب و جوار میں چھوٹی بڑی سینکڑوں شارک مچھلیاں اپنے خوفناک جڑے کھولے لائف بوٹ کے چاروں طرف بے چینی سے تیر رہی تھیں۔ وہ بار بار کشتی کی طرف جھپٹیں اور مایوس ہو کر لوٹ جاتیں۔ سورج آہستہ آہستہ آسمان کی بلندیاں طے کرتا جا رہا تھا۔ سمندری مچھلیاں دوسرے کشتی کا تعاقب کرتی رہیں یہاں تک کہ آہستہ آہستہ ان کی تعداد کم ہونے لگی۔ غالباً یہ شارک مچھلیوں کا کوئی

چمک کے ساتھ بارانِ رحمت شروع ہو گئی۔ بارش کا ہر قطرہ ان کے تنِ مرہ میں زندگی کی نئی لہر دوڑانے لگا۔ اور ایک طرح سے ان کے لئے آبِ حیات بن گیا۔ اس نے جسمانی قوت بھی فراہم کی اور بھوک کی شدت قدرے کم ہو گئی۔ اس طرح تھوڑی سی زندگی بدن میں دوڑ مئی تھی۔ اب شارک مچھلیوں کا خطرہ بھی نہیں رہا تھا۔ آزاد سمندر کے اس حصے میں لائف بوٹ پہنچ گئی تھی جہاں بے ضرر مچھلیاں رہتی تھیں۔ وہ اکثر لائف بوٹ کے قریب گھومتی رہتی تھیں اور کبھی کبھی یہ لوگ ان کا تجزیہ کرتے تھے پھر اچانک ہی فینٹ کو کچھ سوچتی وہ کشتی کے کنارے آدھا لٹ گیا۔ نادر نے اسے خوفزدہ انداز میں پکارا۔

”فینٹ کیا تم خودکشی کرنے جا رہے ہو۔۔۔“ لیکن فینٹ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اچانک ہی وہ سیدھا ہوا اور نادر نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک مچھلی تڑپ رہی ہے۔ نادر حیرت سے منہ کھول کر رہ گیا تھا۔ فینٹ نے قتبہ لگایا اور مچھلی کو نیچے رکھ کر اسے گھونے مارنے لگا۔ مچھلی بہت طاقتور تھی اور اپنے طور پر سخت جدوجہد کر رہی تھی۔ پھر فینٹ اسے اس وقت تک مارتا رہا جب تک مچھلی کی جان نہ نکل گئی۔ نادر اور قیصر حیرت سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے اور انہیں تعجب تھا کہ فینٹ کے تنِ مرہ میں اتنی جان کہاں سے آگئی۔ مچھلی خاصی بڑی اور وزنی تھی، لیکن وہ اسے یوں دیکھ رہے تھے جیسے مچھلی کو دیکھنے کا اتفاق پہلے کبھی نہیں ہو سکا اور اس کے بعد فینٹ نے سوالیہ نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھا اور بولا۔

”اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم اس مچھلی کو کچا ہی کھا جائیں۔“ ایک عجیب سی کراہت دل میں ابھری۔ لیکن پیٹ ایسی ہی بدبخت چیز ہے۔ مچھلی کا کچا اور بدبودار گوشت اس طرح مزے لے لے کر کھایا گیا جیسے ہمیشہ اسے ایسا ہی کیا جاتا رہا ہو۔ بچا کچا گوشت سنبھال کر ایک طرف رکھ دیا گیا۔ اس روز دوپہر کو ایک بار پھر بادل اٹھ کر آئے اور ہلکی سی بارش بھی ہوئی۔ جس نے ان کی پیاس بھی بجھا دی۔ اب زندگی ایک بار پھر یوں ابھر آئی تھی جیسے اندھیرے میں روشنی کی کرن۔ وہ لوگ قدرت کی اس مدد سے بے حد مسرور تھے۔ مچھلی کا کچا گوشت اور بارش کے پانی سے سیراب ہو کر بدن بے جان سے محسوس ہونے لگے تھے۔ چنانچہ وہ تینوں کشتی میں لیٹ گئے تھے۔ سورج سمندر کے سینے میں اترنے کی تیاریاں کر رہا تھا اور یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ کتنے عرصے تک یہ لوگ سفر کرتے رہے ہیں۔ بہر حال اس کے بعد رات ہو گئی اور دوسری صبح جب سورج طلوع ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ بے شمار پرندے فضا میں اڑ رہے ہیں۔ پرندے دیکھ کر ایک نئی امنگ

سی چھپتی ہوئی محسوس ہوتی۔ جب سورج ڈھلتا تو یہ عذاب دور ہوتا اور ایک نئی مصیبت سامنے آتی یعنی سمندر کی بے گتہ ہوائیں اور ان کے بدنِ سردی سے قہر قہر کانپنے لگتے۔ وہ حرارت کے لئے ایک دوسرے سے لپٹ کر لائف بوٹ کے ایک گوشے میں پڑے رہتے اور ساری رات اسی طرح گزر جاتی۔ اس دوران سمندر کا تیز پانی بوجھار کی شکل میں ان پر برستا رہتا تھا۔ پانچویں دن لائف بوٹ ایک بار پھر شارک مچھلیوں میں گھر چکی تھیں۔ یہ مچھلیاں اگرچہ زیادہ بڑی نہیں تھیں، لیکن ان کے دانت نہایت نوکیلے اور بڑے تھے اور شکل ایسی ڈراؤنی تھی کہ دیکھ کر خون خشک ہوتا تھا۔ فینٹ نے کہا کہ سب لوگ بوٹ کے اندر لیٹ جائیں تاکہ مچھلیاں ہمیں دیکھ نہ سکیں۔ بہر حال دور تک ان مچھلیوں نے تعاقب کیا۔ سورج جب عین سر پہ آیا تو گرمی سے بدن پھر جھلنے لگے۔ دھوپ کی یہ تپش ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ پھر ایک اور حادثہ ہوا۔ وہ آدمی جو اب تک خاموش رہا تھا اچانک ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی حالت بہت ابتر تھی۔ اس نے کہا۔

”میں مر جانا چاہتا ہوں۔ اس لائف بوٹ میں مرنے کی بجائے کسی کے لئے غذائی بن جاؤں تو بہتر ہے۔۔۔“ اس کی آنکھیں آسمان کی جانب مگراں تھیں۔ قیصر اور نادر خاموش بیٹھے پتھرائی ہوئی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ اب صرف موت کا انتظار تھا۔ اور وہ لوگ ایک دوسرے سے یہ بھی نہیں کہہ سکتے تھے کہ سفر اس طرح وسیلہ ظفر بنتا ہے لیکن بہر حال یہ تقدیر کا معاملہ تھا اور کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ قیصر بھی اب زیادہ قوتِ برداشت نہیں رکھتا تھا۔ اس کے بدن کی چوٹ اب ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اسے بخار چڑھ آیا اور اس کا بدن تپنے لگا۔ نادر کے حواس جواب دینے لگے تھے۔ پھر قیصر نے خاصی پریشانی کی کیفیت میں نادر سے کہا۔

”میرے سینے کے پاس چوٹ لگی ہے اور اس کی وجہ سے میں زیادہ پریشان ہوں۔“ نادر نے اپنی قبض اتار کر پانی میں ڈبوئی اور قیصر کے بدن پر رکھ دی۔ اس کے علاوہ وہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا لیکن اب اس کی آنکھوں سے آنسو رواں دواں تھے۔ اگر بھائی بھی زندگی سے محروم ہو گیا تو اس کائنات میں جینے کا اور کوئی سہارا نہیں رہے گا۔ غرض یہ کہ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ فالتے اور پیاس کے باعث جاں بلب تینوں افراد بس آسمان کی طرف دیکھتے رہتے تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب کیا کریں۔ پھر ایک دن صبح کے وقت سیاہ گھٹا جھومتی ہوئی محسوس ہوئی۔ صبح نیم غشی کے عالم سے نجات ملی تو انہوں نے آسمان پر گہرا رنگ دیکھا اور اس کے بعد یہ گہرا رنگ پورے آسمان کو ڈھلتا چلا گیا پھر گرج

دلوں میں جاگ اٹھی۔ ضرور خشکی قریب ہے۔ دوپہر تک یہ پرندے فضا میں اڑتے رہے اور اس کے بعد جب انہیں ایک بھوری لکیر نظر آئی تو ان کے دل خوشی سے ناچ اٹھے۔ اب ان سب کی ایک ہی آرزو تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے ساحل تک پہنچ جائیں لیکن بہت سی آرزوئیں بڑی مشکل سے پوری ہوتی ہیں۔ وقت گزرتا جا رہا تھا اور اتنی روشنی تھی کہ اس بھوری لکیر کو نمایاں ہوتے ہوئے دیکھا جاسکتا تھا۔ پھر کشتی سے کچھ فاصلے پر پانی میں سیاہ رنگ کے دو بڑے بڑے ناریل بتے دکھائی دیئے اور وہ لوگ انہیں پکڑنے کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ بوٹ کے قریب پہنچے تو انہوں نے ہاتھ بڑھا کر انہیں اٹھا لیا۔ یہ ناریل اس بات کی نشانی تھے کہ جہاں وہ جا رہے ہیں وہاں ان کے لئے زندگی موجود ہے۔ بہر طور تقریباً سورج ڈوب چکا تھا۔ جب ان کی کشتی ساحل سے جا مل گئی اور پھر نجانے ان بے جان جسموں سے کس طرح پانی کا یہ تھوڑا سا حصہ عبور کیا گیا اور وہ خشکی پہ پہنچ گئے۔ بھوری نرم ریت چاروں طرف بکھری ہوئی تھی اور چونکہ سورج ڈوب چکا تھا اس لئے وہ بالکل ٹھنڈی تھی۔ وہ اس ٹھنڈی ریت پر اس طرح لیٹ گئے جیسے بس زندگی کو یہیں تک سفر کرنا ہو اور اس کے بعد خاتمہ ہی خاتمہ۔ ان کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہو گئیں۔ جو کچھ وہ کھاتے رہے تھے انہوں نے معدوں میں وزن تو پیدا کر دیا تھا لیکن ان کے دل نے اسے کبھی قبول نہیں کیا تھا۔ رات اس طرح گزر گئی کہ ان میں سے کسی کو ہوش نہ رہا۔ پھر صبح کو جب نادر جاگا تو قیصر کی حالت کافی خراب محسوس ہو رہی تھی البتہ فینٹ موجود نہیں تھا۔ انہوں نے فینٹ کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں تو فینٹ دور سے آتا ہوا نظر آیا۔ وہ تھوڑا سا گھاس پھوس لے کر آیا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس نے غالباً ہاتھوں ہی سے دو تین مچھلیاں بھی پکڑی تھیں جو ناریل کی ایک شاخ میں الجھی ہوئی تھیں۔ اس نے وہ شاخ زمین میں گاڑ دی اور اس کے نیچے پتھروں کی مدد سے آگ جلانے کی کوشش کرنے لگا۔ سوکھی ہوئی گھاس نے بڑی مشکل سے آگ پکڑی تھی۔ فینٹ نے وہ مچھلیاں بھونیں۔ نادر اس کی کوششوں کو دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن پھٹے ہوئے ہونٹ مسکرانے کی اجازت بھی نہیں دے رہے تھے۔ ایک عجیب و غریب شکل ہو گئی تھی اس کی تانور اور سرخ و سفید بدن اب دھوپ سے جھلس گیا تھا۔ چرے کا رنگ بھی تانبے کی رنگت اختیار کرتا جا رہا تھا لیکن اس کیفیت میں بھی اس کے اندر ایک عجیب سی شان و احساس ہوتا تھا جبکہ اسے سب سے زیادہ فکر اپنے بھائی کی تھی۔ بھئی ہوئی مچھلی کا گوشت اس وقت انہیں دنیا کی سب سے لذیذ شے محسوس ہوا۔ فینٹ نے بھی اپنا پیٹ بھرا۔ اب

وہ زیادہ مستعد نظر آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔
 ”اور اگر محسوس کرنے والی ناک ہو تو یہ محسوس کیا جاسکتا ہے کہ یہ میرے وطن کی سرزمین ہے یعنی تاریک براعظم۔ یعنی صحرائے اعظم افریقہ لیکن یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم افریقہ کے ایسے ساحل سے آگے ہیں جہاں دور دور تک آبادیوں کا نام و نشان نہ ہو اور اس وقت یہی ہمارے لئے بہتر ہے کہ ہمارے جسم اس خوفناک سفر سے کمزوریوں کا شکار ہو گئے ہیں لیکن دیکھو ناریلوں کے وہ جھنڈ ہمیں اپنے درمیان آنے کی دعوت دے رہے ہیں اور زیادہ فاصلہ بھی اختیار کرنا نہیں پڑے گا کیونکہ سمندر کو قریب ہی رہنا چاہئے۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ آگے ہمارے لئے شکار کا بندوبست ہو یا نہ ہو۔۔۔ اور فینٹ اس وقت درحقیقت ان کے لئے زندگی ثابت ہو رہا تھا۔ وہ بہت کچھ کرنے کی قوت رکھتا تھا اور اس کا توانا جسم ان دونوں بھائیوں کی نسبت زیادہ بہتر تھا اور وہ آزادی سے چل پھر سکتا تھا جبکہ قیصر تو خیر زخمی تھا لیکن نادر بھی چلنے پھرنے میں تکلیف محسوس کر رہا تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر درختوں کے ایک جھنڈ کے نیچے بھرا کیا اور نادر نے اپنے بھائی کی تیارواری بدن خشک ہو چکے تھے۔ نادر نے قیصر حیات کے جسم کا وہ حصہ کھول کر دیکھا جہاں ضرب پڑی تھی اور یہ دیکھ کر دہشت زدہ رہ گیا کہ اس حصے میں پہلی بات تو یہ کہ پیلاہٹ تھی۔ دوسری بات یہ کہ وہ سو جا ہوا تھا اور اس تکلیف کو برداشت کرتا رہا تھا، وہ بے مثال بات تھی، لیکن آہستہ آہستہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی آنکھوں کے چراغ بجھتے جا رہے ہوں۔ اور فینٹ ایک اتنا شاندار ساتھی ثابت ہوا تھا کہ اس کی مثال ممکن نہیں تھی۔ اس نے ناریلوں کے لاتعداد پتے توڑ کر قیصر حیات کے لئے ایک بستر سا بنا دیا تھا اور اوپر انہی پتوں سے ایک سائبان سا تان دیا تھا۔ یہ اس کی صلاحیتوں کا مظہر تھا۔ وہ ہر وقت کسی نہ کسی چیز کی تلاش میں سرگرداں رہتا تھا اور اس کا خیال تھا کہ یہاں زندگی کے لئے ایسے لوازمات میاں کرے جو قدرتی ہوں لیکن انہیں سہارا دے سکیں۔ ہوا کے تیز جھوکے سمندر کی جانب سے آتے تو یہ جھونپڑی اڑ جاتی لیکن فینٹ انہیں پھر جمع کر کے سائبان کی شکل میں باندھ دیا کرتا تھا۔ کوئی ایسی پائیدار چیز اسے دستیاب نہیں ہو سکی تھی جس سے وہ اس جھونپڑی کو عمدہ شکل دیتا اور وہ ہمیشہ اسی فکر میں سرگرداں رہتا تھا۔ یہاں قیام کئے ہوئے انہیں انیسواں دن تھا اور انہیں دنوں میں وہ زیادہ دور تک جانے کی ہمت نہیں کر سکے تھے۔ مچھلیوں کا بھنا ہوا گوشت، ناریل کا پانی اور گودا ان کے لئے زندگی فراہم کرتا تھا۔ اور وہ زندگی کی تلاش میں ابھی یہیں موجود تھے اور اس کی وجہ قیصر حیات تھا جس کی حالت روز

”کیا وعدہ۔۔۔؟“

”اپنا ہاتھ مضبوطی سے میرے ہاتھ میں دو اور مجھ سے کہو کہ تم میرے بغیر بھی زندہ رہو گے۔ ارے میرے بھائی میں تم سے دور نہیں جا رہا۔ میں تو وہ عمل کر رہا ہوں جو شاید دنیا میں کسی نے نہ کیا ہوگا۔ میں نے اپنا وجود تمہیں سوپ دیا ہے اور اب تم دہرے وجود کے ساتھ اپنی قسم پوری کرنے کی کوشش کرو گے۔“ نادر کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور ہوا کے جھکڑ تیز ہوتے چلے گئے۔ گھاس پھوس کی جھونپڑی لرز رہی تھی اور اس کے ہر سوراخ سے ہوا اندر آرہی تھی۔ کچھ، کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ آسمان پر کالے کالے بادلوں کے جتھے دوڑ لگا رہے تھے اور رات تیزی سے جھپتی چلی آرہی تھی۔ پھر نجانے کتنا وقت گزر گیا نادر بار بار اپنے بھائی کا جائزہ لیتا تھا۔ اس کی سانس چل رہی تھی۔ قیصر حیات زندگی سے موت کی جانب سفر کر رہا تھا۔ نادر پتھرایا ہوا سا اس کی صورت دیکھتا رہتا تھا۔ اس کا چہرہ اتنا ہی خوبصورت تھا لیکن اس پر مردنی چھائی ہوئی تھی اور وہ پریشانی کے انداز میں بھائی کی صورت دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر داڑھی بڑھ گئی تھی۔ کالی آنکھیں بے چینی سے اپنے حلقوں میں گردش کر رہی تھیں۔ بال بھی بڑھ کر شانوں تک پہنچ گئے تھے۔ کندھے مضبوط اور چوڑے شانوں کے درمیان بھرا بھرا جسم، غیر معمولی قوتوں کا مالک، لیکن اس وقت ایک ایسے خوبصورت جوان کو زندگی کے سب سے بڑے دکھ کا سامنا تھا۔ فینٹ نجانے کہاں مر گیا تھا۔ وہ ہمیشہ ہی کچھ نہ کچھ تلاش کرنے کیلئے مارا مارا پھرتا تھا اور نجانے کیا کیا لا کر اس معمولی سی جھونپڑی میں جمع کرتا رہتا تھا۔ بہر حال رات ہو گئی لیکن ہوائیں تیز ہوتی چلی گئی تھیں۔ طوفانی جھکڑ سمندر کی لہروں کو بلند کر رہے تھے اور سمندر خوفناک آواز میں دھاڑ رہا تھا۔ قیصر حیات کی زبان بند ہو چکی تھی اور اب وہ کچھ نہیں بول رہا تھا۔ اس نے اپنے بدن کو جنبش بھی نہیں دی تھی اور نادر موت کو اس کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ باہر طوفان شور مچا رہا تھا اور ہوا جھاڑیوں کے جنگل میں ایک تھمکے مچائے ہوئے تھی۔ نادر نے اس سے پہلے موت کو اتنے قریب کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک عجیب اور بھیاک روپ رکھتی ہے اور آہستہ آہستہ کسی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ پھر کافی وقت گزر گیا اور نادر نے قیصر حیات کے بدن میں سانسوں کے مدوجزر کو مدھم ہوتے ہوئے دیکھا۔ وہ بھائی کے پاس دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر بیٹھا ہوا تھا۔ اور غور کر رہا تھا کہ اب کیا ہوگا پھر اچانک ہی قیصر حیات کے بدن میں ہلکا سا رعشہ پیدا ہوا۔ اس کی کھلی ہوئی آنکھیں بجبنے لگیں اور چہرے پر موت کی زردی چھا گئی۔ اس کا تنفس کم سے کم مدھم

بروز بگڑتی جا رہی تھی۔ اس وقت بھی فینٹ کسی کام سے گیا ہوا تھا۔ سمندر کی جانب سے تیز ہوائیں چل رہی تھیں اور شدت اختیار کرتی جا رہی تھیں۔ ان کی جھونپڑی اب زیادہ کشادہ ہو گئی تھی اور نادر نے خود بھی اس سلسلے میں فینٹ کی مدد کی تھی۔ جس کی وجہ سے جھونپڑی کی چٹائیاں ایک دوسرے سے گندھی ہوئی تیز ہواؤں کا حتی الامکان مقابلہ کر رہی تھیں۔ سورج ڈوبتا جا رہا تھا لیکن ابھی فضا میں کافی روشنی تھی۔ اسی وقت قیصر حیات کی حالت کچھ زیادہ ہی خراب معلوم ہو رہی تھی اور نادر اس کے قریب بیٹھا ڈوبتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ قیصر حیات نے ڈوبتی آواز میں کہا۔

”کیا بچا ہوگا اس وقت کوئی اندازہ ہے؟“

”بس سورج ڈوب رہا ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا وقت ہو سکتا ہے۔“

”نادر میں بے وفا نہیں ہوں مگر زندگی کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ وہ بے وفا ہوتی ہے اور یہ بے وفا زندگی ایسے وقت میں مجھے تم سے دور کر رہی ہے جب تمہیں میرا ضرور تھی۔“

”ایسی باتیں نہ کرو بھائی جان۔ آپ کو پتا ہے کہ آپ کے بغیر میری زندگی کیا ہوگی۔ حالانکہ ہم لوگ صرف زندگی کا مذاق اڑا رہے ہیں۔“

”ہاں شاید۔۔۔ قیصر نے مدھم لہجے میں کہا۔ پھر بولا۔۔۔“

”دیکھو نادر میں تمہیں بہلانے کی کوشش کرنے کی بجائے حقیقتوں سے روشناس کرا رہا ہوں۔ میری زندگی شاید بہت مختصر ہے۔ ممکن ہے چند گھنٹوں سے زیادہ نہ ہو لیکن تمہیں ابھی زندہ رہنا ہے۔ میں اپنے آپ کو تمہارے وجود میں منتقل کر رہا ہوں۔ جو میں نہیں کر سکا وہ تمہیں کرنا ہے۔ ہم نے اپنے آبائی گھر میں کھڑے ہو کر قسم کھائی تھی اور وہاں کے درو دیوار سے اور وہاں موجود اپنے اجداد کی روحوں سے وعدہ کیا تھا کہ بالآخر ایک نہ ایک دن ہم یہ گھر دوبارہ حاصل کر لیں گے۔ نادر میں اس جدوجہد میں تمہارا ساتھ نہیں دے گا اور اب تمہیں تنہا جدوجہد کرنی ہے۔ آخری دم تک کرنی ہے۔ میری دعا ہے کہ کامیاب تمہارے قدم چومے، میں اپنا فرض پورا نہیں کر سکا نادر۔ لیکن تم سمجھ لو کہ آج سے تمہارا وجود دو انسانوں کی حیثیت رکھتا ہے۔ نادر اور قیصر۔ میرے بھائی اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں مجھے افسوس ہے کہ مجبوری کے تحت میں تم سے رخصت ہو رہا ہوں۔“

”نہیں بھائی جان۔ آپ کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکوں گا۔“

”میں تم سے ایک وعدہ چاہتا ہوں نادر بولو وعدہ کرو گے مجھ سے۔۔۔“

تھی اور اس نے کہا تھا۔

”مسٹر نادر ٹیلوں کی دوسری طرف یقینی طور پر جنگل بکھرا ہوا ہے۔ کیا تم بچوں کی خوشبو محسوس کر سکتے ہو۔۔۔۔۔“

”نہیں میں محسوس نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔“ نادر نے جواب دیا۔

”لیکن میرا خیر اسی مٹی سے اٹھا ہے اور مجھے بہت سی باتوں کا احساس ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ پھر یوں ہوا کہ رات کا قیام انہوں نے ٹیلے کے اسی طرف کیا لیکن دوسری صبح کے آغاز کے ساتھ ہی وہ ایک رخنے میں داخل ہوئے اور دوسری جانب پہنچنے کی کوشش کرنے لگے لیکن ابھی آدھا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ دفعتاً ہی بندوق چلنے کی آواز سنائی دی اور وہ دونوں سہم کر رک گئے۔ نادر ساکت ہو گیا تھا اور فینٹ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔“

”نادر نے کہا۔“

”یہ تو فائر کی آواز ہے۔“

”ہاں میں نے محسوس کیا ہے۔۔۔۔۔“

”مگر یہاں۔۔۔۔۔“

”تم کیا سمجھتے ہو مسٹر نادر جنگلوں اور پہاڑوں میں رہنے والے اب جدید ماحول سے اتنے نا آشنا نہیں رہے۔ ہو سکتا ہے یہ کوئی ایسی جگہ ہو جہاں کوئی ذہین قبیلہ آباد ہو ہمیں احتیاط کے ساتھ دوسری طرف دیکھنا چاہئے اور جب اس رخنے کے آخری سرے سے انہوں نے دوسری طرف جھانکا تو انہیں دو خیمے نظر آئے جن میں کچھ افراد موجود تھے اور ان افراد کو دور سے دیکھ کر ہی اندازہ ہو سکتا تھا کہ وہ سفید نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ فینٹ نے کسی قدر ناخوشگوار انداز میں کہا۔

”گوری چڑی اور کالے دل کے لوگ۔“

”آؤ ان کے قریب چلیں۔“

”جیسا تم پسند کرو عظیم آقا۔“

تب وہ ان کی طرف چل پڑے اور کچھ لمحوں کے بعد انہوں نے انہیں دیکھ لیا اور ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ لوگ حیران تھے، نادر نے دونوں ہاتھ بلند کئے اور آہستہ آہستہ آگے بڑھ گیا جیسے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہو کہ وہ بے ضرر انسان ہے اور سفید فاموں نے اسے گمراہی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے خوش آمدید کہا۔ ان میں سے جو شخص سربراہ تھا اس کا نام

ہو کر رفتہ رفتہ ختم ہو گیا۔ نادر نے اپنا کان اس کے سینے پر رکھا۔ اور کوئی آواز نہ پا کر زار و قطار رونے لگا۔ باہر طوفان گرج رہا تھا۔ اور بارش کا زور بڑھ گیا تھا۔ سمندر کی بھیاںک آواز بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔ نادر کے حلق سے ایک تیز چیخ نکلی اور وہ جھوپڑی سے باہر نکل آیا۔ تیز ہوا کے جھونکے نے اچانک ہی اسے زور کا دھکا دیا اور اس کا سر درخت سے جا ٹکرایا خون کی ایک دھار پیشانی سے رخسار پر اور رخسار سے ڈاڑھی سے گزرتی ہوئی سینے پر گرنے لگی۔ اس کے سر میں چکر آگیا تھا اور پھر آہستہ آہستہ وہ زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ ہوش آیا تو آسمان روشن ہوتا جا رہا تھا۔ سلسلہ کوہ پر چوٹیاں سونے میں نما لگی تھیں اور آسمان سے زمین تک آتشیں ستون اترتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ جنگل کے درختوں نے مٹنیاں پھینکا کر صبح کا استقبال شروع کر دیا تھا اور اجالا قرب و جوار میں پھیلتا جا رہا تھا۔ نادر نے گھوم کر ادھر ادھر دیکھا۔ تو تھوڑے فاصلے پر اسے فینٹ خاموش بیٹھا ہوا نظر آیا۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور اس نے فینٹ کو آواز دی۔ تب فینٹ مرے مرے قدموں سے اس کے قریب پہنچا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

”فینٹ میرا بھائی۔“

”ہاں وہ ہم سے دور ہو گیا ہے۔۔۔۔۔ فینٹ نے منموم لہجے میں کہا۔ اور نادر اس ٹوٹی جھوپڑی کی طرف بڑھا جسے رات کی ہواؤں نے ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ ٹوٹی جھوپڑی کی چٹائی اس کا کفن بن گئی تھی۔ پھر انہوں نے اسے اسی چٹائی میں لپیٹ کر قبر میں دفن کر دیا۔ نادر نے کہا۔

”فینٹ اب ہمیں یہاں سے آگے بڑھنا ہوگا۔ فینٹ نے محسوس کیا۔۔۔۔۔

کہ نادر کی آواز میں اب ایک انوکھا عزم ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی خاص خیال نے اسے یہ کیفیت بخشی ہو اور یہ بہتر بھی تھا۔ آگے کی زندگی خاصی عجیب تھی اور کہا نہیں جا سکتا تھا کہ اسے کس انداز میں گزارنا ہوگا۔ سو نادر نے فینٹ کی بات کا احترام کیا اور اس کے بعد وہ وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ اب نادر اور فینٹ تھے جو ہر طرح کے موسم کا مقابلہ کرتے ہوئے ساحل سے دور ہوتے چلے جا رہے تھے۔ ناریل کے درختوں کا یہ سلسلہ تاحد نظر چلا گیا تھا اور ان پہاڑی ٹیلوں تک پہنچا تھا جو دور سے نظر آ رہے تھے اور قرب و جوار میں ویرانی بکھری ہوئی تھی۔ پھر خاصا وقت طے کرنے کے بعد وہ ان پہاڑی ٹیلوں تک پہنچے جن کے درمیان چھوٹے چھوٹے رخنے بنے ہوئے تھے اور ان رخنوں میں پھنس پھنس کر باہر نکلا جا سکتا تھا یعنی دوسری طرف لیکن فینٹ نے یہی پیش گوئی کر دی

”وہ بھی۔“

مقامی لوگوں کی موجودگی کے علاوہ کسی اور کی موجودگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن ان لوگوں کے مل جانے سے نادر کو خوشی ہوئی تھی اس کا غم بھی بٹ سکتا تھا اور باقی

جہ کی جہاں سے سوئے کی ہدائی کی جا سکی سی۔ دامن لے اپنی مٹرائی میں یہ کام

”ہاں یہ تو ہے۔“
 ”اس کے علاوہ ایک بات میں تمہیں اور بتاؤں دوست۔“
 ”کیا۔۔۔؟“

”ہمیں ایسے تھیلے درکار ہیں جن میں ہم اپنے جسموں کو رات کے وقت محفوظ کر سکیں
 وجہ یہ ہے کہ رات کو یہاں ایک خاص قسم کی مکھی سفر کرتی ہے اور یہ مکھی اگر کاٹ لے
 تو انسان شدید بخار میں مبتلا ہو کر گھنٹوں میں چٹ پٹ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ رات کو خصوصی
 طور پر سونے کیلئے ہمیں یہ تھیلے درکار ہوں گے۔“

”مگر ایسا کیسے ممکن ہے۔“
 ”ممکن ہے ان لوگوں کے پاس خیموں کیلئے جو کینوس کے ٹکڑے پڑے ہیں یعنی خیمے
 اگر پھٹ جائیں تو وہ انہیں پوند لگانے کیلئے استعمال کر سکیں وہ ہمارے کام آسکتے ہیں۔“
 ”ٹھیک ہے لیکن کیا والٹن کو اس سے آگاہ کر دینا مناسب نہیں ہوگا۔“

”یہ اس کا اعتماد حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہوگا۔“ فینٹ نے جواب دیا
 اور جب یہ بات نادر کے ذریعے والٹن کو معلوم ہوئی تو اس نے خوفزدہ انداز میں کہا۔
 ”آہ یہ تو مشکل بات ہے چونکہ ہمیں اسی علاقے میں طویل قیام کرنا ہے لیکن اس کے
 لئے ہم نے یہ سوچا ہے کہ ایک بہتر جھونپڑی بنائی جائے مکھی کا خطرہ تو رات ہی کو ہوتا
 ہے نا۔۔۔“
 ”ہاں۔۔۔۔۔“

”تو ہم رات کو اپنا کام جلد ختم کر کے اپنے خیموں میں محفوظ ہو جایا کریں گے۔۔۔
 سو ایسا ہی کیا گیا اور ان لوگوں نے دیکھا کہ افریقہ کے ان قبائلیوں نے جن کا تعلق گونا
 گا سے تھا اپنے لئے اور ہی طریقہ اختیار کیا یعنی جنگل کی گھاس پھوس جمع کر کے انہوں نے
 اپنے گرد آگ کا حصار بنا لیا اور اس آگ کے حصار میں آرام کی نیند سو گئے۔ یہ بھی ایک
 اچھا طریقہ تھا لیکن خیموں کو مضبوطی سے بند کر لیا جاتا تھا، اور نادر اور فینٹ کو بھی ان
 خیموں ہی میں جگہ دے دی گئی تھی جہاں وہ گومڑی بنائے پڑے ہوا کرتے تھے لیکن پھر یوں
 ہوا کہ انہوں نے کھدائی شروع کر دی اور کچے سونے کی تھوڑی بہت مقدار انہیں حاصل
 ہو گئی لیکن والٹن نے مایوسی سے کہا کہ یہ مقدار اتنی نہیں ہے، جس سے وہ اطمینان کی
 زندگی بسر کر سکے اور وہ سوچیں کہ سونے کا بڑا ذخیرہ وہ یہاں سے لے جائیں گے اس کے
 لئے انہیں یہاں سے آگے بڑھنا پڑے گا چونکہ ان کے پاس موجود نقشے کے مطابق پہاڑوں

شروع کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ زیادہ افراد نہیں تھے، سوائے قبیلے کے ان لوگوں کے جو
 بہر حال ان کے احکامات کی تعمیل کرتے تھے اور یہ حیرت کی بات تھی اور ان کے بارے میں
 ایک رات فینٹ نے نادر کو بتایا۔

”میرے پیارے دوست اور میرے ساتھی اگر میں تمہیں اپنا باس کہوں تو تم اسے
 تسلیم کر لو گے۔“

”نہیں تم صرف میرے دوست ہو۔“
 ”چلو ٹھیک ہے تمہیں بتاؤں گونا گا قبیلے کے یہ لوگ بڑے مکار ہیں اور تم جو چوڑی
 ہڈیوں والے شخص کو دیکھتے ہو جس کا نام سینوٹ ہے وہ بڑا ہی خطرناک آدمی ہے اور اس
 کے منصوبے کچھ اور ہی ہیں۔“
 ”کیا۔۔۔؟“

”وہ ان آقاؤں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے اور صرف بٹھہر ہے کہ پہاڑوں سے کچا سونا
 برآمد ہو جائے۔“
 ”تمہیں کیسے معلوم۔“

”وہ لوگ بار بار مجھے بھول جاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ میں خود بھی افریقہ کا
 باشندہ ہوں اور میری ماں نے مجھے اس خطے کے ہر علاقے کی زبان سکھائی ہے اور میں ہر
 زبان سمجھ سکتا ہوں لیکن انہماک نہیں کر سکتا جو افریقہ میں بولی جاتی ہے۔“
 ”تو کیا وہ لوگ کوئی ایسی منصوبہ بندی کر رہے تھے؟“

”ہاں ان کا یہی ارادہ ہے اور موقع ملنے پر وہ ہمارے ساتھ غداری کریں گے۔“
 ”لیکن وہ تو یہیں کے باشندے ہیں انہیں سونا حاصل کرنے میں بھلا کیا دقت ہو سکتی
 ہے۔“

”بے شک یہ جانتے ہیں وہ لیکن سونے کا حصول ان کے علم میں نہیں ہے البتہ اپنے
 آقاؤں کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی نیت کیا ہے؟“
 ”اور تمہیں ان کے اور سفید فاموں کے درمیان رابطے کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔“
 ”ہاں لیکن میں صرف اتنا ہی بوتا ہوں جتنا میرے لئے ضروری ہو۔“

”تو ٹھیک ہے کیا ہم والٹن کو اس سے آگاہ کر دیں۔“
 ”نہیں دوست ایسا نہیں ہے والٹن بھی کوئی بہتر آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ کون جانے
 سونے کے حصول کے بعد اس کا نظریہ کیا ہو؟“

سے جدا کر دیں تاکہ ہم آسانی سے اپنا آگے کا کام سرانجام دے سکیں۔“ نادر نے حسرت بھری نگاہوں سے فینٹ کو دیکھا اور کہا۔

”فینٹ سونے کا حصول تو میرا بھی مقصد ہے اور ہم دونوں بھائی اسی غرض سے یہاں پہنچے تھے تم نے آج تک کبھی ہم سے ہماری کہانی نہیں سنی، مناسب موقع ملنے ہی پر میں تمہیں اپنی کہانی سناؤں گا۔“

”ٹھیک ہے دوست لیکن اس سے پہلے ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہمیں آگے کیا کرنا چاہئے۔“ اور پھر دونوں نے آپس میں مشورہ کیا اور فینٹ نے سپنٹ سے کہا۔

”میرے ساتھی اب چونکہ ان چاروں میں سے دو مرچکے ہیں جو یہاں ایک خاص مقصد لے کر آئے تھے اور دو فرار ہو گئے ہیں غالباً زہرلی کھیموں سے خوفزدہ ہو کر انہوں نے وہ سونا لے جانے پر اکتفا کیا ہے، جو انہوں نے اب تک حاصل کیا تھا لیکن ہمارا مقصد سونے کا حصول نہیں ہے اس لئے بہتر یہ ہوگا کہ تم لوگ بھی ہم سے جدا ہو جاؤ اور ہم اب تمہارا چاہتے ہیں تو سپنٹ نے کہا۔

”لیکن تم یہاں تمہارا کر کیا کرو گے؟“

”یہ معلوم کرنا تمہارا کام نہیں ہے۔“ ”تو حد سے زیادہ چالاک بننے کی کوشش کرتا ہے کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تو اپنی زبان بند رکھ۔“

”میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ حقیقت پر مبنی ہے اور تمہارے لئے اس میں برا ماننے کی کوئی بات نہیں ہے، کیا تم یہ بہتر نہ سمجھو گے کہ اب اپنے اپنے کام سے لگو۔“

”لیکن ہمارا معاوضہ کون ادا کرے گا؟ سونا تو وہ لوگ لے جا چکے ہیں۔“

”اس کی ذمہ داری ہم نے قبول نہیں کی اور نہ ہی جیسا کہ تم جانتے ہو ہم ان کے ساتھیوں میں سے تھے۔ ہم تو وہ تھے جو سمندر کی لہروں کے ساتھ بہتے ہوئے یہاں آ گئے تھے لیکن تمہیں وہ کام کرنا پڑے گا جو ہمارا سفید آقا کرنا چاہتا تھا یعنی سونے کا حصول اتنا سونا حاصل کر کے ہمیں دو کہ ہمارا اتنے دن گزارہ ممکن ہو جائے۔“

”نہیں ہم یہ نہیں کر سکتے۔“

”تو پھر تمہیں موت سے ہلکا ہونا پڑے گا۔ سپنٹ نے اپنے لمبے چوڑے بدن کو دیکھتے ہوئے کہا اور اس وقت نادر کا بھی یہ ارادہ نہیں تھا جو واقعہ پیش آیا یعنی، نادر یہ نہیں چاہتا تھا کہ ان میں سے کسی کی زندگی کا خاتمہ ہو، لیکن فینٹ، سپنٹ کا یہ لہجہ برداشت نہیں کر سکا تھا۔ اس نے کسی ارے بیسیے کی طرح گردن جھکائی اور سر کی زور دار

کا سلسلہ بہت دور تک پھیلا ہوا ہے، جن میں سونا پایا جاتا ہے۔ تو سب نے اس بات سے اتفاق کیا اور گوٹا قبیلے کے لوگوں نے بھی اس سے انحراف نہیں کیا اور وہ آگے بڑھنے کی تیاریاں کرنے لگے لیکن پھر اسی رات ایک حادثہ ہو گیا۔ وہ دو افراد جو کسی ضرورت کے تحت رات کے وقت خیمے سے باہر نکل گئے تھے اور ان ہدایات کو یاد نہیں رکھ سکے تھے جو والٹن نے انہیں دیں تھیں ان زہرلی کھیموں کا شکار ہو گئے۔ زہرلی کھیموں نے ان کی گردنوں پر کاٹا اور وہ چیختے ہوئے اندر واپس آ گئے اس کے بعد انہیں شدید بخار ہوا اور دوسری صبح دیکھتے ہی دیکھتے وہ زندگی سے ہٹ کر موت سے ہم آغوش ہو گئے۔ والٹن کے حواس جواب دے گئے تھے۔ ویسے بھی اپنی اس ناکامی سے وہ خاصا دلبرداشتہ نظر آنے لگا تھا اور آگے بڑھنے کے تصور سے اسے کچھ خوف محسوس ہوتا تھا۔ وہ دن بڑے غم و اندوہ کے عالم میں گزارا گیا جبکہ گوٹا کے لوگ شکار کی تلاش میں نکل گئے تھے اور پھر اس دن کے خاتمے کے بعد رات کو وقت گزرنے لگا۔ والٹن اور اس کا ایک ساتھی جس کا نام ایرن تھا، بڑے مغموم ایک گوشے میں سر جھکائے بیٹھے رہے تھے پھر جب صبح کو وہ جاگے، تو انہوں نے ایک عجیب منظر دیکھا یعنی والٹن اور اس کا ساتھی دو غجروں کے ہمراہ غائب تھے اور خیمے وغیرہ وہیں چھوڑ گئے تھے یہ ناقابل یقین سی بات ہے، فینٹ نے اس خدشے کا اظہار کیا اور بولا۔

”یہ بھی ہو سکتا ہے آقا کہ سونا ان گوٹا والوں نے غائب کر دیا ہو اور ان دونوں کے بھی ان کے ساتھیوں کے قریب کسی قبر میں سلا دیا ہو تم دیکھ رہے ہو آگے کی پھاڑیوں میں کچھ غار بھی نظر آ رہے ہیں ہو سکتا ہے انہیں مرنے کے بعد اسی غار میں منتقل کر دیا گیا ہو۔“

”بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی ہے اگر ایسا تھا تو انہیں ہم دونوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دینا چاہئے تھا اور کیا انہیں یہاں سے فرار نہیں ہو جانا چاہئے تھا۔“ فینٹ اس بارے میں غور کرنے لگا پھر بولا۔

”تمہاری بات وزن دار ہے ہاں اگر ایسا ہوتا تو ان لوگوں کا یہاں رکتا مناسب نہیں تھا اور اگر یہ یہاں رکے ہی تھے تو پھر جس طرح انہوں نے والٹن اور اس کے ساتھی کو موت کے گھاٹ اتار دیا اسی طرح ہمیں بھی ختم کر دینا چاہئے تھا لیکن آقا، ان لوگوں کے تیر، خطرناک دکھائی دیتے ہیں اور چونکہ اب مسٹر والٹن تو فرار ہو گئے ہیں چنانچہ ان کی باقیات، ہمارا قبضہ ہے، ہم کیوں نہ ان لوگوں کے ساتھ سختی سے پیش آئیں اور انہیں اپنے آپ

بلکہ اب یہ عمل اس کے لئے ایک مقدس تحریک بن کر رہ گیا تھا۔ اس کے دل میں بہت سے خیالات تھے۔ فرخندہ جس کی آنکھیں اب بھی اس کا راستہ تک رہی ہوں گی حالانکہ اتنا وقت گزر گیا وہ سوچ سکتا تھا کہ کمزور فرخندہ اپنے ظالم باپ اور بھائی کا مقابلہ نہیں کر سکی ہوگی، وہ ہی باتیں تھیں، یا تو وہ اپنی زندگی موت کے حوالے کر دے یا پھر باپ کے حکم کے مطابق اس کی مرضی کے کسی شخص سے شادی کر لے۔ اگر اس نے ایسا کر بھی لیا تو یہ بات برداشت کی جا سکے گی، کیونکہ وہ کمزور لڑکی دنیا کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ دوسری بات اس حویلی کے درو دیوار تھے جن کے بارے میں جب بھی تصور کیا جاتا تو یوں محسوس ہوتا جیسے اس کے کھلے دروازے نادر کا انتظار کر رہے ہوں۔ اس کے علاوہ قیصر حیات کی وصیت، جب بھی کبھی ان تمام باتوں کے بارے میں سوچتا دل ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہو جاتا۔ اندر سے ایک قوت ابھرتی جو اسے مجبور کرتی کہ جتنا بھی بن پڑے وہ سب کچھ حاصل کر لے جس کے لئے اس نے اور اس کے بھائی نے ان دیرانوں کا سفر شروع کیا تھا، اور جس کے بعد یہ تباہی ان پر نازل ہوئی تھی۔ ادھر سب سے بہترین دوست فینٹ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے زندگی کے آخری سانس تک اس کا ساتھ دینے کیلئے تیار ہو لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری بات جو تھی وہ یہ کہ اپنی اور فینٹ کی حفاظت کی جائے۔ یہ احساس اس کے دل میں اس قدر جڑ پکڑ چکا تھا کہ اب وہ ان راستوں کو مکمل طور پر تبدیل کر دینا چاہتا تھا اور اس نے اپنے دل سے خوف و ہراس کے اور غم و یاس کی کیفیت کو ختم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں تھیں چنانچہ ذہانت کے ساتھ یہ فیصلہ کیا گیا کہ غیر ضروری سازو سامان سے نجات حاصل کر لی جائے۔ خیموں کی انہیں ضرورت نہیں تھی کیونکہ آسمان کی بھمت اور زمین ہی سب سے مناسب پناہ گاہ ہوتی ہے۔ اگر یہ خیمے فخریوں پر لاوے لاوے پھرس گئے تو شاید اپنا مقصد پانے میں انہیں وقت ہو۔ فینٹ سے مشورے کے بعد یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ سونے کے یہ پہاڑ جس سے کچا سونا برآمد ہوتا ہے بہت سخت ہیں اور انہیں کاٹنے کیلئے آلات کی ضرورت بھی تھی، چنانچہ جو آلات وہ لوگ اپنے ساتھ لائے تھے ان میں سے صرف تھوڑے سے آلات اپنے ساتھ لے لئے گئے خاص توجہ ان ہتھیاروں پر تھی جو اب ان کے پاس محفوظ رہ گئے تھے اور یہی ان کے لئے بہت بڑا سہارا تھے اور طے کر لیا گیا تاکہ انہیں انتہائی ضرورت کے وقت استعمال کیا جائے۔ اس کے علاوہ نادر نے فینٹ کو یہ ہدایت بھی کر دی تھی کہ غیر ضروری طور پر کسی شخص کو ہلاک نہ کیا جائے بہر حال یہ اس کے اہل وطن ہیں ہاں اگر بہت ہی ضروری بات درپیش ہو تو پھر مجبوری ہے یوں انہوں

مگر سپنٹ کے سینے پر ماری اور اسے دھکیلتا ہوا اس چٹان تک لے گیا جو سپنٹ کے عقب میں تھی اور پھر ایک عجیب منظر دیکھنے میں آیا اور شاید نادر کو بھی اس بات کی امید نہیں تھی کہ فینٹ اس قدر طاقتور آدمی ہو سکتا ہے۔ زوردار آواز کے ساتھ سپنٹ کا پیٹ پھٹ گیا، اور پیچھے سے چٹان کے دباؤ نے اس کی پسلیاں توڑ دیں۔ سپنٹ کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی، اور وہ سب خوف سے اچھل پڑے۔ سپنٹ کے منہ سے خون کا فوارہ بلند ہو رہا تھا۔ غالباً اس کے اندرونی اعضاء بالکل ہی ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ پھر وہ اوندرے منہ زمین پر آ رہا تھا لیکن ایسے وقت میں نادر کیلئے یہ ضروری تھا کہ وہ فینٹ کی جان بچانے کی کوشش کرے چنانچہ اس نے جلدی سے رائفل نکالی اور اس کے دو فائر فضا میں کئے۔ جس کے نتیجے میں گونا گوا قبیلے کے تمام افراد سرپٹ دوڑ گئے تھے، اور ان کا دور دور تک نام و نشان نہیں ملا تھا۔ اس طرح نادر نے فینٹ کی جان بچالی کیونکہ وہ لوگ فینٹ سے اپنے آقا کا انتقام لینے کیلئے تیار تھے۔ گونا گوا والے فرار ہو چکے تھے اور نادر کے ذہن میں بے شمار خیالات آرہے تھے۔ ان میں پہلا خیال یہ تھا کہ اس کا ساتھی فینٹ ایک مضبوط اور لوہے کا سر رکھنے والا آدمی ہے اور ضرورت کے وقت وہ اس قدر خونخوار بھی ہو سکتا ہے کہ سادگی اور آسانی سے کسی کی جان لے لے۔ اس کے علاوہ وہ اس لئے انتہائی اہم ہے، کیونکہ اس کا ساتھ کیسے بھی حاصل ہوا ہو لیکن یہ ایک حقیقت تھی کہ مذہب دنیا سے یہی اس کے ساتھ آیا تھا اور بھائی کی جدائی کے بعد یہ اس کے لئے بڑی اہمیت کا حامل تھا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ، بڑی جسامت والا بڑے ذہن سے نہ سوچ سکتا ہو، اور اس کے دل میں یہ بات بالکل نہ آئی ہو کہ جس شخص کو اس نے قتل کر دیا ہے، وہ بہر طور ایک قبیلے کا آدمی تھا اور اس بات کے امکانات تھے کہ قبیلے والے اس سے انتقام لینے پر تل جائیں ایسی جگہ دو افراد کتنی دیر تک انہیں روک سکتے تھے حالانکہ ہندوق کے دھماکے ان کے لئے انتہائی خوفزدہ کرنے کا باعث بنے تھے، اور اس سے نادر کو یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ آتشیں ہتھیاروں سے خوفزدہ ہوتے ہیں لیکن اب پچھلے تمام احساسات کو بھلا کر اسے اپنے اور فینٹ کے تحفظ کا بندوبست کرنا تھا۔ اس ذہانت کے ساتھ جو مذہب دنیا کا عطیہ تھی اور اس کے بھائی کی ہدایت تھی کہ وہ ہمت نہ ہارے مرنے والا اپنا وجود اس کے وجود میں ضم کر کے اس دنیا سے چلا گیا تھا اور اب سے وہ سب کچھ کرنا تھا چنانچہ وہ نئے فیصلے کرنے لگا۔



بات صرف یہ نہ رہی تھی کہ نادر کو اپنی قسم پوری کرنے کیلئے خزانے کی تلاش تھی

نے سفر کا راستہ کاٹ کر ایک سمت اختیار کی تھی اور پھر ایک دن اور ایک رات سفر کر کے اس جگہ سے کافی دور نکل آئے تھے۔ فینٹ ایک بہترین ساتھی ثابت ہو رہا تھا۔ خدمتکاروں کی طرح نادر کا ہر کام کیا کرتا تھا۔ اس سے نادر کو شرمندگی ہوتی تھی اس نے کہا۔

”فینٹ میں تمہیں اس طرح کام کرتے نہیں دیکھ سکتا بہتر تو یہ ہو گا کہ تم مرز میرے ساتھی کی حیثیت اختیار کرو۔۔۔۔۔ فینٹ نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔“

”اور میرے دوست میرے لئے اب اس دنیا میں تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ زندگی کے آخری سانس بھی تمہارے قدموں میں ختم ہوں۔ چنانچہ مجھے اپنی خدمت کرنے دو جہاں میں کہیں تھکن محسوس کروں گا تم سے کہہ دوں گا کہ میری مدد کرو اس وقت اگر تم میرا ساتھ دو گے تو مجھے خوش ہوگی۔۔۔۔۔ فینٹ نے نادر کی زبان بند کر دی تھی اور ان دونوں کا یہ سفر جاری رہا۔ صحرا، جنگل، دریا، پہاڑ، دلدلیں اس کے راستے میں آتے رہے وہ بڑی خوش اسلوبی سے انہیں عبور کرتے رہے۔ ایک عجیب سی کیفیت ایک عجیب سا تصور ان کے ذہنوں پر سوار تھا اور وہ اپنی منزل کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ بس سفر جاری تھا یہ سوچے سمجھے بغیر کہ رخ کس جانب ہے۔ اس دوران انہیں چھوٹی چھوٹی آبادیاں بھی نظر آئیں تھیں، لیکن انہوں نے ان آبادیوں میں داخل ہونے سے گریز کیا تھا، اور جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا وہ ان سے بچنے کی کوششوں میں سرگرداں تھے۔ بس ایک لگن ایک ایسا احساس جو ذہن کے کسی پر سرار گوشے میں چھپا ہوا تھا نادر کو آگے لئے جارہا تھا۔ نجانے کیوں اسے یقین تھا کہ منزل اسے ملے گی اور ضرور ملے گی حالانکہ کبھی کبھی مایوسیوں کا حملہ ہوتا تھا اور وہ یہ سوچتا تھا کہ اب اس دنیا میں بالکل تنہا رہ گیا ہے۔ ایک بھائی تھا جس نے ساتھ چھوڑ دیا تھا جبکہ دونوں اسی ارادے سے نکلے تھے کہ دنیا کو تسخیر کریں گے اور اپنے لئے وہ سب کچھ حاصل کر لیں گے جو ان کے باپ کی وجہ سے ان سے چھین گیا ہے۔ غرض یہ سفر جاری رہا اور اس رات وہ ایک ایسے پر اسرار علاقے میں پہنچے جو چاروں طرف سے چٹانوں سے گھرا ہوا تھا۔ پرہیز چٹانیں ہر سمت بکھری ہوئی تھیں اور ان میں غاروں کے دہانے نظر آ رہے تھے لیکن اس تمام تر سفر کے دوران انہوں نے ایسے بہت سے مناظر دیکھے تھے جو انسانی دل کی حرکت بند کر دینے کیلئے کافی ہوں۔ قرب و جوار سے خوفناک درندے اس طرح گزر جاتے تھے کہ عام شری زندگی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن تقدیر ان کا ساتھ دے رہی تھی۔ موت

ان سے بہت دور تھی اور وہ ان خوفناک حالات سے بھی بچ کر آگے نکل جاتے تھے جن پر انہیں خود بھی کبھی حیرت ہوتی تھی۔ اب تھوڑی سی مزاج میں شکستگی بھی آگئی تھی، کیونکہ مہذرا ہوا وقت بھلا دنیا ہی زندگی کی علامت ہوتی ہے، سو وہ ایسا ہی کر رہے تھے اور اس رات انہوں نے جس جگہ قیام کیا وہ ایک غار کے سامنے پھیلی ہوئی چٹان تھی جو پلیٹ فارم کی مانند محسوس ہوتی تھی اور تھوڑی سی بلندی پر تھی لیکن یہ جگہ اس لحاظ سے بہت بہتر تھی کہ اگر بارش ہو جائے تو تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر وہ غار کے سائے میں پہنچ جائیں جگہ اتنی پسند آئی کہ فینٹ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”معزز دوست اگر ہم اسی جگہ کو ہم اپنا مستقل مسکن بنا لیں تو کیسا رہے۔۔۔۔۔“
”ہم مستقل تو کہیں بھی نہیں ہو سکتے فینٹ کیونکہ جب تک ہمیں ہماری منزل نظر نہ آجائے۔“

”میں نے تو صرف ازراہ مذاق کہا، ویسے اگر تمہاری اجازت ہو تو میں اس سائبان کے نیچے گمری نیند لے لوں بہت عرصہ ہوا کھلے آسمان کے نیچے ہی سوتے ہوئے۔“

”میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں۔۔۔۔۔ نادر نے کہا اور فینٹ غار کے سائے میں جا کر سو گیا جبکہ نادر اس کی دیوار سے پشت لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کی نگاہیں اندھیرے میں اپنا ماضی تلاش کر رہی تھیں۔۔۔۔۔

اس ماضی میں سب کچھ موجود تھا اس کا گھر، وہ خوب صورت خویلی جس کی شان ہی زلی تھی اور جس کے بارے میں جب بھی سوچتا دل تو ایک عجیب سا احساس ہوتا۔

بچپن کے دن بھی کتنے سناٹے ہوتے ہیں ہر مشکل سے بے نیاز ہر احساس کے عادی نجانے کیا کیا ہوتا ہے۔ ان دنوں میں۔۔۔۔۔ اور ماضی تو اتنی حسین چیز ہے کہ جب بھی اسے تصور میں بلاؤ زندگی کی خوشیاں حاصل ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور اس ماضی میں فرخندہ بھی تھی۔

فرخندہ اس کی بچپن کی دوست، اس کی معصوم رازدار۔۔۔۔۔ اس کا سارا بچپن اس کے ساتھ گزرا تھا، معصوم کھیل کھیلتے ہوئے، اور اس کے بعد جوانی کا احساس جو گالوں پر فتن پھیلا دیتا ہے وہ اقرار جو زندگی کے آخری سانس تک ذہن کی گمراہیوں میں پوشیدہ رہتا ہے۔۔۔۔۔

بہت دیر تک وہ ان تمام باتوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ چشم تصور میں اس نے فرخندہ کو دیکھا جو اپنے گھر میں اپنے بستر پر لیٹی اس کی تصویر دیکھ رہی تھی۔۔۔۔۔ یہ احساس

تھا جس نے اس متحرک شے پر توجہ دی جو کافی فاصلے پر ایک سیاہ چٹان کے قریب نظر آ رہی تھی۔۔۔۔۔ اور یہ نظر کا دائرہ نہیں تھا کوئی ہستی تھی جو وہاں موجود تھی، کوئی جانور کوئی درندہ۔۔۔۔۔ کون ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ لیکن پھر اس نے اسے اپنی نظر کا دہم ہی سمجھا۔۔۔۔۔ نجانے کیا خیال آیا اسے کہ اس نے فینٹ کو آواز دی۔

اور طاقتور افریقی میں بہت سی خصوصیات تھیں۔ جن میں سب سے بڑی خاصیت یہ تھی کہ وہ کتنی ہی گہری نیند سو رہا ہو ایک آواز پر جاگ اٹھتا تھا۔

فینٹ چونک کر اٹھ گیا اور اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ابھی صبح تو نہیں ہوئی۔۔۔۔۔؟“

”ہاں صبح نہیں ہوئی۔“

”تو پھر مجھے آواز دینے کی کوئی خاص وجہ تھی۔“

”ہاں۔۔۔۔۔“

”کیا۔۔۔۔۔؟“

”اگر تیری نیند خراب نہیں ہوئی فینٹ تو ذرا اٹھ کر بیٹھ جا۔“ نادر نے کہا۔

”آہ میری نیند تو خراب نہیں ہوئی لیکن۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔“

”ہاں کیا لیکن۔۔۔۔۔؟“

”آہ اس وقت میں جو خواب دیکھ رہا تھا وہ بڑا خوب صورت تھا میرے لئے۔۔۔۔۔“

”کیا خواب دیکھ رہا تھا۔۔۔۔۔؟ نادر نے اس چٹان پر نگاہیں جمائے ہوئے دیکھا جہاں وہ

کسی شے کو متحرک دیکھ چکا تھا۔۔۔۔۔“

”شرود کا میری ماں۔۔۔۔۔“

”تو اپنی ماں کو خواب میں دیکھ رہا تھا۔۔۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔۔۔“

”خیر یہ تو اچھی بات ہے کم از کم تیرے دل کو سکون تو ہوا ہوگا، مجھے دیکھ فینٹ میں تو

اپنی ماں کو خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتا۔۔۔۔۔“

”چونکہ اس کے خدوخال میرے ذہن میں موجود نہیں ہیں۔۔۔۔۔“

”کیا وہ تیرے شعور میں آنے سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھی میرے

دوست۔۔۔۔۔“

”ہاں۔۔۔۔۔“

”آہ بڑے بد نصیب ہوتے ہیں وہ۔۔۔۔۔ میں تو پھر بھی خوش ہوں کہ مجھے طویل عرصے تک اپنی ماں کے ساتھ رہنے کا موقع ملا اور تو نے خود بھی دیکھا وہ ماں ہی تو تھی جس نے تیری اور میری قربت کو دوستی میں بدل دیا۔۔۔۔۔“

”ہاں ماں عظیم چیز ہوتی ہے۔ کیا کہہ رہی تھی تیری ماں۔۔۔۔۔“

”مجھے میری مشکل کا حل بتا رہی تھی۔۔۔۔۔“

”وہ کیا۔۔۔۔۔؟“ تو کس مشکل میں گرفتار ہے۔۔۔۔۔“

”میرے دوست تیری مشکل میری مشکل ہے، یہ بات تو تو بھی جانتا ہے۔ میرے آقا عظیم آقا۔۔۔۔۔“

”ہاں یہ تو ہے۔۔۔۔۔ لیکن ماں کیا کہہ رہی تھی۔۔۔۔۔؟“

”وہ کہہ رہی تھی کہ تیرے آقا کو وہ سب کچھ حاصل ہوگا جو اس کی خواہش ہے لیکن اس کے لئے وقت درکار ہے۔“

”نادر نے محبت بھری نگاہوں سے اس پر نور دل والے کالے آدمی کو دیکھا جس کے اندر اجالا ہی اجالا تھا، سفیدی ہی سفیدی تھی۔۔۔۔۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ فینٹ یہ بات اس کا حوصلہ بڑھانے کیلئے کہہ رہا ہے اور بہر حال فینٹ ایسے ہی خوب صورت دل اور ذہن کا مالک تھا۔۔۔۔۔ وہ بولا۔۔۔۔۔“

”اور کیا کہا تیری ماں نے۔۔۔۔۔“

”کننے لگی کہ اسے اس کی منزل ایک عورت کی وجہ سے ملے گی۔۔۔۔۔“

”اوہ۔۔۔۔۔ اور وہ عورت کہاں ہے۔۔۔۔۔؟“

”اسے تلاش کرنا پڑے گا۔۔۔۔۔ اگر تو مجھے کچھ اور وقت دیتا تو شاید میں اپنی ماں سے اس کا پتہ بھی پوچھ لیتا۔۔۔۔۔ فینٹ نے جواب دیا۔

”نی الحال میں تیری توجہ ایک طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں۔“

”خیریت۔۔۔۔۔ اوہو میں تو بھول ہی گیا کہ تو نے مجھے آواز دی تھی اور تو مجھے بلاوجہ سوتے سے نہ جگاتا۔۔۔۔۔ بتا کیا بات ہے، کون سی ایسی بات ہے جس نے تجھے مجھے آواز دینے پر مجبور کر دیا۔

”وہ اس چٹان کی طرف مجھے کوئی شے متحرک نظر آ رہی ہے۔۔۔۔۔“

”یہ جنگل ہے ویرانہ ہے اور یہاں لاتعداد درندے ہوتے ہیں۔“

”ہاں اسی لئے میں نے تجھے آواز دی کہ کہیں یوں نہ ہو کہ میں اسے دیکھنے کیلئے وہاں

”اے عورت سیدھی ہو کر بیٹھ‘ میں تجھ سے کہتا ہوں۔۔۔۔ اور عورت سیدھی ہوگئی۔ اس نے پہلے فینٹ کو دیکھا پھر نادر کو۔۔۔۔ اور اس کے بعد آہستہ سے بولی۔۔۔۔

”رب عظیم کی قسم جو میری نگاہوں کے سامنے آنے والا تھا سامنے آگیا ہے۔ آہ آسمان سے اترنے والے تیری آمد میرے لئے خوشی کا باعث ہے۔

”بڑی بی ہم تو زمین ہی کے باشندے ہیں۔ فینٹ نے کہا۔“

”جھوٹ بولتا ہے تو۔۔۔۔ تیرا حلیہ‘ تیری جسامت‘ آہ میں اس قدر احمق بھی نہیں ہوں‘ بچپن میں۔۔۔۔ میں نے تیرے بارے میں سنا تھا۔ تو دیوتاؤں کا دیوتا ہے میں اس بات کو نہیں مانتی۔۔۔۔“

”اگر تو مجھے دیوتا کہتی ہے تو یہ میری خوش قسمتی ہے‘ اور سن رہے ہو دوست اس عورت کی بات‘ میرا خیال ہے میرا مرتبہ بڑھنے والا ہے۔۔۔۔ نادر مسکرا کر اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔۔۔۔“

”مگر تو کون ہے۔۔۔۔؟“

”میں۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ میرے بارے میں جاننے کی کوشش مت کرو۔ میں شدید غم کا شکار ہوں اور بری حالت ہے میری‘ مقدس دیوتا اگر تو اس وقت میری بھوک دور کر سکے تو میں ہمیشہ تیرے گن گاؤں گی۔۔۔۔“

”کیا تو بھوکی ہے۔۔۔۔؟“

”ہاں شاید مجھے بھوک سے چوتھا روز ہے۔“

”تب تو ہمارے ساتھ آ۔۔۔۔ فینٹ نے کہا۔ نادر اس دوران خاموش ہی رہا تھا دیے وہ اس دوران فینٹ سے کافی حد تک مقامی زبان سیکھ چکا تھا اور اب وہ یہ زبان با آسانی بول اور سمجھ سکتا تھا۔۔۔۔ چنانچہ عورت کے اور فینٹ کے درمیان ہونے والی اس گفتگو کو اس نے بخوبی سنا اور سمجھا تھا۔ بہر حال ایک انسان کا معاملہ تھا۔۔۔۔ ان کے پاس کھانے پینے کی بے شمار اشیاء موجود تھیں جن سے بھوک پیاس مٹائی جا سکتی تھی‘ فینٹ نے اس طرح کے بے شمار انتظامات کر ڈالے تھے اور ان سب چیزوں کا خیال وہ خود ہی رکھا کرتا تھا۔۔۔۔ چنانچہ عورت کو لئے ہوئے وہ اپنی جگہ پہنچ گئے۔ پھر تھوڑی سی بلندی تک پہنچنے انہوں نے عورت کو سہارا دیا۔ اب انہوں نے روشنی میں عورت کی شکل و صورت دیکھی تھی۔“

وہ مقامی لوگوں کی طرح گہری سیاہ رنگ کی نہیں تھی بلکہ اس کا رنگ کچھ گندمی مائل

چل پڑوں اور یہاں تو میری تلاش کرتا رہ جائے۔“

”مگر کس طرف۔۔۔۔؟“

”وہ اس طرف نادر نے ایک طرف اشارہ کیا اور فینٹ کی نگاہیں اس جانب اٹھ گئیں۔۔۔۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔“

”آسمان والے کی قسم یہ تو واقعی کچھ ہے اور جو کچھ بھی ہے وہ کم از کم کوئی جانور نہیں ہے دیکھو اس کے جسم میں ہلکی ہلکی لرزشیں ہو رہی ہیں۔۔۔۔“

”کیا چلیں۔۔۔۔؟“

”اگر تو سمجھتا ہے کہ فینٹ بزدل ہے تو یہ تیری خوش خیالی ہے۔ ایسی بات نہیں ہے میں تجھ سے دس قدم آگے چلوں گا۔۔۔۔ لیکن ذرا ہتھیاروں کے ساتھ۔۔۔۔“

اور اس دوران فینٹ نے ایک اور کام بھی کیا تھا۔ اس نے ایک انتہائی مضبوط لکڑی کو نوکدار کر کے اس کا بھالا بنا لیا تھا۔۔۔۔ اور فینٹ نے اپنے اس بھالے سے بڑے بڑے قوی ہیکل جانور شکار کر ڈالے تھے۔۔۔۔ اور خود نادر نے اعتراف کیا تھا کہ یہ بے آواز ہتھیار بندوق سے کہیں بہتر ہے کیونکہ بندوق کارتوس کی محتاج ہوتی ہے۔

سو وہ لوگ تیار ہوئے اور وہاں سے نیچے اتر آئے۔ ایک طرف فینٹ نے اپنے ہاتھ میں لکڑی کا بھالا سنبھال لیا تھا اور دوسری طرف نادر نے بھی بندوق لوڈ کر لی تھی‘ تاکہ ضرورت پڑنے پر کوئی مشکل پیش نہ آئے اور وہ آہستہ آہستہ اس طرف بڑھ رہے تھے جدھر وہ چٹان موجود تھی۔۔۔۔ پھر کچھ وقت کے بعد وہ چٹان کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ کوئی عورت اچھل کر کھڑی ہوگئی ہے۔ نادر کی مدھم چھاؤں میں وہ اس کا ہیولا دیکھ سکتے تھے اور شاید قریب سے اس کے نقوش بھی۔۔۔۔ کیونکہ روشنی اس قدر کم بھی نہیں تھی کہ اس کے نقوش نظر نہ آسکیں۔

عورت کو انہوں نے خوفزدہ دیکھا اور جب عورت نے فینٹ پر نگاہ ڈالی تو اس کا بدن بری طرح کانپنے لگا۔ پھر وہ گھٹنوں کے بل جھکی اور فینٹ کے سامنے دوڑانو ہوگئی۔

”اے واہ زندگی میں پہلی بار ایسی عظیم شخصیت مجھے ملی ہے جو مجھے سجدہ کرے۔ فینٹ نے انگریزی زبان میں کہا۔ اس نے جان بوجھ کر انگریزی زبان استعمال کی تھی کیونکہ وہ اندازہ لگا چکا تھا کہ عورت جس لباس میں ملبوس ہے وہ قبائلی لباس ہے اور یہ کوئی مذہب دنیا کی عورت نہیں معلوم ہوتی۔“

وہ دونوں آگے بڑھے اور عورت کے قریب پہنچ گئے‘ تب فینٹ نے اس سے کہا۔

تھا اور بالوں کی رنگت بھی کچھ ایسی تھی جبکہ آنکھوں کی سیاہ رنگت مقامی لوگوں کی طرح تھی۔ اگر تو آرام کرنا چاہتی ہے تو آرام کر، کہیں جانا چاہتی ہے تو ہماری طرف سے تھی اور اس کی آنکھیں بہت خوب صورت تھیں۔ اس کی عمر بھی بہت زیادہ نہیں تھی بلکہ تجھے اس کی اجازت ہے جو تیرا دل چاہے کر اور بہتر یہ ہوگا کہ تو اس کا اظہار کر دے کہ تو بہر طور جوانی کے دور سے گزر چکی تھی۔

وہ لوگ اسے سانبان نما چٹان پر لائے، وہاں بیٹھایا اور اس کے بعد کھانے پینے کے مقدس دیوتا میں تیرے حکم کی منتظر ہوں۔

”ہاں۔۔۔۔۔ وہ شے سب سے قیمتی ہوتی ہے جو بھوک کے وقت حاصل ہو جائے، بات معلوم کرنے کو میرا دل تو چاہتا ہے کہ تو مجھے دیوتا تسلیم کرنے پر کیوں تل گئی ہے۔“

پانی بھی مل سکے گا۔۔۔۔۔

”وہ بھی ہے۔“

”تو براہ کرم پہلے مجھے پانی کا ایک گھونٹ دو اور پھر وہ پتھر کا پیالہ جسے فینٹ نے اپنا چاہتی ہے تو ہم تجھے سارا دے کر نیچے اتار دیں اور تو جنگلوں میں گم ہو جا۔۔۔۔۔ ہمارے لئے تیار کیا تھا پانی سے بھر کر عورت کے سامنے لا کر رکھ دیا۔۔۔۔۔ عورت نے کھانے پینے کے لئے اس کو رکنا چاہتی ہے تو ہمارے ساتھ بیٹھ، آرام کرنا چاہتی ہے تو چٹان کے اس طرف جا کر کی تمام اشیاء چند ہی لمحات میں چٹ کر لیں اور اس کے بعد پانی کے پیالے کو ہونٹوں سے آرام کر سکتی ہے۔۔۔۔۔ تیری عزت، تیرے احترام کی تجھے ضمانت دی جاتی ہے اور اگر یہ لگا کر گھونٹ گھونٹ پانی پینے لگی۔۔۔۔۔ اب اس کے انداز میں کچھ سکون پایا جاتا تھا۔۔۔۔۔ سب کچھ نہ کرنا چاہے تو آرام سے بیٹھ، ہم سے باتیں کر۔۔۔۔۔

لیکن فینٹ محسوس کر رہا تھا کہ جب بھی اس کی نگاہ فینٹ کی جانب اٹھتی ہے تو اس کے ”اصل میں صرف یہ معلوم کرنا ہے مجھے کہ کیا تم رات کے اس حصے میں آرام کرنے آئیں گی۔۔۔۔۔“ اور جس طرح تم نے میری پذیرائی کی ہے اس آکھوں میں عقیدت اور احترام کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور اس کی وجہ وہ خود بتا دے گا خواہشمند ہو، جبکہ میں پرسکون ہوں۔ اور جس طرح تم نے میری پذیرائی کی ہے اس سے میں تمہاری شکر گزار ہوں، لیکن اگر تمہیں نیند آرہی ہو تو تم آرام سے سو جاؤ، میں تھی۔

ان وادیوں میں تو ہم پرستی بہت زیادہ تھی اور انہوں نے ہر چیز کو اپنا دیوتا بنا لیا تھا، وہ عورت کو بھی اپنا دیوتا بن گیا تھا۔۔۔۔۔ ہوں گی۔

ان کی عقل و فہم سے باہر ہو۔۔۔۔۔ شاید اسی لئے فینٹ اس عورت کا دیوتا بن گیا تھا۔

جبکہ دل ہی دل میں فینٹ ہنس رہا تھا، شرما رہا تھا اور خوش بھی ہو رہا تھا کہ اس کے بے وقوفوں میں ایک ایسی بے وقوف عورت موجود ہے جو فینٹ جیسے کالی اور بدلتا

شخصیت کے مالک کو اپنا دیوتا تسلیم کرتی ہے، اور کیا ہی اچھا دیوتا ہوگا وہ جس نے اور اس کے بے وقوفوں میں ایک ایسی بے وقوف عورت موجود ہے جو فینٹ جیسے کالی اور بدلتا

کیا ہو یا نہ کیا ہو لیکن بد صورت شکل والوں کو دیوتا بننے کا موقع فراہم کیا۔۔۔۔۔ اور فینٹ تیری ضرورت ہو تو ہم تجھے اجازت دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ سمیٹ اور یہاں سے چلی جا، کی یہ کیفیت نادر بھی محسوس کر رہا تھا اور دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔۔۔۔۔ فینٹ کو دانا تم تیرا راستہ نہیں روکیں گے۔۔۔۔۔ کیونکہ ہر حال ہم دوبارہ یہ سب کچھ کسی نہ کسی شکل میں حاصل کر لیں گے مگر تو عورت ہے اور تیری ضرورت ہم سے زیادہ۔۔۔۔۔

عورت شکم سیر ہونے کے بعد دیوار سے نیک لگا کر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی۔

اور نادر نے اس سے کہا۔

”ہر چند کہ تو نے ہمیں اپنا نام نہیں بتایا۔۔۔۔۔ لیکن ہم تجھے اس کے لئے مجبور نہ

”تو تم مجھے اتنا ناپاس نہ سمجھو خوب صورت نوجوان، کہ جن لوگوں نے میری اس

بڑے حال میں مدد کی انہیں کوئی نقصان پہنچاؤں۔۔۔۔۔ اور جہاں تک تمہارے آرام کا

مسئلہ ہے جو تم مناسب سمجھو۔“

”نہیں ہماری نیند اچٹ چلی ہے۔۔۔ اور اب ہم دونوں میں سے کوئی سونا نہ چاہتا۔۔۔“

”یہ تو اچھی بات ہے، ویسے میں نے تم لوگوں کو اپنا نام نہیں بتایا۔ میرا نام کوہالہ اور مقدس دیوتا جانتا ہے کہ دور کے پہاڑوں کے دامن میں قبیلہ لوکائیہ آباد ہے۔۔۔ مقدس دیوتا کا معبد بھی وہیں پہاڑوں کے دامن میں ہے جہاں اس کا پتھر کا مجسمہ موجود اور ہم اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی کمائی بھی مقدس، دیوتا کو ہی معلوم ہوگی کہ پھر سے انسان کیسے بنایا انسان سے پھر۔۔۔“

نینٹ نے ایک قہقہہ لگایا اور بولا۔۔۔ ”سب سے پہلے اپنے دل سے یہ خیال دے کوہالہ کہ میرا تعلق تیرے قبیلہ لوکائیہ سے ہے یا میں آسمان سے اترا ہوا دیوتا ہوں تو اسی زمین میں اگا ہوں اور بہت فاصلہ طے کر کے یہاں تک پہنچا ہوں اور بالکل تیرے جیسا۔۔۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جو کچھ تو نے کہا اس میں یقینی صداقت ہو یعنی چرے جسامت کبھی کبھی مل بھی جاتی ہے کہ اس سے زیادہ نہ جان۔۔۔“

”آہ اگر ایسا ہے تو میں سخت حیران ہوں کیونکہ تجھے دیکھ کر مجھے اپنا ماضی آگیا۔۔۔ اور یہ تو بہت پرانی بات ہے جب میں لوکائیہ میں رہتی تھی اور وہاں میرا میرا کنبہ تھا۔۔۔ لیکن اے شخص تو جانتا ہے تو پھر تجھے کس نام سے پکارا جاتا ہے۔“

”جو تیرا دل چاہے کہہ سکتی ہے۔ میری دنیا کے لوگ مجھے نینٹ کہتے ہیں۔“

”لیکن لوکائیہ کے دیوتا کو لوگ چھوٹا ہاتھی کہتے ہیں یعنی طاقت کا دیوتا۔ جو ہاتھیوں طرح طاقتور ہے۔“

”یعنی کیا مطلب ہے تیرا۔۔۔؟“

”مطلب یہ چھوٹے ہاتھی کہ ہم تیری ہی تو عبادت کرتے ہیں۔۔۔“

”عظیم آقا لگتا ہے کہ وقت مجھے دیوتا بنانے پر تلا ہوا ہے، کیا خیال ہے تمہارا۔“

کیا میں خود کو قبیلہ لوکائیہ کا دیوتا سمجھ لوں۔۔۔؟“ نینٹ نے کچھ اس انداز سے کہا نادر کو ہنسی آگئی اور بہت عرصے کے بعد نادر کی ہنسی کی آواز سنی گئی تھی۔ نینٹ نے اس اظہار کو نہ کیا لیکن دل ہی دل میں اس نے خوشی محسوس کی تھی کہ اب اس کا دوست اندوہ کی گمراہیوں سے نکلتا چلا آ رہا ہے اور بالآخر ایک دن وقت اس کے چرے مسکراہٹیں بکیر دے گا۔۔۔ اور یہ نینٹ کی دلی خواہش تھی۔۔۔ اور اس کا ذریعہ عورت بنی تھی، جسے نینٹ اب دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

”یہ میرا دوست، میرا آقا، میرا بھائی، میرا سب کچھ اور نام اس کا نادر ہے۔۔۔“

”تم دونوں بہت اچھے انسان ہو۔۔۔ اگر تم دیوتا نہیں۔۔۔؟“

”میں تجھ سے آخری بار کہہ رہا ہوں کہ یہ خیال اپنے دل سے نکال دے۔“

”ٹھیک ہے چھوٹے ہاتھی، میں تیری بات کو تسلیم کرتی ہوں اور میں اسے روشنی والا کہہ سکتی ہوں۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“

”اس کا خوب صورت چہرہ اس کی روشن آنکھیں، اور اس کا بلند و بالا قد، دل کو یہی احساس دلاتا ہے کہ اس کا تعلق روشنی سے ہے، میں کوئی جیشن گو نہیں ہوں، ہاں، مجھے مقدس علم آتے ہیں، لیکن دل میں کبھی کبھی کچھ ایسے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں جو زبان پر لفظ بن کر آ جاتے ہیں اور میرا دل چاہتا ہے کہ اسے روشنی والا کہوں۔“

”وہ تیری مرضی ہے لیکن اب کیا تو اپنے بارے میں جتنا پسند کرے گی کوہالہ۔۔۔“

نینٹ نے کہا۔

”آہ میری کمائی بہت عجیب ہے اور تم لوگ اس بات کے حقدار ہو کہ میں تمہیں اپنے بارے میں بتاؤں۔۔۔ لیکن اگر تم پسند کرو کیونکہ کبھی کبھی انسان اپنے دل کی بھڑاس اپنی زبان سے نکالنا چاہتا ہے لیکن مد مقابل کو وہ سب کچھ پسند نہیں آتا اور وہ سوچتا ہے کہ کیا مصیبت مول لے لی۔۔۔“

”نہیں ایسا نہیں ہے، ہم تیرے بارے میں جتنا پسند کریں گے۔۔۔؟“ نادر نے کہا۔

عورت گرمی سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر بولی۔

”غور کر رہی ہوں کہ اپنے بارے میں تجھے کہاں سے بتانا شروع کروں لیکن میں سمجھتی ہوں کہ جتنی رات باقی ہے اور جس طرح تو سونے کا ارادہ رکھتا ہے تو اتنی رات میں۔۔۔ میں اپنی کمائی یقینی طور پر ختم کر لوں گی۔۔۔ اور اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ میں شروع ہی سے تجھے ساری تفصیل بتاؤں، لیکن یہ تفصیل زیادہ طویل بھی نہیں ہے۔“

”تو بتا۔۔۔ ہم تیری کمائی سن رہے ہیں۔“

”تو سن جیسا کہ میں نے تجھ سے کہا کہ میرا تعلق قبیلہ لوکائیہ سے ہے۔ میں وہیں پیدا ہوئی۔ پھر لوکائیہ کے رسم و رواج کے مطابق مونٹا نے مجھے جیت لیا۔۔۔“

”جیت لینے سے تیری کیا مراد ہے؟“ نادر نے دلچسپی سے پوچھا اور عورت نے ایک بار پھر نینٹ کی طرف دیکھا اور بولی۔۔۔

پہلے ہی پسند تھے لیکن افسوس میں اپنی گود میں اپنا بچہ نہیں کھلا سکی، اور اس سے محروم رہی، لیکن اس کے باوجود ہم دونوں خوش رہنے کی کوشش کرتے تھے پرانی بات ہے لیکن بہت زیادہ پرانی بھی نہیں کہ ایک بار ہم یعنی میں اور مونٹا یوں ہی آبادی سے دور نکل گئے یعنی اس جگہ جہاں بانسوں کے جنگل ابھرے ہوئے ہیں اور غم زمین پر پانی شرل شرل کر کے بہتا ہے، اس جگہ ہم نے زندگی پائی۔۔۔ یعنی ایک ایسی عورت جو تکلیف میں مبتلا تھی اور اس کا پریشان مرد، اور سب سے بڑی بات یہ کہ یہ دونوں روشنی جیسی رنگت کے مالک تھے یعنی گوری چمڑی والے۔۔۔ اور ہم انہیں دیکھ کر حیران رہ گئے جبکہ گوری چمڑی والا مرد خوفزدہ ہو گیا تھا۔۔۔ اور اس نے ایک بانس توڑ کر اپنے آپ کو مقابلے کیلئے تیار کر لیا تھا۔۔۔ لیکن میں بھی نرم مزاج تھی اور مونٹا بھی اور مونٹا نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس سے کہا۔

”تو پریشان نہ ہو اے شخص ہمارے ہاتھوں تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔۔۔“
 ”اگر ایسی بات ہے تو مجھے اسوقت تیری مدد کی فوری ضرورت ہے خاص طور سے اس لئے کہ تیری عورت بھی تیرے ساتھ ہے۔“

”مونٹا نے پوچھا۔۔۔؟“

”ہم تو کیا چاہتا ہے اور یہ عورت۔۔۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ بیمار ہو۔۔۔؟“
 ”ہاں۔۔۔۔۔ یہ بیمار ہے۔۔۔۔۔ ماں بننے والی ہے۔“

”اوہ اگر ایسا ہے تو بے شک کوہالہ اس کی مدد کرے گی۔ مونٹا نے کہا۔۔۔ پھر چھوٹے ہاتھ اور روشنی والے میں نے یوں کیا کہ عورت کو اپنے بازوؤں میں اٹھا کر زسٹوں کی آڑ میں لے گئی جہاں زمین خشک تھی اور پھر میں اس کی تمارداری کرنے لگی۔۔۔ واہ کیا خوب صورت عورت تھی اور نام اس کا کیترائن تھا جو بڑی مشکل سے مجھے یاد ہوا۔۔۔ اور پھر کیترائن نے ایک حسین بچی کو جنم دیا اور یہ بچی اس قدر خوب صورت تھی کہ دیکھ کر اس پر آنکھیں نہ جم پاتی تھیں۔ بس یہ محسوس ہوتا تھا جیسے چاند درمیان سے نکلے ہوا اور ایک ٹکڑا زمین پر آگرا۔۔۔ لیکن چاند تو پورا ہی ہوتا ہے اور اس میں سے شاید ایک ننھا سا قطرہ ہوتا ہے جو کبھی کبھی زمین پر آجاتا ہے سو میں نے چاند زادی کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ میرے دل میں یہ احساس ابھرا کہ ایسی ہی سسی، میری جیسی رنگت کی سی، لیکن اتنی ہی ننھی سی اتنی ہی خوب صورت کوئی بچی کاش میرے وجود سے نمودار ہوتی لیکن میں نے اپنے دل میں بچی کیلئے ایک

”بار بار بھول جاتی ہوں کہ تو وہ نہیں ہے جو میں سمجھ رہی ہوں ورنہ میرا دل تو یہ چاہتا تھا کہ میں تجھ سے کموں کہ چھوٹے ہاتھ جیتنے کا مطلب بتا۔“
 ”اور بہتر ہو گا کہ بار بار تو اس کا تذکرہ نہ کر جبکہ میں نے تجھ سے کہہ دیا ہے کہ نہ تو میں نے زندگی میں کبھی لوکائیہ قبیلہ دیکھا ہے اور نا ہی میری اوقات دیوتا کھلانے کی ہے۔“
 ”آہ کیسی عجیب بات ہے۔۔۔؟“

”نہیں کوئی عجیب بات نہیں ہے، بہر حال میں اسی تاریک براعظم کا باشندہ ہوں اور اگر میری شکل و صورت یا جسامت کسی سے مل جاتی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔۔۔“
 ”تعجب کی بات صرف یہ ہے کہ تو ایک دیوتا کا ہٹھل ہے۔“

”بس۔۔۔ اب ہم اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔۔۔ اور میں نے یہ طے کر لیا کہ میں دیوتا نہیں ہوں۔۔۔ تو پھر ایک ہی بات کرتے رہتا کیا معنی رکھتا ہے۔“
 ”اچھا ناراض مت ہو چھوٹے ہاتھ میں اپنی کہانی شروع کرتی ہوں۔ لوکائیہ میں جوان ہوئی اور مونٹا نے مجھے اس طرح جیتا کہ لوکائیہ میں ہر پسند حاصل کرنے کیلئے کچھ کرنا ہوتا ہے۔۔۔ یعنی اگر کوئی لڑکی کسی نوجوان کو پسند کرے تو سردار کے حکم کے مطابق اسے وہ کرنا ہوتا ہے جو سردار کے اور نہیں کر پاتی تو اپنے مقصد کے حصول میں ناکام رہتی ہے۔۔۔ اور یہی شرط مردوں کے لئے بھی ہے سو مونٹا نے مجھے چاہا اور نوجوانی کی عمر میں لوگ کہتے تھے کہ میں خوب صورت ہوں کیونکہ میرا رنگ عام لوگوں کے رنگ سے مختلف ہے جبکہ لوکائیہ کے رہنے والے گہری کالی رنگت یا پھر میالی رنگت کے مالک ہوتے ہیں۔“
 ”ہاں یہ تو ٹھیک ہے، ہمیں تو یہ محسوس ہوا تھا جیسے تیرا تعلق کسی دوغلی نسل سے ہے۔۔۔“

”نہیں۔۔۔ میں دوغلی نسل کی نہیں ہوں میرے ماں اور باپ ایک ہی جیسے تھے تو میں تجھے لوکائیہ کے بارے میں بتا رہی تھی۔۔۔ مونٹا نے مجھے پسند کیا، میری خواہش کی اور جو ذمہ داری سردار نے اسے سونپی اسے پورا کر دکھایا۔ یعنی مست ہاتھ کا شکار جسے مونٹا نے آنکھوں میں بھالے مار کر گرا لیا تھا اور پھر کھڑے سے اس کی گردن الگ کر لی تھی۔۔۔ اور سوئڈ پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا سردار کے قدموں تک لے گیا تھا۔۔۔ سو مجھے مونٹا کی بیوی بنا دیا گیا اور ہم دونوں خوش و خرم رہ رہے تھے لیکن آسمان والے نہیں چاہتے تھے کہ ہماری نسل آگے بڑھے اور چھوٹے ہاتھ دیوتاؤں کا یہ خیال تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کی ذات ہی میں رہیں، جبکہ مونٹا اولاد کا خواہشمند تھا اور میں بھی۔ بچے تو مجھے

”تم بہت اچھے معلوم ہوتے ہو۔۔۔۔۔ اور یہ شخص بھی جو دیوتاؤں کا مشکل ہے۔ پھر یوں ہوا کہ ہم لوگ خوب کھل مل گئے اور وہ بچی تو میری زندگی بن گئی تھی۔ میں اسے بڑے پیار سے میشل کہتی تو وہ مسکراتی آنکھوں سے مجھے دیکھتی تھی۔۔۔۔۔ بعد میں جیسا کہ میں نے تم سے کہا آر قمر نے مونٹا کو اپنی کمائی سنائی۔ اس نے بتایا کہ وہ تہذیب کی دنیا کا ایک فرد ہے اور اس کا گھر یہاں سے بہت دور ایک ایسی جگہ آباد ہے جہاں بڑے بڑے پتروں کے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ اور ان کے درمیان لوہے کے گھوڑے دوڑتے ہیں لیکن ہمیں نہ تو ان مکانات سے کوئی دلچسپی تھی نہ لوہے کے ان گھوڑوں سے جو انسانوں کو اپنی پشت پر سوار کر کے سفر کرتے ہیں۔ میں تو بس اس بچی کو پیار کرتی تھی لیکن مونٹا کو جو اس نے بتایا وہ یوں تھا کہ وہ ایک ڈاکٹر ہے اور مریضوں کا علاج کرتا تھا۔ وہ ایک نیک دل اور نیک فطرت انسان ہے اور اسکی بیوی یعنی کیہ ترائن اس کی محبوبہ یعنی شادی سے پہلے وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور شادی کرنا چاہتے تھے، لیکن یوں ہوا کہ شادی کے چند ہی سال کے بعد ڈاکٹر آر قمر کے ہاتھوں ایک ایسے بڑے آدمی کی موت واقع ہو گئی، جو پیار تھا اور جس کے لواحقین یہ چاہتے تھے کہ ڈاکٹر آر قمر اسے زندگی دے دے، لیکن آر قمر کا کہنا تھا زندگی اور موت تو آسمان والے کا کھیل ہے ایسے کھیل وہی کھیلتا ہے ہاں بیمار یوں کا علاج دواؤں اور جڑی بوٹیوں سے ضرور کیا جاتا ہے اور وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا لیکن یہ اس کا اصول نہیں۔ تاہم جو شخص ہلاک ہوا تھا اس کے لواحقین آر قمر کی زندگی کے دشمن بن گئے، اور اس پر حملے کئے جانے لگے، اور اسے یہ محسوس ہو گیا کہ اب اس کے لئے اس شہر میں پناہ نہیں ہے۔ اس نے وہاں سے اپنی سکونت ترک کی اور اپنی بیوی کو لے کر چل پڑا لیکن اس کے دشمن اس کے پیچھے لگے رہے اور آر قمر کو انہوں نے اس قدر مفلوج کر دیا کہ اب اسے موت اپنے ارد گرد ناچتی محسوس ہونے لگی وہ گھومتا پھرتا ہوا بالآخر یہاں تک پہنچ گیا اور اس نے اپنی دنیا کے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور پھر صحرائے اعظم میں داخل ہونے کے بعد بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جن میں ایسے قبیلے کے لوگوں کی دشمنی بھی تھی جو سفید چمڑی والوں کو اپنے درمیان پسند نہیں کرتے۔ آر قمر عام سفید چمڑی والوں سے ایک مختلف شخص تھا اور جب اس کی بیوی حاملہ ہو گئی تو وہ زیادہ پریشانی کا شکار ہو گیا اور چونکہ سیاہ لوگ اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے اس

”میرا نام کوہالہ ہے۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔“
 ”صحرائے اعظم کی رہنے والی، یہاں کے لوگوں کے بارے میں ہمارے تجربات بڑے تلخ ہیں اور ہمیں ان کی وجہ سے بڑے خوف کا سامنا کرنا پڑا ہے، تو پہلی نرم عورت ہے جس نے مجھے اس انداز میں ناصرؔ مخاطب کیا بلکہ میری مدد بھی کی۔“
 ”ہم تمہاری ہر طرح کی مدد کر سکتے ہیں تم اس کے لئے فکر نہ کرو۔“
 ”لیکن تیرے قبیلے کے لوگ؟“

”نہیں وہ بھی اس قدر سخت دل اور سخت جان نہیں ہیں۔ بس یوں کروں گی کہ مونیا سردار کو اطلاع دے دے گا کہ اس طرح دو افراد اسے حاصل ہوئے ہیں اور پھر ایسا ہی ہوا۔۔۔ ادھر مونیا نے اس شخص سے دوستی کر لی تھی۔۔۔ اور آرتھر بذات خود اس کا شکر گزار تھا۔۔۔ آرتھر یعنی میرا مالک اور وہ جس کی بیٹی میشل تھی۔۔۔“

”میشل۔۔۔ نادر نے درمیان میں لقمہ دیا۔“

”ان لوگوں نے اپنی پیدا ہونے والی اولاد کا یہی نام رکھا اور یہ نام بہت آسان تھا اور ہمیں بھی اس کی ادائیگی میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔۔۔۔۔ لیکن ہوا یوں کہ جب ہم دونوں کو اپنی آبادی میں لے آئے اور ان کے لئے ایک جگہ منتخب کر دی۔۔۔۔۔ یعنی اپنے جھونپڑے کا ایک حصہ تو کیتھرائن نے میشل کو میری ہی آغوش میں دے دیا اور کہا کہ اگر یہ بچی مجھے پسند ہے تو میں جس طرح چاہوں اسے اپنے ساتھ رکھوں لیکن اگر تم اس بات سے مطمئن نہیں تھا۔۔۔۔۔ یعنی اس بات سے نہیں کہ بچی میری آغوش میں ہے بلکہ وہ ہمارے قبیلے میں ساری زندگی نہیں گزارنا چاہتا تھا۔۔۔۔۔ بعد میں اس نے مونگا کو اپنی کہانی سنائی اور تم بھی کیا ہنسو گے روشنی والے کہ کہانی در کہانی سنائی جا رہی ہے۔۔۔۔۔ لیکن جب تم نے کہا کہ میں تمہیں اپنے بارے میں بتاؤں تو پھر یہ تمام باتیں جو اس بات سے متعلق ہیں تمہیں بتانا ضروری ہے۔

دانت جھڑ جاتے پھر ہوش میں آکر وہ بھاگ جاتے تو مونٹا اپنے ساتھی کے ہمراہ وہ ہاتھی دانت سمیٹ لیتا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی دریائے زمباسی سے بھی فائدہ اٹھایا گیا تھا جو بتا ہوا شاید مذہب آبادیوں تک جاتا ہے، بڑی بڑی کشتیاں بنائی گئیں اور اس طرح اس نے تجارت شروع کر دی اور اس کا بیرونی دنیا سے بھی رابطہ قائم ہو گیا۔ پھریوں ہوا کہ بیش کو ایک طویل عرصے کیلئے مذہب آبادیوں میں بھیج دیا گیا اور میرے آقا، اور چھوٹے ہاتھی، میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی لیکن میں اس مشکل سے یوں نکلی کہ اس نے مجھے بھی اس کے ساتھ بھیج دیا اور میں نے تمہاری آبائیاں دیکھیں، وہاں کا انداز بھی واقعی عجیب تھا جسے دیکھ کر پہلے تو مجھ پر خوف طاری ہوا تھا۔ وہ ناقابل بیان ہے لیکن رفتہ رفتہ میں اس کی عادی ہو گئی اور وہاں یہ بات بالکل ظاہر نہ کی گئی کہ بیش ڈاکٹر آر تھر کی بیٹی ہے لیکن اس کے رشتے داروں نے اس کی خوب پذیرائی کی اور ایک طویل عرصے تک اسے تعلیم دی جبکہ میں اس کی خادمہ کی حیثیت سے اس کے ساتھ ہی تھی اور مونٹا جس سے میں بہت محبت کرتی تھی میرے بغیر مضطرب رہتا تھا۔ اکثر بیش مذہب آبادیوں میں چلی جاتی تھی لیکن بھلا میں اس کا ساتھ چھوڑنے والی کہاں تھی۔ اوہر ڈاکٹر آر تھر یعنی کالوں کا سیما اور مونٹا اپنے کام میں مصروف رہتے۔ انہوں نے تمام ذرائع تیار کر لئے تھے لیکن پھر یوں ہوا چھوٹے ہاتھی کہ بیماری کی تھرائن ایک حادثے کا شکار ہو گئی۔ اسے ایک زہریلے سانپ نے ڈس لیا تھا اور ڈاکٹر آر تھر بروقت نہ پہنچنے کے باعث اس کی مدد نہیں کر سکا اور اس حسین عورت نے میری آغوش میں ہی دم توڑ دیا کہ میں اس کے لئے بھی کچھ نہ کر سکی۔ ایک طرف تو بیش غمگین ہو گئی دوسری طرف جب ڈاکٹر آر تھر واپس آیا اور اپنی بیوی کو اس نے زندگی کی بجائے موت کی طرف پایا تو وہ ایک دم سے شمع کی طرح بجھ گیا۔ اس نے اپنی زندگی محدود کر لی اور غمزہ رہنے لگا۔ ہر چند کہ اس کی دلجوئی کرنے کیلئے بے شمار افراد موجود تھے۔ مونٹا اسے زندگی کی جانب لانے کیلئے مسلسل کوششیں کر رہا تھا لیکن طویل عرصے تک وہ انہی کوششوں کا شکار رہا اس نے بھورے دانے کی شراب پینا شروع کر دی تھی۔ اس کے بارے میں مونٹا کا خیال تھا کہ وہ اسے صحت مند نہ رہنے دے گی لیکن وہ اس سے باز نہ آیا۔ بیوی کا غم بھلانے کیلئے اسے وہ شراب بے حد ضروری محسوس ہوئی تو روشنی والے، پھریوں ہوا کہ اب سے کچھ عرصے پہلے کی بات ہے یعنی وہ پرانی داستان ختم ہوئی بیش اب جوان ہے اور دیوتا آسمان کے رہنے والے اسے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زندہ سلامت رکھیں وہ اس قدر حسین ہے کہ اگر تم نے کبھی اس کو دیکھ لیا تو اپنے ذہنوں پر قابو

لئے وہ اپنی جان بچاتا پھر رہا تھا اور بالاخر بانسوں کے اس جھنڈ تک پہنچ چکا تھا جہاں اسے طے پھریوں ہوا کہ لوکائیہ والے اسے پناہ دینے پر آمادہ ہو گئے اور سردار کو بھی کرا اعتراض نہیں تھا وہ بیماروں کا علاج کرنے لگا تھا اور اسے وچ ڈاکٹر کہا جاتا تھا لیکن وہ حتم نہیں کرتا تھا سو کالوں کا یہ سیما وہاں خاصے عرصے قیام کئے رہا اور پھر اس نے خواہش کی کہ وہ یہیں کہیں بہتر جگہ آباد ہو جائے اور لوکائیہ میں، چونکہ ان دنوں ذرا اختلافات پڑ رہے تھے اور آپس کے اختلافات بے پناہ بڑھ گئے تھے چنانچہ سردار نے بہتری کی سمجھا اسے وہاں سے ہٹا دیا جائے۔ ایسے کچھ جانثار جنہیں وہ موت سے زندگی کی جانب لایا اور اس کے ہمراہ چل پڑے اور مونٹا اور میں بھی ساتھ تھے اور ہم تو بھلا روشنی والے انہر چھوڑ ہی نہیں سکتے تھے چونکہ بیش میری زندگی بن چکی تھی اور میری آقا زادی بھی تھی اتنا ہی چاہتی تھی کیونکہ اس نے میری آغوش میں پرورش پائی تھی، ہم نے ایک طویل فاصلہ طے کیا اور بالاخر دریائے زمباسی کے کنارے ایک جگہ پسند کی گئی اور وہاں کالوں کے ہم نے یعنی میرے آقا یا پھر ہمارے وچ ڈاکٹر نے اپنے لئے مسکن بنانے کا فیصلہ کیا کہ یہاں بھی قرب و جوار میں چھوٹی چھوٹی بستیاں آباد تھیں اور یہ وہ لوگ نہیں تھے جنہوں نے ان نقصان پہنچایا تھا اور پھر جب اس نے ان لوگوں کے جڑی بوٹیوں سے علاج کئے اور انہر شفا دی تو وہ لوگ ان کے متعقد ہو گئے۔ دور دور کی بستیوں سے لوگ آئے اور انہوں نے کالوں کے سیما کا کرا ل تعمیر کیا جو مضبوط بانسوں سے بنایا گیا تھا اور سنگائیہ کے کنارے ایک بہت بڑا جمونہ پڑا نظر آنے لگا تھا اور اس میں ہم سب رہتے تھے یعنی وہ بھی جو پہلے تو معتد تھے اور پھر یہاں آکر ان کے جانثار بن گئے تھے یعنی آر تھر اور کیتھرائن کے، میاں بیوی اور بچی سمیت سکون کی زندگی بسر کر رہے تھے اور باپ کو یہ احساس پیدا ہو گیا کہ بچی تہذیب کی دنیا سے دور اس غیر مذہب ماحول میں پرورش پائے گی، وہ فکر میں سرگرداں ہو گیا اور اس نے سوچا کہ کچھ کیا جانا چاہئے کیونکہ کھانے پینے کی تو اسے کوئی تکلیف نہیں تھی لیکن وہ کچھ کرنا چاہتا تھا۔ ایسا کوئی عمل جس سے اس کی بچی کا مستقبل تعمیر ہو سکے۔ وہاں تہذیب کی دنیا میں اس کے رشتے ناٹے کے لوگ بھی موجود تھے، اس نے اور مونٹا نے کر ایک فیصلہ کیا اور اس نے ہاتھی دانت کی تجارت شروع کر دی۔ یہ ہاتھی دانت جنگلوں سے حاصل کرتے تھے اور مونٹا اس سلسلے میں اس کا معاون کار تھا، یعنی مونٹا ہی بھورے دانے سے وہ شراب بنائی جسے بڑے بڑے ناندوں میں بھر کر رکھ دیا جاتا۔ ہاتھی آتے اس شراب کو پی کر بدست ہو جاتے۔ ایک دوسرے کو ٹھکریں مارتے اور ان

جو عورت سنا رہی تھی اور نادر کی نگاہوں میں اس لڑکی یعنی میشل کا حلیہ گردش کر رہا تھا۔ لیکن وہ اس کے لئے بے مقصد تھا جب بھی وہ حسن کی تکمیل کو پاتا تو اس کی نگاہوں میں زندہ کی صورت ابھر آتی کہ جسے دل سے چاہا جائے پوری دنیا میں سب سے زیادہ حسین ہوتا ہے۔ عورت کچھ لمحے غم و اندوہ میں ڈوبی رہی۔ پھر اس نے کہا۔

”اور آقا زادی میشل تاریکیوں کا چراغ میرے پاس تھی اور ماں سے محروم ہونے کے بعد وہ مجھے ماں کا درجہ ہی دینے لگی تھی، اور میرے دل میں بھی اس کے کیلئے ویسا ہی پیار تھا۔ ہم اپنے بڑے کراں میں رہنے لگے تھے اور کراں کے اندر ہم نے بڑے خوبصورت باغ لگائے تھے جن میں کیلوں کے جمنڈ اور ناریل بڑی بہتات سے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی اس کے اطراف میں دریائے سنگانیہ کی نمی سے تیار زمین پر بہت سے کیت بو دیئے گئے تھے جن سے ضرورت کا اناج حاصل ہوتا تھا۔ وہ دن ایک منحوس دن کی حیثیت رکھتا تھا جب دور سے آنے والے ہمارے کراں کے ایک افریقی شخص زونا نے بتایا کہ اس نے کچھ پراسرار نقل و حرکت قرب و جوار میں دیکھی ہے اور وہ گھوڑے سوار ہیں جن کی تعداد اچھی خاصی ہے اور زونا کا خیال تھا کہ ممکن ہے وہ سفید بھیڑیا ہو یعنی ٹورناڈو جو اس طرف آنکلا ہو اور اس اطلاع سے برا خوف پھیل گیا کیونکہ زونا نے بقیہ افراد کو بھی اس کے بارے میں بتا دیا تھا اور یہاں جو تھے وہ بزدل تھے کہ انہوں نے کوئی انتظام نہیں کیا اور صرف اپنے بچاؤ کی ترکیبیں کرنے لگے۔ رات گئے تک میں اور میشل بیٹھے سفید بھیڑیے کے بارے میں باتیں کرتے رہے تھے اور میشل رات کو سوتے میں کئی بار چوگی تھی کہ اسے نجانے پہلے سے کیوں احساس ہو گیا تھا کہ کوئی انوکھی بات ہونے والی ہے۔ پھر اس جگہ جہاں سے باہر کے مناظر دیکھے جاتے تھے میں نے دیکھا کہ بہت سے گھوڑے پتھردار سورج کے نیچے دوڑتے چلے آ رہے ہیں اور ان پر بیٹھے ہوئے لوگ شور مچا رہے تھے اور یہ اندازہ ہو گیا کہ ان کا رخ کراں ہی کی جانب ہے سو میں کچھ لمحے کیلئے ساکت رہ گئی تھی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھر دیکھ رہی تھی اور میں نے دیکھا کہ کالے گھوڑے پر جو شخص سوار تھا اس کا چہرہ خوشنواہ بھیڑیے کی ہی مانند تھا اس یوں محسوس ہوتا تھا جیسے انسان کے بدن پر بھیڑیے کا سر لگا دیا گیا ہو۔ بھیاک شکل کا مالک، یہ بھوری چڑی والا تھا اور اس کے ساتھ دوسرے بہت سے لوگ جن میں سفید چڑی اور کچھ ملی جلی نسل کے افریقی بھی تھے لیکن وہ بڑی وحشت خیزی کے ساتھ اس طرف آ رہے تھے اور تھوڑا ہی فاصلہ باقی رہ گیا تھا کہ انہوں نے دھماکے والے ہتھیاروں سے دھماکے کرنا شروع کر دیئے اور کیا ہی

نہ پاسکو گے جیسا کہ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ وہ چاند کا ٹکڑا ہے، اور جب وہ تاریکیوں میں ہوتی ہے، تو اس طرح روشن ہو جاتی ہے کہ دیکھنے والا قرب و جوار کی چیزیں بھی دیکھ سکے اور اس کے سبک نقوش اور اس کے سرخ ہونٹ اور اس کی روشن آنکھیں اور اس کی کشادہ پیشانی اور اس کا حسین وجود یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے وہ آسمانوں سے اتری ہوئی کوئی دیوی ہو۔ اور آہ۔ وہ اپنے حسن کا ہی شکار ہو گئی۔

”کیسے۔۔۔۔۔؟“ فینٹ نے بے اختیار پوچھا۔

”وہی تو بتائے جا رہی ہوں اور اب سے خاصے دن پہلے کی بات ہے کہ میرے آقا یعنی ڈاکٹر آر تھر یعنی کالوں کے میچا مونٹا کے ساتھ اور اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ اپنے کام پر گئے ہوئے تھے یعنی ہاتھیوں کے دانتوں کے حصول کیلئے میں اور میشل اپنے وفاداروں کے ہمراہ اپنے کراں میں موجود تھے اور کچھ عرصے سے ہم نے ایک شخص کی کمائی سنی تھی جو وہاں یعنی ہمارے کراں پر رہنے والے ہمیں سنایا کرتے تھے اور یہ بدباطن شخص ٹورناڈو کہلاتا تھا۔ پتہ نہیں کون سی دنیا کا باشندہ تھا اور میں حیران ہوں کہ آخر بھیڑیے انسانی شکل کیسے اختیار کر لیتے ہیں۔ ٹورناڈو نے سیاہ فاموں کی بستیوں میں تھمکے بچا رکھا تھا۔ اس کا پورا گردہ کہیں کسی ایسی جگہ رہتا جہاں وہ عام نگاہوں سے محفوظ رہے، وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر بستیوں پر حملہ آور ہوتا، اور بستیوں کی نوجوان لڑکیوں اور ایسے نوجوان لڑکوں کو اٹھا لیتا، جو با آسانی بازاروں میں فروخت ہو جاتے ہیں یعنی تمہاری مذہب دنیا کے لوگ انہیں خرید لیتے ہیں اور وہ یہی تجارت کرتا ہے۔ بستیوں سے اس کی خبریں ملتی تھیں اور وہ لوگ جو ہمارے کراں میں رہتے تھے اکثر اس کے بارے میں بتاتے رہتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ انسانی شکل میں بھیڑیا ہے اور جدھر وہ نکل جاتا ہے ادھر تباہی پھیلتی ہے۔ میرے آقا یعنی کالوں کے میچا نے یوں کیا تھا کہ کچھ دھماکے کرنے والے ہتھیار جمع کر لئے تھے اور کچھ لوگوں کو ان کی تربیت دے دی تھی۔ تاکہ اگر کبھی کوئی خطرہ پیش آئے تو وہ اس سے نمٹ سکیں لیکن ہم نے اپنے اطراف یا اس کے علاقوں میں کبھی ٹورناڈو کی آمد کا حال نہیں سنا تھا یعنی وہ انسانی بھیڑیا۔ ڈاکٹر آر تھر مونٹا اور چند افراد ہاتھی دانت کے حصول کیلئے نکلے ہوئے تھے اور میں اور میشل آہ۔ میشل۔ وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی اس کا لہجہ آنسوؤں میں ڈوب گیا تھا اور نادر اور فینٹ اس کی کمائی دلچسپی سے سن رہے تھے۔ اس جیسے جو واقعات اس عورت نے سنائے ان کی نگاہوں کے سامنے سے گزر رہے ہوں یا تو یہ اس کا انداز بیان تھا یا اس کی اپنی دلچسپی کہ وہ تصور کی آنکھ سے وہ سب کچھ دیکھ رہے تھے

وہ جو انسانوں کو جانوروں کی جگہ استعمال کرنا چاہتے ہیں نوجوان اور طاقتور سیاہ روک کو، وہ سفید بھڑیا اپنے گھوڑے پر سوار آگے بڑھا اور اس نے آقا زادی کو دیکھا جو کہ جھنڈ کے پاس کھڑی خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ قریب آکر وہ گھوڑے اتر گیا آہ! میں کس طرح اپنی زندگی کھو دوں میں اس وقت بھی اپنی آقا زادی کی طرف سے اس کے ساتھ جانے والی تھی۔ دوسروں کو کیا کہوں، خوف نے میرا بدن بھی خشک کر دیا تھا۔ پھر اس نے بھانک بھانک لگایا اور ہاتھ اوپر اٹھا کر اپنے کچھ ساتھیوں کو قریب بلایا اور کہنے لگا۔ ”دیکھو دیکھو جو سنا تھا وہی پایا، کہا یہ جاتا تھا کہ چاند کو آسمان سے اتار کر زمین پر افسردہ ہو گیا ہو، اس نے آقا زادی کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔۔۔۔۔

”نہیں لڑکی نہیں تو ایسا نہ کرنا اور اس نے ہاتھ بڑھا کر آقا زادی کے ہاتھ سے ہاتھ اور ایک طرف اچھال دیا لیکن پھر وہ مکار شیطان برق کی طرح پلٹا اور اس نے میری زادی کے دونوں ہاتھ موڑ کر اس کی پشت پر کر لئے۔ آقا زادی کے ساتھ میری چیخ مچی ہوئی تھی۔ اس شخص نے دھوکا دیا تھا۔ وہ مکار تھا اور مکار شیطان نے آقا زادی کی طرح اٹھا لیا کہ جیسے کسی سفید پھول کو اٹھا لیا جاتا ہے۔ وہ اسے قبضے میں کر کے قہقہے لگا اور اس کے ساتھی پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنسنے لگے پھر سفید بھیڑیا کہنے لگا۔“

”اے حسین لڑکی تیرے لئے اس عمر میں مرنا میری زندگی کا سب سے بڑا نقصان اور بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ایسا نقصان برداشت کر سکوں لیکن جب تو میرے جانے گی اور میں تیرا مستقبل سنواروں گا تو تجھے احساس ہوگا کہ اپنے باپ کے پاس رہنا اپنی اس حسین زندگی اور جوانی کو بے کار ضائع کر رہی تھی۔ حسن اگر ایک ایسے مجاہد میں پڑا ہو جہاں اسے دیکھنے والا کوئی نہ ہو تو بے کار ہوتا ہے۔ حسن کے اصل قدر یہاں نہیں ہو سکتے تو اب تجھے میرے ساتھ چلنا ہے۔“

”اے شخص تو نے دھوکے سے مجھ پر قبضہ ضرور جما لیا ہے لیکن میں تجھ سے نہیں اور یہ سن لے کہ بالآخر ایک دن میں تجھ سے آزادی حاصل کر لوں گی اور تو ان لوگوں کو زندگی سے محروم کیا ہے انہیں تو اس طرح نظر انداز نہ کر، کیونکہ دنیا سے اس کا انتقام لے گا سمجھ رہا ہے نا تو۔۔۔۔۔“

”اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔۔۔۔۔“ سفید شیطان نے قہقہہ لگایا اور اپنے سامنے طرف رخ کر کے بولا۔

”وہا یہ حسن کی دیوی تو شاید اپرا ہے اور آکاش سے اتری ہے اور آکاش سے والی ہمارے بارے میں پیش گوئی کر رہی ہے، چلو ٹھیک ہے، اچھا ہے اس کی یہ بات لوگوں کو بتائی جائے گی تو وہ خوش ہوں گے۔۔۔۔۔ اور پھر وہ آقا زادی کو گھسیٹا گھوڑے تک لے گیا۔ اس طاقتور شخص نے آقا زادی کو گھوڑے پر بٹھایا اور اس ایک بار پھر گولیاں چلائی گئیں اور کچھ ایسے جوان پکڑے لئے گئے جو ان کے لئے تھے۔ چنانچہ وہ انہیں ریوڑ کی طرح ہانکتے ہوئے کراں سے باہر نکل گئے اور ان دریائے سنگانیہ کی طرف ہو گیا اور اس کے بعد ہی میرے بدن میں زندگی کی لہر دو تم یوں نہ سمجھنا کہ میں جھوٹ سے کام لے رہی ہوں ایسا ہی ہوا تھا جبکہ اپنی کیلئے میں ہزار بار زندگی قربان کرنے کیلئے تیار ہوں لیکن بہتری ہوا وہ مجھ بوڑھی

فورا ہلاک کر دیتے کیونکہ میں ان کے ساتھ جانے کے قابل نہیں تھی اور یہ تو بہت اچھا ہوا کہ میں زندہ بچ گئی تاکہ آگے چل کر اپنی آقا زادی کیلئے کچھ کام کر سکوں اور پھر میں نے انہیں تلاش کیا جو زندہ بچ گئے تھے اور اپنی جانیں بچانے کیلئے چھپے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں للکارا اور کہا کہ آقا نے اس لئے انہیں دھماکے کرنے والے ہتھیار نہیں دیئے تھے کہ وہ کونوں اور دیواروں کے پیچھے چھپ جائیں وہ اپنے ہتھیار اٹھائیں اور اس کا پتھا کریں اور اس پر دھماکے کر کے اس سے آقا زادی کو چھین لائیں لیکن میں نے سب کے چروں پر خوف کے آثار دیکھے وہ اس قابل نہیں نظر آ رہے تھے کہ اس دلیری کا مظاہرہ کریں۔۔۔۔۔ بلکہ وہ جن کے اپنے مر گئے تھے ان کے لئے رو پیٹ رہے تھے۔ میں نے انہیں بزدلی کے بہت سے طعنے دیئے اور کہا۔

”ننگ حراموں، بزدلو جس ڈاکٹر نے تمہارے عزیز اقارب کی زندگیاں بچائیں اور جس نے تمہیں اپنے درمیان اعتماد کر کے جگہ دی تم اسی سے منحرف ہو رہے ہو اور لعنت ہے تم پر۔ ٹھیک ہے تم نہ جاؤ لیکن میں اپنا فرض ادا کروں گی۔ میں اکیلی چلی جاؤں گی اور سنو میں اب رکنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ ہاں اگر تمہاری بزدلی تمہیں اجازت دے تو جس طرح بھی بن پڑے جاؤ اور عظیم آقا کو تلاش کرو۔ اسے یہ بتاؤ کہ یہاں کیا سانحہ ہو گیا ہے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں کرو گے۔ وہ اتنے بے غیرت بھی نہ تھے۔ اپنوں کو بے شک وہ رو رہے تھے لیکن انہیں اندازہ تھا کہ جس کے وہ عقیدت مند ہیں اور جو ان کے بھروسے پر اپنا کراں چھوڑ کر نکل جاتا ہے اس کے لئے یہ فرض سرانجام دینا ان کی ذمہ داری ہے۔ میں نے تو انتظار نہ کیا اور بے یار و مددگار برق رفتاری سے دوڑتی ہوئی کراں سے باہر نکل آئی اور ان راستوں پر روانہ ہو گئی جہاں سفید بھیڑیا میری میشل کو لے کر گیا تھا۔ میں گھوڑوں کے ٹاپوں کے نشانوں پر دوڑتی رہی پھر ایک بلند جگہ پہنچ کر میں نے ایک ٹیلے پر چڑھ کر دیکھا تو بہت دور وہ لوگ مجھے جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے لیکن میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ میری نگاہوں سے غائب ہو گئے۔ آہ میں اپنی زندگی کو بٹھیتی تھی۔ میشل جس کیلئے میں نے اپنا قبیلہ چھوڑ دیا تھا اور جو اب میری اپنی اولاد کی طرح تھی میرے لئے۔ میری نگاہوں سے دور ہو گئی تھی اور وہ بھی اس طرح کہ ناقد اس چاند کے کلوے کو نجانے کیسے کیسے مشکل حالات سے گزارے گا۔ آہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ میں کیا کروں۔ وہ ذریعہ نہیں تھا میرے پاس۔ کاش میں جادو جانتی۔ جادو کے عمل سے میں اپنی میشل کو اس سے چھڑا لیتی۔ میں نے دور سے دیکھ لیا تھا کہ وہ آقا زادی کو لئے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اور اب

ہوں اس بارے میں نہ پوچھتا۔ یوں سمجھو کہ یہ سینہ بہ سینہ مجھ تک منتقل ہوا ہے۔ یعنی میرے باپ کا باپ جو ایک نیم دیوانہ آدمی تھا اور جسے لوکائیہ کے لوگ پاگل کہا کرتے تھے اس راز کو جانتا تھا اور اسی نے مجھے اس کے بارے میں اتنی تفصیل بتائی تھی۔“ نادر اور فینٹ چونک پڑے۔ فینٹ کو اب اچھی طرح نادر کا مقصد معلوم ہو گیا اور یہ بھی جانتا تھا وہ کہ جن لوگوں نے اس کی زندگی بچائی، یعنی نادر حیات اور فیصلہ حیات، وہ درحقیقت اپنی کھوئی ہوئی دنیا حاصل کرنے کیلئے ہی سرگرداں تھے اور آج بھی نادر کے دل میں ایک ہی آرزو ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو صحرائے اعظم سے کسی خزانے کا راز معلوم کرنے کے بعد وہ یہ خزانہ حاصل کر سکے۔ لیکن یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ یہ عورت جس کا نام کوبالہ تھا شدت غم سے دیوانی ہو گئی ہو۔ بھلا ایسا کوئی خزانہ اور پھر دوسرا طبق، دونوں باتیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ لیکن عورت کے چہرے پر وحشت اور دیوانگی کے آثار نہیں تھے۔ اس کے برعکس اس کے چہرے پر سچائیاں جھلکتی تھیں لیکن نادر نے بزدلی آواز میں کہا۔

”تو اب غلط راستوں پر جا رہی ہے۔ اگر ہمیں اسی طرح اپنے مقصد کیلئے آمادہ کرنا تھا تو کم از کم ایسی کوئی بات تو نہ کہتی۔ ہم تو ویسے بھی انسانی رشتوں سے تیری مدد کر سکتے تھے۔ اور سن ہم تو صرف دو افراد ہیں اور بھلا ہم کیا کر سکتے ہیں اس سلسلے میں لیکن خزانے کی بات کر کے تو نے ہمارے ذہن خراب کر دیئے ہیں اور ایسا نہ کرنا کہ ہماری ہمدردیاں تجھ سے ختم نہ ہو جائیں۔“

”تم دونوں اگر کسی خزانے سے دلچسپی نہیں رکھتے تو میں تم سے اس کا تذکرہ نہیں کرتی لیکن حقیقت یہی ہے کہ مقدس گہرائیوں میں ایک عظیم خزانہ چھپا ہوا ہے اور گہرائیاں والے اس کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں اور میں تجھے اس کا پتا بتا سکتی ہوں لیکن ایسا نہیں تو جس حوالے سے بھی تم مناسب سمجھو میری مدد کرو۔“

”ہم صرف دو افراد ہیں اور تو کہتی ہے کہ سفید بھیرے کے ساتھ ایک پورا گروہ ہے اور کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ بتا ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔“

”دیکھو نہ تو میں پاگل ہوں، نہ دیوانی اور جو کچھ میں نے کہا وہ جھوٹ نہیں ہے اور مجھے یہ بھی احساس ہے کہ میں ایک ایسے کام کے لئے تم سے کہہ رہی ہوں جو بہت سے لوگ مل کر بھی آسانی سے نہیں کر سکتے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اگر کسی کام کا صلہ خواہش کے مطابق ملے تو انسان وہ کام اپنی قوت سے زیادہ بڑھ کر کرتا

وہ میری نگاہوں سے کم ہو گئے تھے۔ میں چلتی رہی اور بہت فاصلہ میں نے ملے کیا اور نجانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ میں دن اور رات کا سفر کر رہی تھی اور کھانے پینے کو میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ بھوک پیاس سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی میں۔ لیکن مجھے کہیں بھی میری آقا زادی نظر نہیں آ رہی تھی اور یوں عظیم آقا میں بالا خریاں تک پہنچی۔ اب بھوک پیاس میرے قدم روک رہی تھی۔ میں اپنی تمام جسمانی قوتیں کھینچ کر ہوں اور کئی دن اور کئی راتوں سے سرگرداں ہوں۔ میری میشل۔“ اس کی آواز گلوگیر ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔ چھوٹا ہاتھی نادر کی طرف دیکھنے لگا۔ نادر بھی بوڑھی عورت کے اس انداز سے متاثر نظر آ رہا تھا۔ اس نے آنسو بھری نگاہیں اٹھائی اور بولی۔

”وقت نے سب کو مجھ سے دور کر دیا ہے کوئی ایسا ذریعہ نظر نہیں آتا جس کی مدد سے میں اپنی آقا زادی کو حاصل کر لوں۔ راستے میں جو افراد مجھے ملے ہیں ان سے معلومات حاصل کیں اور پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہاں تو سب ہی سفید بھیرے سے خوفزدہ ہیں اور اس کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھانے کو تیار نہیں لیکن اب نجانے کیوں میرے دل کو ایک احساس ہو رہا ہے۔ دیکھو روشنی والے اور چھوٹے ہاتھی میری بات کا برا نہ ماننا میں اپنا مطلب تم سے بیان نہیں کر رہی، بلکہ ساری کہانی سنانے کے بعد تم سے بھی وہی آرزو کر رہی ہوں۔ بے شک تم مجھے ٹھکرا دینا۔ دھتکار دینا اور کہہ دینا کہ اے بوڑھی بھلا ہمیں کیا پڑی ہے کہ تیری میشل کے لئے سرگرداں ہوں، لیکن جو میرے دل میں ہے میں وہ تم سے کہنا چاہتی ہوں۔ میری مدد کرو۔ میری آقا زادی کو سفید بھیرے کے چنگل سے رہائی دلا دو۔ دیکھو میں مفلس اور قلاش ہوں میں جانتی ہوں کہ تمہاری دنیا کے لوگ جیسا کہ میں نے ان کے درمیان رہ کر دیکھا ہے چمکدار پتھروں اور پبلی دھات کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اگر تم نے میری آقا زادی کو چھڑا لیا تو میں ایسا انعام دوں گی کہ تم زندگی بھر خوش رہو گے۔ میں تمہیں وہ راز بتا دوں گی جو میں نے اپنے آقا ڈاکٹر آر تھر کو بھی نہیں بتایا۔ تم جانتے ہو آقا کاش یہ چھوٹا ہاتھی ہمارا دیوتا ہی ہوتا۔ وہ جس کا مجسمہ لوکائیہ کی عبادت گاہ میں نصب ہے تو میری تصدیق کرتا۔ میری قوم لوکائیہ والوں کا ایک ایسا پوشیدہ راز ہے جو میں تمہیں بتا دوں گی اور یہ راز ایسا ہے کہ تم تصور بھی نہیں کرو گے۔ یعنی دوسرے طبق والے جن کے پاس اتنا بڑا خزانہ ہے کہ تمہاری دنیا میں ایک شہر نہیں بلکہ پورا ملک آباد ہو سکے۔ ہاں نہ میں تمہیں غلط لالچ دے رہی ہوں اور نہ مجھے اس کی ضرورت ہے کہ سچائیاں ہی تو کامیابی کی ضمانت ہوتی ہیں لیکن درحقیقت میں دوسرے طبق کا وہ راز جانتی ہوں اور کیسے جانتی

ہے۔ چنانچہ میری مدد کرو اور اس کا صلہ میں تم کو دوں گی۔ اگر تم نے کوشش کی اور کامیاب نہ بھی ہوئے تب بھی تمہیں تمہارا انعام مل جائے گا۔ میں تمہیں اس جگہ کا ہر ضرور بتا دوں گی اور وہاں اتنا کچھ ہے کہ تم دس زندگیاں حاصل کرو، تب بھی نہیں حاصل کر سکتے۔“

”عورت بہت آگے بڑھ کر بات کر رہی ہے۔ انعام اور صلے کی بات چھوڑ ہم لوگ بذات خود بھی ایک تکلیف کا شکار ہیں۔“

”اور وہ جگہ جو دریائے سنگانیہ کے کسی پراسرار گوشے میں واقع ہے تلاش کرنے سے مل سکتی ہے کیونکہ حوالہ سنگانیہ کا ہے اور جہاں تک یہ دریا جاتا ہے ہم اس سمت سفر کر سکتے ہیں کہ کہیں نہ کہیں اسے پا ہی لیں گے۔“

”اور تو کیا وہ سمت جانتی ہے۔ جدھر یعنی دریا تو دو رخ کا ہوتا ہے نا۔ ہم اس کے چڑھاؤ پر بھی جا سکتے ہیں اور جدھر سے وہ آتا ہے ادھر بھی۔ تو تیرا خیال کس طرف ہے۔“

”چڑھائی کی طرف۔ کیونکہ جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا ہے کہ عظیم آقا یعنی کالوں کے میچا کا گھونسلہ بھی اسی جانب ہے یعنی وہ کراں، دریا کے ساتھ ساتھ اور میں نے سنبہ بھڑیئے کو دریا کے چڑھاؤ کی طرف جاتے ہی دیکھا ہے۔ گویا اپنے گھر کی طرف۔ اور بان ورن دار تھی اور سمجھ میں آتی تھی اور یہ بھی حقیقت تھی کہ بوڑھی عورت کی باتوں سے نادر کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہو گئی تھی اور جس طرح دن کا اجالا آہستہ آہستہ آسمان کی بلندیوں سے نیچے اتر رہا تھا اسی طرح ایک روشنی نادر کے ذہن میں بھی پھیل رہی تھی۔

بظاہر اس کا تجربہ کرتا تھا کہ بوڑھی عورت کے الفاظ غلط نہیں ہیں اور اس نے جن گمراہیوں

”اور کیا ایک ایسی عورت ہمارے درمیان نہیں آگئی جس نے ہمیں کچھ امیدیں دلائی ہیں۔“

”میں بتاؤں عظیم آقا بہر تو یہ ہوگا کہ ہم اس عورت کے مقصد کے حصول کیلئے کوشش کریں۔ ویسے بھی ایک ایسی لڑکی کی زندگی بچانا ضروری ہے جو برے لوگوں کے چنگل میں پھنس گئی ہے اور شاید برائیوں کی طرف دھکیلی جا رہی ہے۔۔۔۔۔ نادر سوچنے لگا۔

لفظ نادر بہت پر عزم نوجوان تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حالات کے زخم اسے مضطرب کرتے رہا کرتے تھے اور پھر سب سے بڑی بات تو قصر حیات کی جدائی تھی، جو اس کا جسم اس کا بازو تھا اور قصر حیات نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اپنے وجود کو اس کے وجود میں ضم کر رہا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ اب اس کی ذمہ داریاں بھی اسے ہی سنبھالنی پڑیں گی۔ اگر کوشش

”لیکن اس سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم اس ہرن کو بھوننے کی تیاریاں کر لیں اور کیا تو نے اس کی گردن پر وہ چھری پھیر دی ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ جو میں نے تجھ سے کہے۔“

”ہاں عظیم آقا وہ تو مجھے زبانی یاد ہو گیا ہے اور اب تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں وہ الفاظ ادا کر کے اپنی گردن پر بھی چھری پھیر لوں۔ بڑا ہی لطف آتا ہے۔“ فینٹ خوشگوار لہجے میں بولا۔ اور چند لمحوں کیلئے ایک پرست فضا پیدا ہو گئی لیکن عورت کو انہوں نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا ہاں تازہ گوشت تیار ہونے کے بعد جب وہ اپنے معدے پر کر لئے تو نادر نے عورت سے کہا۔“

”اور اب تو یہ بتا کوہالہ کو ہم کون سا راستہ عبور کر کے اس ندی تک پہنچ جائیں گے جس کا نام سنگانیہ بتایا ہے۔“

”میں تمہاری وہاں سے رہنمائی کروں گی اور جدھر دریا کا چڑھاؤ ہے ہمیں اسی سمت چلنا ہے اور تم اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کر لو۔۔۔۔۔ سامان کے ٹکڑے باندھے گئے اور ان میں سے ایک ٹکڑی فینٹ نے اپنے بھالے میں لٹکا لی اور آگے بڑھ گیا۔ عورت بھی ساتھ تھی۔ اور تینوں احتیاط سے سفر کر رہے تھے۔ نادر نے اپنی بددقت سنبھال کر رکھی ہوئی تھی کیونکہ وقت پر کام آنے کے لئے اس سے بہتر چیز اور کوئی نہیں تھی کہ درندے اس کی آواز سن کر بھاگ جائیں اور مقامی لوگ بھی، لیکن اس کا استعمال بڑی احتیاط سے کیا جا رہا تھا کیونکہ یہی ایک ایسا ساتھی تھا جو ابھی کافی عرصے تک انہیں حوادث سے محفوظ رکھ سکتا تھا۔ اور فینٹ بھی یہ سمجھ رہا تھا کہ نادر کے دل میں امید کی شمع روشن ہو گئی ہے۔ وہ بھی خوش تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ عورت اپنے دل میں ایک لگن رکھتی تھی کیونکہ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود اس نے کسی بھی قسم کی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا تھا اور سارے دن کا سفر طے کر کے وہ بالاخر دور سے اس تیز بہاؤ والے دریا کو دیکھنے میں کامیاب ہو گئے جس کا نام سنگانیہ تھا اور جس کا بہاؤ چڑھائی کی سمت سے آ رہا تھا۔ چونکہ شام کے جھپٹے فضاؤں میں اتر آئے تھے اور سردی پھیلتی جا رہی تھی اور کوئی ایسی جگہ درکار تھی جہاں وہ پناہ کے لئے اپنا ٹھکانہ تلاش کر سکیں اور دریا کے کنارے کے چوڑے اور پھیلے ہوئے درخت ان کے لئے ایک بہتر پناہ گاہ تھے۔ انہوں نے ادھر ہی کا رخ کیا۔ اور درختوں کے نیچے ایک ایسی جگہ بنا لی جہاں وہ آرام کر سکتے تھے۔ اپنا سامان، یعنی بھنا ہوا گوشت جو صبح کو تیار کیا تھا اور پانی ایک جگہ رکھنے کے بعد فینٹ نے خشک لکڑیاں تلاش کرنا شروع کر دیں

کر لی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے جبکہ عورت ایک گوشے میں بیٹھی ہوئی اونگھ رہی تھی۔ نجانے وہ کتنی راتوں کی جاگی ہوئی تھی۔ نادر نے فینٹ سے کہا۔“

”اور اپنا سامان میں سمیٹ رہا ہوں کیا تو اپنا بھالہ لے کر شکار تلاش کرے گا۔“ اب تو ہمیں تین آدمیوں کی خوراک درکار ہوگی۔

اس کے لئے تم فکر ہی نہ کرو۔ دوست میں نے ہرنوں کی ایک ڈار دیکھی تھی جو ہماری اس کمپ گاہ کے عقب سے کھانچیں بھرتی ہوئی نکل گئی تھی۔

”تو پھر کوشش کر اور کیا میں ہرن بھوننے کی تیاریاں کروں۔“ دفعتاً ہی فینٹ مسکرا دیا اور بولا۔

”ہرن بہت تیز رفتار ہوتے ہیں عظیم آقا لیکن آؤ ایک جادو کا کھیل کھیلتے ہیں۔“

”کیا۔۔۔؟“

اگر میں ہرن لے آتا ہوں تو سمجھ کہ ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر کوئی ہرن میرے ہاتھ نہیں آتا تو ہم اس مسئلے کو اپنی زندگی کا ایک ناکام مرحلہ قرار دے دیں گے۔

”نہیں ایسا نہ کہہ فینٹ کیونکہ بہر طور ہم اس عورت کو مایوس نہیں کر سکتے۔“

”وہ ایک الگ بات ہے لیکن اپنے دل میں ہم یہ تصور کئے لیتے ہیں۔“

”ہاں مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے۔“ نادر نے جواب دیا۔ عورت اب بھی گھٹنوں

میں سر جھکائے سو رہی تھی۔ بے چاری عورت۔ اگر وہ جھوٹ نہیں بول رہی لیکن پھر وہی

بات سامنے آ جاتی ہے کہ تجربہ بھی کوئی چیز ہوتا ہے۔ عورت کے چہرے پر جس طرح غم و

اندوہ کے آثار نظر آتے تھے وہ یہ ظاہر کرتے تھے کہ اس کی بات میں جھوٹ نہیں ہے۔

نادر تو سامان سمیٹنے سمیٹنے لگا اور فینٹ اپنا بھالہ لے کر نکل گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد نادر

نے اس کی چیخیں سنیں جنہیں سن کر عورت بھی جاگ اٹھی تھی۔ نادر نے دلچسپ نگاہوں

سے دیکھا کہ فینٹ اپنے بھالے کو کندھے پر رکھے ہوئے ہے۔ اور ایک وزنی ہرن اس میں

لٹکا ہوا ہے جسے فینٹ نے ہلاک کرنے کے بعد ہاتھوں اور ٹانگوں سے باندھ کر بھالے میں

لٹکا لیا تھا۔ اور عجیب سے انداز میں اسے اپنی کمر پہ لاوے اور بھالے کو اپنی بغل میں دبائے

چلا آ رہا تھا لیکن یہ تو واقعی حیرت کی بات تھی کہ فینٹ کو گئے ہوئے ابھی کچھ دیر بھی

نہیں گزری تھی۔ عورت بھی دلچسپی سے دیکھنے لگی۔ تو فینٹ خوشی سے چیخا ہوا آ گیا۔

”ہمیں ہمارے مستقبل کا اندازہ ہو گیا، عظیم آقا، ہمیں ہمارے مستقبل کا اندازہ ہو گیا

اور مجھے اب خوشیاں منانے سے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔“

شہنشاہ ابالی مگنی تھیں۔ ان میں بہت ہی دلکش ذائقہ تھا اور ایک ایسی فطرت، ایسی کیفیت کا مال جو بدن میں چستی پیدا کر دے۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے ساری تھکن دور ہو گئی ہو تو نادر نے کوہالہ سے پوچھا۔

”کیا ایسے درخت یہاں جگہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں۔۔۔۔؟“

”یہ میں نہیں کہہ سکتی لیکن یہ ایک نایاب اور نادر شے ہے۔ جسے میرے آقا یعنی ڈاکٹر آر تھر نے مجھ سے روشناس کرایا ہے۔ یعنی بدن میں خون کی روانی تیز کر دینے والی چیز۔ اور جسم کے لئے انتہائی طاقتور اور یہ چیز وہ ایسے کمزور غلاموں پر استعمال کرتا تھا جو بیماری سے لاغر ہو جاتے تھے اور یہ تو صرف اتفاق ہے کہ یہ درخت مجھے نظر آگیا۔ نادر نے کہا۔“

”بزرگ عورت، ہم تیری عزت کرتے ہیں، تیرا احترام کرتے ہیں اور تیرے اس جذبے اور لگن کی تعریف بھی۔ جو تیرے دل میں اپنی آقا زادی کے لئے ہے، اور جسے تو چاند کا ٹکڑا کہتی ہے اور جسے حاصل کرنے کیلئے تو نے ہمیں آمادہ کیا ہے۔ لیکن تو نے کچھ اور بھی کہا تھا۔۔۔۔۔“

”کیا۔۔۔۔؟“

”تو نے کہا تھا کہ اگر ہم اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے یا ناکام بھی رہے تو ہمیں اس جگہ کے بارے میں بتائے گی جسے تو دوسرا طبق یا مقدس گہرائیاں کہتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ وہاں سے ہمیں ایک عظیم خزانہ حاصل ہو سکتا ہے اور یہ بھی کہا تو نے کہ مقدس گہرائیوں کی کہانیاں تجھے تیرے دادا نے سنائی اور کیا تو بتا سکے گی کہ وہ کہانیاں کیا تھیں۔“

”آہ اگر تم نے مجھ سے پوچھا ہے تو بھلا تمہیں نہ بتانے کا کیا سوال ہے؟ اور میری تو دلی آرزو ہے کہ تمہیں کچھ حاصل ہو چونکہ تم خود بھی مخلص ہو اور بڑے خلوص سے تم نے میری مدد پر آمادہ ہونے کا اظہار کیا ہے اور باقی بہت سی باتیں تو ہم تقدیر پر چھوڑ دیتے ہیں کہ جو کچھ بھی تقدیر فیصلہ کرتی ہے وہی ہوتا ہے لیکن وہ جو نمک حلال تھے اور جنہوں نے ڈاکٹر آر تھر کی عنایتوں سے فائدہ اٹھایا تھا، منہ موڑ گئے۔ لیکن تم، تم نے ایسا نہ کیا جبکہ تم پر اس کا کوئی احسان بھی نہیں تھا۔ میں تم سے بے حد متاثر ہوں اور ضروری ہے، ان کے بارے میں بتاؤں، جو گہرائیاں والے کہلاتے ہیں۔“ وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی جیسے فیصلہ کر رہی ہو کہ اسے کہاں سے گفتگو کا آغاز کرنا چاہئے اور یہ لوگ بھی منحصر تھے۔ اس

اور دور تک نکل گیا اور ایسے کاموں کے لئے وہ کبھی نادر کو تکلیف نہیں دیا کرتا تھا بلکہ غور ہی بھاگ بھاگ کر سارے کام کر لیا کرتا تھا اور جتنا بھی اس نے اپنے پاس محفوظ کر رکھا تھا تاکہ آگ جلانے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ ویسے سامان میں انہیں بہت سی ایسی چیزیں حاصل ہو گئی تھیں یعنی اس سامان میں جو ان لوگوں کا تھا جو فرار ہو گئے تھے۔ تب اپنے ٹھکانے کے گرد ایک بڑا لاوا روشن کر لیا گیا تاکہ سردی اور چھروں سے نجات ملے اور ایسی ذہریلی مکیوں سے بھی جو کہیں سے بھی پرواز کرتی ہوئی آسکتی ہیں اور جن کا خاص خیال رکھا جانا ضروری تھا۔ پھر انہوں نے تمام انتظامات کئے اور جب رات کی تاریکی فضاؤں میں اتر آئی تو کھانے پینے کا بندوبست کیا گیا۔ تو بوڑھی عورت نے کہا۔

”یہ درخت جو ہمارے سروں پر ہے ایک بڑی اچھی حیثیت کا حامل ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تم مجھ پر اعتبار کرو۔“

”کیا مطلب۔۔۔۔؟“

”اس کی شہنشاہ کے نچلے حصے تو لاوا یعنی وہ جہاں سے پتے نکلتے ہیں۔“

”تو اس سے کیا ہوگا۔۔۔۔؟“

”میں تمہیں ایک ایسی چیز پلاؤں گی جسے پی کر تم مجھ سے اپنا حال بیان کرنا۔“

”آہ کیا اس میں نشہ ہوگا۔۔۔۔؟“

”نہیں۔۔۔۔۔“

”تو عظیم آقا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں ایسا کروں۔۔۔۔۔؟“

”دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نادر نے کہا اور بڑے سائز کا بندر درختوں کے تنے سے چڑھتا ہوا اوپر پہنچ گیا اور اس نے بوڑھی عورت کی ہدایت کے مطابق وہ شہنشاہ توڑ لیں اور ان کی ایک اچھی خاصی مقدار نیچے لے کر آگیا۔ ادھر بوڑھی نے آگ پر برتن رکھ دیا تھا اور پانی اس میں ڈال دیا تھا اور اس کے علاوہ، وہ برتن نکال لئے تھے جن میں سیال ڈال کر پیا جاسکے اور پھر وہ شہنشاہ اس میں ڈال دی گئیں اور بوڑھی انہیں جوش دینے لگی۔ پھر جب یہ سب کچھ خوب گرم ہو گیا تو اس نے انہیں پیالوں میں انڈیل دیا اور جب فینٹ نے اس کا مزہ چکھا تو خوشی سے اچھل پڑا۔

”آہ عظیم آقا یوں لگتا ہے جیسے کوہالہ ہمارے لئے بہت بڑی شے ہو۔ یعنی ”آہ“ آسمانوں سے اترتے ہیں اور برکتیں نازل کرتے ہیں۔ ذرا تم اس کا ایک گھونٹ پی کر دیکھو۔“ اور نادر نے بھی محسوس کیا کہ کیا ہی کمال کی چیز تھی۔ یعنی وہ درخت جس کی

رہنا ہے اور کیونکہ اسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا بلکہ صرف محسوس کیا ہے اور وہ چننا ہے اور طلب کرتا ہے انسانی زندگیوں کو۔۔۔۔ اور جب اسے خون اور انسانی جیسوں کی بھینٹ دے دی جاتی ہے تو وہ مطمئن ہو جاتا ہے اور گمراہیوں میں رہنے والے اس کی برکتوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔“

”یہ بات تو سمجھ میں آگئی کہ زمین کے دوسرے طبق میں ایک قوم آباد ہے جو گمراہیوں والی کھلاتی ہے۔۔۔۔ لیکن تم نے تو کچھ اور بھی کہا تھا بزرگ خاتون۔۔۔۔ نادر نے کہا۔“

”ہاں تم واقعی وہ بات کر رہے ہو جو تمہیں کرنی چاہئے یعنی یہ کہ وہاں خزانے کا کیا تصور ملتا ہے تو سنو میرے دلیر نوجوانوں چھوٹے ہاتھی اور روشنی والے۔۔۔۔ بات یوں ہے کہ ان آبادیوں کے مقدس پیشوا صرف انسانوں کی بھینٹ ہی اپنے دیوتا پر نہیں چڑھاتے بلکہ وہ ٹپکنے والے روشن پتھر جو رات کی تاریکیوں میں دن کا منظر پیش کر دیتے ہیں اس دیوتا کی نذر کرتے ہیں اور ہوتا یوں ہے کہ اس کے ذریعے وہاں روشنی پھیل جاتی ہے اور یہ پتھر بت بڑے بڑے اور بت چھوٹے چھوٹے بھی ہوتے ہیں اور غالباً دریا کی تہ سے نکالے جاتے ہیں۔۔۔۔ یا اس جگہ سے جہاں پانی بہتا ہے۔۔۔۔ کیونکہ پانی کی مرکز انہیں مختلف شعبوں میں تراش دیتی ہے اور پھر وہاں کے لوگ اپنے دیوتا پر ان پتھروں کا چڑھاؤ دینے کیلئے انہیں خشک ندیوں سے کھود کر نکالتے ہیں لیکن اس جگہ سے صرف وہاں کے مقدس پیشوا ہی واقف ہوتے ہیں۔۔۔۔ ان پتھروں کے ساتھ اور بھی مختلف پتھر نکلتے ہیں جن کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ ہر سال شہر کے منت اور مقدس پیشوا ان پتھروں کو نکالنے کی مہم سرانجام دیتے ہیں اور ان میں جو سب سے بڑا پتھر ہوتا ہے اس کو وہ اس لڑکی کے ہاتھ پر باندھ دیتے ہیں جو دیوتا پر بھینٹ چڑھائی جانے والی ہوتی ہے۔۔۔۔ بعد میں اس لڑکی کو بھینٹ چڑھائے جانے سے کچھ دیر پہلے یہ پتھر اس کے ہاتھ پر سے کھول کر ایک خفیہ مقام پر رکھ دیا جاتا ہے اور اس خفیہ مقام میں یہ سارے پتھر جمع ہیں اور صدیوں سے جمع ہوتے چلے آ رہے ہیں۔۔۔۔ چنانچہ وہاں ان پتھروں کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے جس کا تصور بھی کرنا ممکن نہ ہو اور اس کے علاوہ اس بت کی آنکھیں بھی انہی پتھروں کی ہیں جن کی وہ پوجا کرتے ہیں۔۔۔۔ اور روشنی والے وہاں یہ روایت مشہور ہے کہ زمانہ قدیم میں یہ دیوتا جو موت، اندھیرے اور شیطانی قوتوں کا دیوتا ہے اپنی ماں کو قتل کر کے دیوتا بنا تھا کیونکہ اس کی ماں ایک بت بڑی جاوگرنی تھی لیکن امن کی دیوی کھلاتی تھی اور جس جگہ اس امن کی دیوی

بات کو جاننے کیلئے کہ مقدس گمراہیوں کا خزانہ کیا حیثیت رکھتا ہے۔ آیا وہ حقیقت بھی ہے یا پھر ایک فرضی کہانی جو کوئی بھی بوڑھا دادا اپنے پوتے یا نانا اپنی انواسیوں کو سنا سکتا ہے کوہالہ نے کچھ لمحوں کے بعد گردن اٹھائی اور بولی۔

”میں نے اپنی تمام تر یادداشت‘ مجتمع کر لی ہیں اور اسی یادداشت کے سارے میں تمہیں ان کی یادداشت سنا رہی ہوں جو گمراہیاں والے ہیں اور جن کا قیام دوسرے طبق میں ہے اور جب تم اس سمت کا سفر کرو گے جہاں تین سروں والی پہاڑیاں نظر آتی ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ سب ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں تو ان کے درمیان یعنی اس طویل پہاڑی سلسلوں میں ایک درہ تمہیں نظر آئے گا اور جب تم اس درے سے گزر کر دوسری طرف پہنچو گے تو تمہیں یوں محسوس ہو گا جیسے ایک عجیب و غریب سرزمین میں داخل ہو گئے ہو یعنی گمراہیوں کے نیچے تمہیں مزید گمراہیاں نظر آئیں گی جن پر زمین کی چھت ہے یعنی ان گمراہیوں میں اترتے چلے جاؤ اور بہت دور تک چلے جاؤ اور تمہارے سروں پر ایک چوڑی چھت ہو جیسے آسمان‘ اور جب یہ گمراہیاں ختم ہو جائیں تو آسمان کی بلندیاں بڑھ جائیں اور اس طرف تمہیں ایسے لوگ آباد نظر آئیں گے جو عام لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں یعنی جہاں کمر چھایا رہتا ہے اور جو عظیم الشان برف کے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ ان لوگوں کے قد عام لوگوں کے قد سے زیادہ بلند ہوتے ہیں اور یہ لوگ بڑے ظالم ہوتے ہیں۔ اور انہیں کافر کہا جاتا ہے اور کافروں کے درمیان میں رہنے والی عورتیں بے حد خوبصورت ہوتی ہیں اور ان میں ایک عجیب طرح کی مقناطیسی کشش ہوتی ہے‘ وہ جگہ گمراہیاں کھلاتی ہے یعنی زمین کا دوسرا طبق اور اس قوم کی تاریخ صدیوں کے دبیز پردے میں پوشیدہ ہے۔ البتہ یہ لوگ ایک بے حد قدیم تصور کو پوچھتے ہیں یعنی ایک ایسا بیت ناک تصور جسے دیکھ کر انسانی آنکھ خوف سے بند ہو جائے۔۔۔۔ اور اس تصور کو انہوں نے اپنی عبادت گاہ میں سجایا ہے یعنی ایک پتھر کے مجسمے کی شکل میں اور اس کے قدموں میں وہ انسانی زندگیوں کی قربانی دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی اس عبادت گاہ کے قدموں میں ایک زبردست گمراہیوں کا ہے‘ اور اس کنوئیں کے اندر نیچے پانی کے سونے کھلے ہوئے ہیں یعنی ایک طویل رقبے میں اور اس میں ایک غار بھی ہے جو خشک غار ہے اور اس غار میں وہ رہتا ہے جسے وہ اپنا مقدس دیوتا مانتے ہیں اور وہاں کی داستانوں کے مطابق کہا جاتا ہے کہ اس مقدس دیوتا کی عمر ہزاروں سال ہے۔۔۔۔ یعنی اس وقت سے پہلے وہ وہاں موجود ہے جب گمراہیوں والے وہاں آباد ہی نہیں ہوئے تھے اور وہی ان کا

جہیں بتاؤں گی کہ وہاں تمہیں کیا کرنا ہے، لیکن ایسے نہیں، بات اس میں اعتماد کی ہے اور تم اپنے چروں سے ایسے نہیں نکلے جو اعتماد کو دھوکا دیتے ہوں لیکن پھر بھی تم سمجھ لو کہ جب کسی کام کا صلہ دیا جاتا ہے تو کام کے بعد ہی دیا جاتا ہے۔“

”ٹھیک ہے لیکن ان خطرات کے پیش نظر جو اس کام کے لئے پیش آسکتے ہیں کچھ ایسا ہونا چاہئے کہ ہم بھی اس سلسلے میں غور کر سکیں۔ تم سمجھ رہی ہونا۔۔۔۔۔؟“

”ہاں میں سمجھ رہی ہوں۔۔۔۔۔ اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر آخری بات بھی سنو۔۔۔۔۔ میں اس وقت تک تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی جب تک کہ میں تمہیں دوسرے طبق میں نہ پہنچا دوں۔۔۔۔۔ یہ میرا وعدہ ہے۔۔۔۔۔ اور اگر میں ایسا نہ کر پاؤں تو تم میری آقا زادی کے مالک ہو گے۔۔۔۔۔ اور یہ وعدہ میں تم سے کرتی ہوں میں تمہیں ان پتھروں کو حاصل کرنے کی ترکیب بتاؤں گی جو میں نے تمہیں ابھی نہیں بتائی جبکہ میرے دادا نے مجھے بتا دی تھی۔۔۔۔۔ لیکن اب اس سے زیادہ مجھ سے کچھ نہ کہنا، کیونکہ میرے بغیر شاید تم یہ پتھر حاصل نہ کر سکو گے۔۔۔۔۔ اور میرے بغیر کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس وقت تک تم نے اپنے وعدے پر عمل نہ کیا یعنی وہاں جانے سے پہلے تو تم کبھی وہاں تک نہ پہنچ پاؤ گے۔ پتھر حاصل کرنا تو درکنار، تم اس شہر کے راستے بھی تلاش نہ کر پاؤ گے۔۔۔۔۔ اور اگر راستے تلاش کر بھی لئے تو وہاں تک نہ پہنچ سکو گے چونکہ گمراہیوں والے بے حد طاقتور ہیں اور ان کے پاس اتنے افراد موجود ہیں کہ ان تک پہنچنا یا انہیں کوئی نقصان پہنچانا ممکن ہی نہ ہو۔۔۔۔۔“

”لیکن اگر تم ہمارے ساتھ گئیں، تو تم وہاں جا کر کیا کر لو گی، کیا تم انہیں فریب دینے کی کوئی حس رکھتی ہو یا وہ عورت یا لڑکی جسے تم چاند کی بیٹی کہتی ہو۔ بھلا اس کا اس معاملے سے کیا تعلق۔۔۔۔۔!“

”اے یہی تو وہ باتیں ہیں، جو تمہیں ابھی نہیں بتائی جا سکتیں۔ لیکن اس وقت تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا جب تم میری آقا زادی کو رہا کر لاؤ گے۔۔۔۔۔ اور سنو بہت ہو گئی۔۔۔۔۔ اب اس کے بعد میرے ہونٹوں پر مہر لگی رہے گی اور میں اس معاملے میں آگے کچھ نہیں بولوں گی۔۔۔۔۔ میں نے تم سے وعدہ کیا ہے، اور ایک بار پھر کہتی ہوں کہ ایک تدبیر ہے میرے ذہن میں اور تمہارے لئے فی الحال صرف اتنا ہی جان لینا کافی ہے بس اس سے زیادہ میرے لئے کچھ کہنا ممکن نہیں۔ ہاں اگر تمہیں میری یہ پیش کش منظور نہیں تو مجھے صاف صاف کہہ دو، میں کوشش کروں، کیوں کہ بات اب حد سے آگے بڑھ چکی ہے۔“

کو قتل کیا گیا تھا اس جگہ سے اب یہ پتھر ملتے ہیں۔۔۔۔۔ اور وہاں سے ملنے والے یہ سرخ پتھر اس دیوتا کی ماں یعنی آسن کی دیوی کے خون اور نیلے پتھر اس کے آنسو ہیں اور یہ آنر اس نے اپنے بیٹے کے سامنے رحم کی درخواست کرتے ہوئے بہائے تھے چنانچہ دیوی نے مقدس دیوتا کی ماں یہ سرخ پتھر جو اس کا خون ہے اصل میں اس دیوتا کو خوش کرنے کیلئے اس کی نذر کئے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ اور اس وقت تک یہ پتھر اس کی نذر کئے جائیں گے جب تک کہ اس کی ماں دوسری زندگی نہ حاصل کر لے اور واپس آکر اس دیوتا کی قوتوں کا خاتمہ نہ کر دے۔

کوبالہ کی آواز پر اسرار ہوتی جا رہی تھی اور نادر اور فینٹ ایک عجیب تصور میں کمرے گئے تھے۔۔۔۔۔ ان کا ذہن بھٹک گیا تھا اور انہیں اپنے وجود میں دھواں ہی دھواں محسوس ہو رہا تھا۔۔۔۔۔ اور یہ عجیب و غریب کیفیت ناقابل یقین تھی جیسے وہ محسوس کر رہے ہوں کہ وہ اس ماحول اس وادی میں پہنچ گئے ہیں اور سارا ماجرا ان کی نگاہوں کے سامنے ہو۔۔۔۔۔ لیکن پھر نادر بہت دیر تک وہ اس تصور میں کھوئے رہے جیسے ان پر جادو کر دیا گیا ہو۔۔۔۔۔ لیکن پھر نادر سنبھل گیا اور اس کی وجہ اس کی اپنی ذہنی قوتیں تھیں۔ وہ اس طلسم سے نکل آیا لیکن اس کے اثرات اس کی آواز سے ظاہر تھے اور اس کے ہونٹوں کی کپکپاہٹ اور ان کی پھیلی ہوئی ہلکی ہلکی مسکراہٹ اس بات کا اظہار کر رہی تھی کہ اس نے اس کہانی میں بہت زیادہ دلچسپی لی ہے۔ اس نے کہا۔

”اس میں کوئی شک نہیں ہے کوبالہ کہ تم نے جو کہانی سنائی وہ بڑی ہی دلچسپ ہے اور شاید آج کی رات نے بھی اس دیوتا کی صورت اختیار کر لی ہے لیکن اگر یہ کہانی سچی ہے تو یہ حقیقت ہے کہ دنیا کی سب سے عجیب کہانی ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ ہم ان پتھروں کو حاصل کرنے کیلئے کیا عمل کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔ اور جیسا کہ تم نے کہا ہے کہ یہ پتھر بھی اس شہر کے کسی حصے میں رکھے ہوئے ہیں لیکن کیا انہیں تلاش کرنا ممکن ہو گا۔۔۔۔۔؟“ کوئی ایسی تدبیر ہے جو ان کے حصول کا ذریعہ بن سکے۔۔۔۔۔

”کیوں نہیں۔۔۔۔۔؟“ میں تمہیں وہ راستے بتا دوں گی۔

”لیکن کب۔۔۔۔۔ کوبالہ کب بتاؤ گی تم ہمیں وہ راستے، جن کے ذریعے ہم ان پتھر پہنچ سکیں۔ نادر نے بے جینی سے کہا۔“

”اس وقت جب تم مجھے میری آقا زادی کا ہاتھ تھما دو گے اور میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں ان راستوں تک پہنچا کر دم لوں گی جو زمین کی گمراہیوں میں اترتے ہیں اور پھر۔۔۔۔۔“

اور میں نے وہ پیش کش کر دی ہے جو میرے پاس حرف آخر ہے۔

نادر نے پر خیال نگاہوں سے فینٹ کی طرف دیکھا اور اسے اندازہ ہو گیا کہ اس نے آگے اس عورت سے کچھ اور معلوم کرنا ممکن نہیں۔ البتہ یہ احساس ضرور کیا جا سکتا تھا کہ یہ عورت اندر سے بھی بہت گہری ہے اور رفتہ رفتہ کھل رہی ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی اپنی ذات میں کوئی ایسا راز پوشیدہ ہو جس میں کچھ راز پنہاں ہوں۔ لیکن بہت کچھ سوچنے کے بعد نادر نے کہا۔

”ٹھیک ہے کوہالہ ہمیں یہ شرط منظور ہے۔ لیکن تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو کہ تمہاری آزادی بھی ہمارے اس منصوبے میں شریک ہو جائے گی۔ یعنی اسے تو کچھ خبری نہیں ہے کہ تم ہم سے کیا وعدہ کر رہی ہو۔ اور ہم کیا شرائط طے کر رہے ہیں۔“

”بہت سی چیزوں کی ذمہ داری لی جا سکتی ہے اور اس کی ذمہ داری میں لیتی ہوں اور تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ اس کی طرف سے جو وعدہ کیا ہے میں نے وہ اس پر کار بند رہے گی اور سنو روشنی والے، تمہیں یہ کہانی سنا کر اور یہ معاہدہ کر کے میں نے ایک اور خطر بھی مول لے لیا ہے۔ چونکہ مجھے گہرائیوں تک تمہاری راہبری خود کرنی پڑے گی اور بہت کم ایسا ہوا ہے کہ کوئی وہاں پہنچ سکا ہو۔ کیا تم یقین کرو گے اس کہانی پر۔۔۔ کہ بہت سے لوگ وہاں پہنچنے کی کوششوں میں ناکام رہے ہیں۔ لیکن میں تمہیں وہاں لے جا سکتی ہوں اور براہ کرم یہ سوال نہ کرنا کہ میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں۔۔۔ اور ہو سکتا ہے میں نے جو تمہیں اپنے بارے میں بتایا ہے اس میں کوئی ایسا نکتہ پوشیدہ ہو۔ ہاں اگر میرے بارے میں شک ہو کہ میں اپنے وعدے سے منحرف ہو رہی ہوں اور یہ لالچ دے کر تمہیں غلط راستوں پر ڈال رہی ہوں تو اس کا حق تمہیں حاصل ہو گا کہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔

دیکھو میں اپنی جان خطرے میں ڈال رہی ہوں، کیونکہ مجھے میری آزادی جسے میں نے بچپن سے اپنی آغوش میں پروان چڑھایا ہے دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز ہے۔۔۔ اور اگر میری زندگی ہزار بار اس پر قربان ہو جائے تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔۔۔ اور تم بھی سوچ سکتے ہو کہ اگر اتنی ہی محبت تھی مجھے اپنی آزادی سے، تو میں نے اس کے بارے میں ڈاکٹر آر تھر کو اس خزانے کے بارے میں کیوں نہ بتایا۔۔۔ تو اس کی وجہ تم خود اپنے طور پر اگر اپنی عقل استعمال کرو تو سمجھ سکتے ہو۔ میں نے انہیں ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہا تھا۔ جبکہ تم دولت کے خواہشمند ہو۔۔۔ اور ڈاکٹر آر تھر اپنے طور پر اتنی دولت پیدا کر سکتا تھا کہ اپنی اور اپنی بچی کی زندگی کی حفاظت کرے۔

فینٹ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے عظیم آقا کہ ہمیں کوہالہ سے مکمل اتفاق کر لینا چاہئے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ہم خود بھی اپنی زندگی کی بازی لگا کر اس مشن پر نکلے ہیں۔ اور اب تو یہ مشن صرف تمہارا نہیں بلکہ یوں سمجھو کہ میرا ہے اور اگر تم تسلیم نہ کرو تو مجھے افسوس نہیں ہو گا کہ وہ جو اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے جب ایک خواہش اپنے دل میں رکھتا تھا تو میں نے وہ خواہش اس کے وجود سے سمیٹ کر اپنے سینے میں بٹائی ہے یعنی تمہیں اور اسے وہ سب کچھ حاصل کرنے میں مدد دینا، جس کا وہ خواہشمند تھا، میں جانتا ہوں اس سے اس کی روح کو خوشی ہوگی۔۔۔۔ اور میں اسے خوش کرنا چاہتا ہوں۔

فینٹ کی باتوں پر نادر کی آنکھوں میں آنسو نکل آئے اسے اپنا بھائی بری طرح یاد آ گیا تھا۔۔۔ لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھالا۔ یہ لمحات جذبات میں ڈوبنے کے نہیں تھے، تب اس نے کوہالہ سے کہا۔

”کوہالہ ہمیں تمہاری تمام شرائط منظور ہیں اور ہم پوری ہمت اور محنت کے ساتھ تمہاری آقا زادی کو نورناؤ کے قبضے سے نکالنے کی کوشش کریں گے۔۔۔“

”آہ اگر میری آقا زادی مجھے مل جاتی ہے تو تم یہ سمجھ لو کہ اس کائنات میں مجھے کسی اور شے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔۔۔۔ اور اس کے بعد یہ کائنات میں تم پر نثار کر دوں گی۔ یعنی وہ جو میں کر سکتی ہوں۔ لیکن اس کے لئے ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ ہمیں اپنے سفر کا آغاز کر دینا چاہئے تاکہ ہم جس طرح بھی ممکن ہو سکے، اس وقت سے پہلے سفید بھیریئے تک پہنچ جائیں کہ کہیں وہ آقا زادی کو کسی اور کے ہاتھوں تک نہ پہنچا دے۔۔۔۔ سوا اس کے لئے تمہیں جلد از اپنے سفر کا آغاز کر دینا چاہئے۔

”تھوڑی سی تیاریاں درکار ہیں اور بس اس کے بعد تو یوں سمجھ کوہالہ، کہ ہم برق رفتاری سے اپنی منزل کی جانب روانہ ہو جائیں گے کیونکہ ایک سمت کا یقین ہے، یعنی دریا کے چھاؤں پر اور کسی بھی جگہ وہاں اس کی موجودگی کا امکان۔۔۔۔“

جیسے ہی تنہائی میں موقع ملا۔ نادر نے فینٹ سے کہا۔

”فینٹ اس عورت کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے۔۔۔۔!“

”بڑی عقل والے تم ہو میرے دوست۔ فینٹ کی عقل اس کے تدو قامت کے مطابق نہیں ہے۔ بس وہ کچھ سوچتا ہے اور کبھی کبھی یوں بھی سوچتا ہے کہ وہ اتنا ذہین نہیں ہے جتنے تم۔۔۔ لیکن اگر تم مجھے اجازت دو تو میں ایک بات تم سے کہوں۔

مٹی۔ اور اس نے فینٹ سے کہا۔

”ہاں یہ تو نے اچھا کیا۔۔۔۔۔ روشنی والا تو شاید یہ بات نہیں جانتا لیکن افریقہ میں رہنے والے ہر شخص کو اس بات کا علم ہے کہ جب بھی کسی مشکل اور اہم کام کا آغاز کیا جاتا ہے ہم اپنے مقدس دیوتاؤں سے مدد مانگتے ہیں اور میں تیرے ساتھ شریک ہوں۔“

پھر دونوں وہیں بیٹھ گئے اور نادر دور سے انہیں دیکھتا رہا۔ ایسے موقعوں پر اسے فینٹ اجنبی اجنبی لگتا تھا اور یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ کسی انوکھی نسل کا باشندہ ہے۔

وہ دیکھتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد وہ اس کام سے فارغ ہوئے تو فینٹ نے نادر کو اپنے پاس بلایا اور بولا۔

”عظیم آقا ہم یقیناً ایک ایسی مہم پر جا رہے ہیں جو بڑی اہمیت کی حامل ہے اور ہم نے دیوتاؤں کی مدد مانگی ہے اور ہمارا اعتبار ہوتا ہے کہ اس کے بعد ناکامیاں ہم سے دور رہتی ہیں اور دیوتا مدد کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اگر تمہاری اجازت ہو تو میں کوہالہ سے بھی کچھ کموں۔۔۔۔۔“

کوہالہ نے چونک کر فینٹ کو دیکھا اور نادر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”اگر تو کچھ کمنہا چاہتا ہے کوہالہ سے تو میری طرف سے اس کی اجازت ہے۔“

”کوہالہ اس مقدس نشان کے سامنے قسم کھا کر یہ بات کہہ کر کیا تو درحقیقت اس خزانے کے بارے میں جو کچھ بتا رہی ہے وہ سچ ہے۔۔۔۔۔ اور کیا یہ حقیقت ہے کہ تیری آقا زادی ٹورناؤ نامی کسی شخص کے قبضے میں ہے۔۔۔۔۔؟“

”ہاں یہ حقیقت اور سچائی ہے۔۔۔۔۔ اور میں قسم کھاتی ہوں۔۔۔۔۔ کوہالہ نے کہا اور اس کے بعد سارا مسئلہ ختم ہو گیا۔ فینٹ نے حتمی لہجے میں کہا۔

”بس اس سے زیادہ اور کچھ مت پوچھنا عظیم آقا۔ اور ہمیں اپنے سفر کا آغاز کر دینا چاہئے۔“

اعتماد اور اطمینان کے ساتھ اس سفر کے لئے پہلے قدم اٹھا دیا گیا۔



”ہاں وہی بات میں تم سے سنا چاہتا ہوں۔“

”عمورت یعنی کوہالہ، یعنی یہ جو ہمیں ملی ہے اور جو اپنی آقا زادی پر نثار ہونے کا دعویٰ کرتی ہے، جہاں تک میرا خیال ہے عظیم آقا۔ وہ اپنی آقا زادی کے بارے میں تو سچ کہہ رہی ہے۔ لیکن شاید اپنے بارے میں اس نے کچھ فاصلے رکھے ہیں۔“

”مثلاً۔۔۔۔۔! نادر نے پوچھا؟“

”مثلاً یہ میرے آقا کہ وہ خود کو لوکا نیہ قبیلے کی فرد کہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہیں سے اس کا تعلق اسی علاقے سے ہو جس کے بارے میں وہ اتنے یقینی انداز میں نہیں بتا رہی ہے۔“

البتہ یہ بات تو ہم جانتے ہیں کہ اس کی کہانی میں سچ ہے اور اگر وہ واقعی اپنی آقا زادی کے حصول کے لئے اتنی ہی بے قرار ہے تو آخری عمل جو ہم اس سے کراتے ہیں وہ یہ کہ اسے اس کی آقا زادی کی قسم دیں اور اس سے معلوم کریں کہ کہیں وہ ہمیں خزانے کے حصول کے لئے دھوکا تو نہیں دے رہی۔۔۔۔۔ اور جو کچھ اس نے کہا وہ سچ ہی ہے اور اس کے بعد عظیم آقا ہمیں زیادہ مشکل کا شکار نہیں ہونا چاہئے کہ یہ ہو گا اور وہ نہیں ہو گا، ویسے بھی ہمارے سامنے کسی عظیم دولت کی پہلی کہانی آئی ہے اور ہمارے علم میں اور کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں سے ہم اپنے مقصد کا حوصلہ پائیں، میرے خیال میں اس کے بعد ہر تردد چھوڑ دیا جائے اور اپنے دل و دماغ کو حاضر کر کے اس کوشش کا آغاز کر دیا جائے۔۔۔۔۔

اور بات نادر کی سمجھ میں بالکل آگئی تھی اس کے علاوہ اور کوئی بات ہی نہیں تھی۔ پھر تیاریاں کی گئیں اور نادر بھی ان تیاریوں میں مصروف تھا۔ بددوق کی صفائی، کارٹوس کی حفاظت اور اس کے بعد کھانے پینے کا انتظام، ایسے برتن جو ساتھ لئے جاسکیں اور ضرورت پر کام آئیں لیکن وزن نہ بنے اور انہیں اس مضبوطی سے اپنے آپ پر نخل کر لیا جائے جو سفر میں رکاوٹ نہ بنیں۔

ایسے کاموں میں تو فینٹ ماہر تھا اور کوہالہ بھی یہ تیاریاں دیکھ رہی تھی۔ لیکن روانہ ہونے سے پہلے فینٹ نے اپنے اصولوں کے مطابق پتھروں سے ایک مقدس نشان بنایا۔۔۔۔۔ اور کوہالہ اس نشان کو دیکھ رہی تھی۔ یہ افریقہ کے تمام قبائلیوں میں ایک مقدس نشان سمجھا جاتا تھا اور شروکا نے ہمیشہ ہی اس کی پوجا کی تھی اور اس کا احترام کیا تھا۔۔۔۔۔ اور یہی کیفیت کوہالہ کے چہرے پر نظر آئی۔ وہ اس نشان کے سامنے دو زانو

بد ساری رات ایک تیز رفتار سفر جاری رہا۔ کیونکہ اس وقت نہ انہیں چھکن تھی۔ اور نہ ہی وہ کسی بھی شکل میں پریشانی کا شکار ہو رہے تھے۔ تقریباً چھ دن تک وہ لوگ راتوں کو سفر کرتے رہے۔ راہ میں لاتعداد مشکلات سامنے آئیں شروع کرنے اپنے اس اکلوتے بیٹے کی جس طرح سے تربیت کی تھی، اس میں اسے افریقہ سے لاطلم نہیں رکھا گیا تھا۔ یعنی اس کے مادر وطن سے۔ اپنی ماں کی یادداشت کے سارے فیٹ بہت سے ایسے مرحلوں سے گزر جاتا۔ اور پھر معاون کوہالہ بھی تھی۔ تو بلندوبالا پہاڑ، خطرناک ڈھلان، ابلتی ہوئی دلدلیں اور ندی نالے، جنہیں تیر کر عبور کیا جاتا تھا۔ اور ایسے ایسے کہ بس کچھ سمجھ میں نہ آئے۔ خطرناک، تیز دھارے، لیکن انہوں نے اس دھارے کو بھی عبور کیا۔ اور عورت کی حفاظت بھی کی۔ کئی جگہ تو یوں ہوا کہ فیٹ نے کوہالہ کو اپنی پشت پر بٹھایا۔ اور تیر کر ندی پار کی۔ نادر کو اس نے ایک بار بھی کسی پریشانی کا موقع نہیں دیا تھا لیکن خود بھی فیٹ کو سارا دیتا تھا۔ اس طرح وہ تینوں آگے بڑھتے رہے۔ دوسری الجھنیں بھی تھیں۔ کبھی تو انہیں افراط سے شکار مل جاتا۔ اور کبھی فالتے بھی کرتے پڑتے۔ لیکن فاقوں کی نوبت کم ہی آتی تھی۔ کیونکہ افریقہ کا یہ حصہ اجاز اور غیر آباد نہیں تھا۔ اکثر کراں اور چھوٹی بستیاں راستے میں پڑے، جہاں سے وہ اپنی ضرورت کی اشیاء حاصل کر لیتے۔ اور اس کے عوض کھالیں دے دیا کرتے تھے۔ جو افریقہ کی ان آبادیوں کی ضرورت تھی اور یہ کھالیں راستے کے شکار سے حاصل ہوتی تھیں۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ کوہالہ کے بارے میں ان کا خیال غلط نکلا تھا۔ کہ ایک عورت کی ہمراہی میں انہیں دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن کوہالہ نے ایک بار بھی ان سے پیچھے اپنے قدم نہیں رکھے تھے۔ شاید یہ اس کا اندرونی جوش اور جذبہ تھا۔ اور اپنی آقا زادی کو جلد چھڑانے کی دھن، جس کی اس نے قسم کھائی تھی۔ اور اکثر وہ ان سے بھی تیز رفتار ہو جاتی تھی۔ پھر سفر کی آٹھویں رات، انہوں نے ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر قیام کیا۔ چاند ڈوب گیا تھا اور اندھیرے میں سفر کو جاری رکھنا ممکن نہیں تھا، اس کے علاوہ مسلسل سفر سے کچھ چھکن بھی ہو گئی تھی۔ اور اس جگہ ہوا سرد تھی۔ اس لئے تینوں نے اپنے آپ کو خوب اچھی طرح کھالوں میں لپیٹ رکھا تھا۔ اور جھاڑیوں کی اوٹ میں پڑ کر سو رہے۔

صبح کو جب نادر جاگا تو فیٹ کسی اندرونی جوش میں مبتلا تھا۔ اس نے کہا۔

”عظیم آقا۔ دیکھو ہم کیسے سیدھے راستے سے آئے ہیں۔ وہ دیکھو۔ نیچے بڑا دریا ہے۔ اور دائیں طرف سمندر۔ انہوں نے پہاڑ کی چوٹی پر سے نیچے نظر کی، اور دیکھا کہ کچھ فاصلے

نادر بذات خود ایک سنجیدہ مزاج نوجوان تھا۔ اچھی شخصیت کی بنا پر اسے ہمیشہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ سنجیدگی شاید بچپن کے کسی دور میں اس پر نہ ہو۔ لیکن بعد میں اسے جن حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس نے اسے سکھایا تھا کہ دنیا بہت مشکل اور سخت جگہ ہے۔ اور اس میں گزارا کرنے کے لئے فطرت کی شوخی اور کھنڈرا پن ہی نہیں آتا بلکہ فطرت میں ایک ٹھہراؤ پیدا کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اس سفر کے لئے پہلا قدم اٹھانے ہوئے ذہن و دل میں جو جذبات کا طوفان تھا۔ اس نے نادر کی فطرت میں یکایک تبدیل پیدا کر دی تھی۔ اور یہ احساس اس کے دل میں ابھرا تھا کہ ایک پر عزم عمل ہی اسے کامیابی سے روشناس کرا سکتا ہے۔ اور دل و دماغ پر اگر دکھوں کی کیفیت طاری کی جائے تو شاید کام نہ بن سکے۔ فطرت میں شوخی کا ایک عنصر بھی لانا ہو گا۔ چونکہ شوخی، بے باکی، بہادری کو جہنم دیتی ہے۔ اس لئے اب اس نے اپنی ذات سے اداسی کا غلاف اتار پھینکا۔ اس دولت کے حصول کے مقصد میں اپنے لئے عیش کی زندگی حاصل کرنے کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ بلکہ ایک مشن تھا۔ ایک مقدس مشن۔ جس کی تکمیل کے لئے زندگی ایک حقیقت چیز ہے۔ تھوڑا سا سفر طے کیا۔ پھر چاند افق سے ابھر آیا۔ اور وہ آگے بڑھتے رہے۔ صحرائے اعظم کے اس پراسرار ماحول نے ہر شے پر اپنا تسلط جما لیا تھا۔ اور طے یہ کیا گیا کہ جب تک چاندنی راتیں ہیں وہ راتوں کو سفر کریں گے۔ اور اس سے انہیں ایک فائدہ ہو گا کہ افریقہ کی بھون ڈالنے والی دھوپ اور پگھلا دینے والی گرمی سے محفوظ رہیں گے۔ دوسری بات یہ ہو گی کہ ان کا یہ سفر ایک راز ہی ہو گا۔ اور ان کے ارادوں کی خبر سفید بھیرے تک نہیں پہنچ سکے گی۔ جس نے یقینی طور پر ان جنگلوں میں ایسے انتظامات کر رکھے ہوں گے جن سے اسے اس کے دشمنوں کی نقل و حرکت کا پتا لگتا رہے۔ کیونکہ ہر طور وہ افریقی قبائلیوں سے بھی خوفزدہ ہو گا۔ اس لئے یہ احتیاط لازمی تھی۔ اور یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ دن کی روشنی میں وہ پورا دن آرام کریں گے۔ کسی ایسی جگہ جہاں دوسرے انہیں نہ دیکھ سکیں۔ اور اس بات سے کوہالہ نے بھی اتفاق کیا تھا۔ یوں وہ تیز رفتاری سے آگے بڑھنے لگے اور اس کے

پر جھاڑیوں کے ایک میدان کے انتہائی سرے پر سنگانیہ کی وہ شاخ سمندر سے ملتی نظر رہی ہے۔ جھاڑیوں کا یہ وسیع و عریض میدان آگے بڑھ کر دلدل میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ وہ سنگانیہ کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ اس کی سطح پر دھند منڈلا رہی تھی اور دور مشرق کی طرف سمندر تھا۔ جس میں موجیں اٹھ رہی تھیں۔ اور ان موجوں کے پیچھے سے افریقہ کی سرخ سورج طلوع ہو رہا تھا۔ فینٹ نے کہا۔

”اور عظیم آقا۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے۔ وہ پہاڑ جو اس وقت دھند میں لپٹا ہوا ہے، کچھ گھنٹوں کی مسافت کے بعد دریا کے کنارے پر جھکتا چلا گیا ہے۔ اور ہمیں اسی طرف جانا ہے۔ کیونکہ پہاڑوں کے دوسری طرف آگے کا راستہ ہے۔ عظیم آقا جہاں تک میرا خیال ہے، اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہ ہوگی۔ جہاں سفید بھینڑا اپنے لئے رہائش گاہ بنا سکے۔ تم سمجھ رہے ہو ناں، میرے دوست۔ سمندر کے راستے وہ لوگ آتے جاتے ہوں گے۔ اور اسی راستے سے وہ دریا میں داخل ہو جاتے ہوں گے۔ جو غلاموں کے خرید و فروخت کے شوقین ہوتے ہیں۔“ تاد نے حیرت بھری نگاہوں سے فینٹ کو دیکھا اور بولا۔

”تو اتنا ذہین ہے فینٹ، میں نے یہ نہیں سوچا تھا۔ تو، تو نہایت ہی مناسب فیصلے کرتا ہے۔“

”آقا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں افریقی ہونے کے باوجود تمہاری دنیا میں زندگی گزار چکا ہوں۔ گویا میری وہ ہری شخصیت ہے۔“

”ہاں۔ مجھے اس کا اندازہ ہے۔“ اور اس بات کی تصدیق کوہالہ نے بھی کی۔ یہاں دوپہر تک وہ آرام کرتے رہے۔ اور اس کے بعد شام گذاری۔ پھر چاند طلوع ہونے سے پہلے انہوں نے سفر کا آغاز کیا۔ اور برق رفتاری سے کیا۔ چونکہ اتنے آرام کے بعد وہ تان دم تھے۔ اور چاند طلوع ہونے سے پہلے وہ پہاڑ کے جھکے ہوئے سر اور دریا کے کنارے پر کھڑے تھے۔ اور انہیں چاند کے طلوع ہونے کا انتظار تھا۔ کھانے پینے کی اشیاء معدہ میں اتارنے کے بعد جب وہ فارغ ہوئے تو انہوں نے ایک عجیب ویران اور ہولناک منظر دیکھا۔ جسے چاندنی نے اجاگر کر دیا تھا۔ پہاڑ کے اس جھکاؤ کے بعد سلسلہ کوہ تھا۔ جسے دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ افق سے جالما ہے۔ لیکن اس طرف پہاڑ بلند ہونے کی بجائے بتدریج نیچے ہوتے چلے گئے تھے۔ اور قدرت کے بنائے ہوئے اس چٹانی قلعے میں دریا بہہ رہا تھا۔ جس میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے اور شاداب جزیرے بکھرے ہوئے تھے۔ دریا اور کوہ کے

درمیان زبردست دلدلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ جن میں سے کچھ دلدلوں میں سے ہلکا ہلکا سا دھواں بلند ہو رہا تھا۔ گویا ان کے نیچے گندھک کی چٹانیں تھیں۔ اور کہیں کہیں دریا اور پہاڑوں کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا۔ اور کہیں یہ فاصلہ ناقابل یقین حد تک اور ان جگہوں پر دلدلیں ہی دلدلیں تھیں۔ جن میں سخت دلدلوں میں چھوٹے درختوں کے نرسل اُگے ہوئے تھے۔ لیکن فضا میں ایک ایسی بو پھیلی ہوئی تھی۔ جو گندھک اور پانی کی نمی سے سڑ جانے والی زمین کی ملی جلی بدبو تھی۔ اس مقام کی ویرانی اور ہولناک منظر دیکھ کر دل حرکت کرنا بند کر سکتے تھے۔ اور یہ احساس کہ ان دلدلوں میں سفر کرنا تو درکنار، انہیں دیکھ کر ہی انسانی جسم میں سانس رک جائے۔ لیکن اس کے باوجود ان دلدلوں پر بھی زندگی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ آبی پرندوں کی ڈاریں اپنی غذا حاصل کرنے کے لئے ان دلدلوں کی طرف آتیں، اور ان بدبو دار دلدلوں کی گاڑھی اور کالی کچڑ میں مگرچھ اور گھڑیاں کدوئیں بدلتے۔ اور وریائی گھوڑے اچھل کود کرتے نظر آ رہے تھے۔ بگے شور مچا رہے تھے۔ اور نرسلوں کی جڑوں میں پانی کے گھڑوں اور دستی ہوئی دلدلوں کے کھڈوں سے مینڈکوں کی مسلسل ٹڑاٹھ سنائی دے رہی تھی۔ اور فینٹ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”مقدس دیوتاؤں کی قسم! عظیم آقا۔ میرا دل کہتا ہے کہ راستہ انہی دلدلوں کے درمیان سے گزرتا ہے۔ اور ہمیں اس کے ٹھکانوں تک پہنچنے کے لئے انہی میں سفر کرنا پڑے گا۔“

”مگر دلدلوں پر سفر کیسے کیا جاسکتا ہے؟“

”دیکھنا ہو گا عظیم آقا۔ تم یوں کرو کہ یہاں قیام کرو۔ اور راستے کی تلاش اپنے اس بیکار انسان پر چھوڑ دو۔“

”مطلب۔۔۔۔؟“ تاد نے سوال کیا۔

”اگر یہ راستہ انہی دلدلوں سے گزرتا ہے تو میں اسے تلاش کر لوں گا۔ آخر سفید بھڑا بھی تو ان راستوں سے گزرتا ہو گا۔ اور ہمیں اس کا علم بھی ہو جائے گا۔ کہ ہم صحیح راستے پر پہنچے ہیں یا نہیں۔“

”لیکن فینٹ، تم جانتے ہو کہ مجھے تمہاری کس قدر ضرورت ہے۔ تمہیں اپنی زندگی کی حفاظت بھی کرنا ہوگی۔“

”کیوں نہیں عظیم آقا۔ میں اس وقت مرنا چاہتا ہوں جب تمہارا مقصد پورا ہو جائے۔ تاکہ جب میری روح عالم بالا میں پہنچے اور مجھے وہ محبت کرنے والا انسان ملے تو میں اسے یہ

کنارے تک پہنچ کر ختم ہو گیا تھا۔ اور یہاں رک کر انہیں سوچنے پر مجبور ہونا پڑا۔ جگہ جگہ اونچی اونچی جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ اور یہ باعث تشویش بات تھی کہ آگے کا راستہ دلدل نہیں تھا۔ اور وہاں پانی صاف نظر آ رہا تھا۔ اور اکثر ایسا ہوتا کہ اگر وہ کنارے تک پہنچے تو کمزور دلدل ان کے پیروں کے نیچے سے نکل جاتی۔ لیکن یہاں غور کرنے کا مقام تھا۔ سو وہ رک گئے۔ اور فینٹ پر تشویش انداز میں اپنا رخسار کھانے لگا۔ پھر وہ ایک بار اور مصروفیت عمل ہو گیا۔ جھاڑیوں کے جھنڈ جن کے درمیان حشرات الارض بکھرے ہوئے تھے۔ فینٹ کی تلاش کا مرکز تھے۔ اور وہ جھاڑیوں میں گھستا پھر رہا تھا۔ لیکن ایک بار پھر اس کی زور دار چیخ سنائی دی۔ اور دونوں یعنی نادر اور کوہالہ یہی سمجھے کہ فینٹ کی زندگی کو کوئی حادثہ پیش آ گیا۔ لیکن پراسرار قوتوں کا مالک اس وقت ان کے لئے ایک ایسا راہبر ثابت ہو رہا تھا کہ وہ سوچتے تھے کہ کوئی بھی اگر یہاں ہوتا تو فینٹ کے برابر باعمل نہ ہوتا۔ وہ خوشی سے دوڑتا ہوا قریب آیا تھا۔ اور اس نے کہا۔

”آہ۔ ان میں سے ہر جھاڑیوں کے پیچھے انسانی ڈھانچے پڑے ہوئے ہیں۔“ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی کشتیاں بھی ہیں عظیم آقا۔ اب اس بات میں ذرا برابر شبہ نہیں رہا ہے۔ اور ہم اس موضوع پر کوئی بات ہی نہیں کریں گے کہ سفید بھڑیئے کا راستہ یہی ہے اور ہم صحیح منزل کی جانب جا رہے ہیں۔ آؤ ذرا میرے ساتھ آؤ۔ دیکھو میں تمہیں کیا دکھاتا ہوں۔“ انہوں نے دیکھا کہ جھاڑیوں کے درمیان واقعی چھوٹی چھوٹی کشتیاں بوسیدہ حالت میں پڑی ہیں۔ ان میں سے کچھ بہتر حالت میں بھی تھیں۔ فینٹ نے کہا۔

”اور وہ بڑی کشتیاں جو اس کے اپنے استعمال میں ہوتی ہوں گی، وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ اس کا مقصد ہے کہ وہ اپنے ٹھکانے کی جانب گیا ہے۔ اور یہ چھوٹی کشتیاں عارضی استعمال کے لئے ہوتی ہوں گی یا انہیں ناکارہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ لیکن عظیم آقا، ذرا دیکھو۔ دیکھو، نادر میرے دوست، ان میں سے کئی کشتیاں ایسی ہیں جو قابل استعمال ہو سکتی ہیں۔“ اور ان لوگوں نے جائزہ لیا اور غور کیا تو زرسلوں کے بیچ میں انہیں ایک چھوٹا سا میدان نظر آیا۔ اور اس میدان میں کئی انسانی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ اور ان کے پتھر دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ ان میں چھوٹے بچوں کی لاشیں بھی ہیں۔ یہ قابل عبرت منظر تھا۔ کوہالہ نے غمناک لہجے میں کہا۔۔۔۔

”اور وہ بد بخت، جنہیں اپنی ضرورت کے مطابق نہ پاتا ہو گا، انہیں یہیں مرنے کے لئے چھوڑ دیتا ہو گا۔ یا پھر ان کی گردنوں پر چھری پھیر کر انہیں یہاں پھینک دیا کرتا ہو گا۔“

تو بتا سکوں کہ اس کے مقصد کی تکمیل کے لئے میں نے بھی اپنے مالک کا حق ادا کیا ہے اور یہ الفاظ نادر کے لئے بڑے قیمتی تھے۔ لیکن کوہالہ نے کہا۔ ”دبوتا کا ہم شکل پوشیدہ قوتیں رکھتا ہے اور۔۔۔۔“

”بہتر یہ ہو گا کہ اسے اس کا کام کرنے دیا جائے۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ فینٹ اپنا جگہ سے اترنا۔ اور شکاری کتے کی طرح جھاڑیوں میں گھس گیا۔ وہ کبھی نظر آتا اور کبھی گم ہو جاتا۔ ایک جھاڑی سے دوسری جھاڑی میں اور دوسری جھاڑی میں سے تیسری جھاڑی میں۔ لیکن پھر اچانک ہی اس کی آواز سنائی دی۔ اور اس نے کوئی چیز فضا میں لہرائی۔“ لوگ صحیح طور پر تو دیکھ نہیں پائے تھے۔ لیکن فینٹ دوڑتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ”یہ دیکھو۔ یہ دیکھو عظیم آقا۔ بالآخر میں نے راستہ تلاش کر ہی لیا۔ آہ میری نگاہوں نے دور تک دیکھا ہے۔ دلدل پر گھوڑوں کے قدموں کے نشانات ہیں۔ گویا اگر گھوڑے یہاں سے گزر سکتے ہیں۔ اور وہ بھی انسانوں کو اپنے جسم پر بٹھا کر تو اس کا مطلب ہے کہ ہم بھی گزر سکتے ہیں۔ ہم گھوڑوں سے زیادہ وزن دار تو نہیں ہیں۔“

”یہ کیا ہے۔۔۔۔؟“

”کچھ کپڑے ہیں اور جس جگہ سے میں نے یہ کپڑے اٹھائے ہیں آقا، وہاں دو انسانی جسموں کے پتھر بھی پڑے ہوئے ہیں جو ابھی پوری طرح گوشت سے عاری نہیں ہوئے۔ کپڑے انہی کے پاس تھے۔“

”آہ۔ اس کا مطلب ہے کہ یہی اس درندے کی گزرگاہ ہے۔“

”نشانات صاف بتاتے ہیں عظیم آقا، کہ وہ انہیں گزرگاہوں سے اپنی منزل کی جانب جاتا ہے۔“ پھر ان لوگوں نے وہاں سے قدم بڑھا دیئے۔ اور پہاڑ سے نیچے اترنے کے بعد اس راستے پر چل پڑے۔ اور یہ راستہ کیا تھا۔ بس یوں محسوس ہوتا تھا، جیسے جہنم اسی سمت سے گزرنے کے بعد آتا ہے۔ جگہ جگہ جھاڑیوں کی نیلیں زمین پر لٹٹی ہوئی تھیں اور ان کی مٹھنیاں دلدلوں پر پیچھی ہوئی تھیں۔ اس طرح وہ دلدلوں سے گزرنے لگے۔ اور وہ انسانی ڈھانچے، جو فینٹ نے دیکھے تھے ان کی نگاہوں سے بھی گزرے۔ کوہالہ نے کہا۔

”انہیں مرے ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے۔ ان کے جسم کا گوشت مکمل طور پر خشک نہیں ہوا۔ اور دلدلوں کی نمی نے انہیں زیادہ بہتر طریقے سے رکھا ہے۔ لیکن یہ سفید بھڑیئے کی نشانیاں ہیں۔ اور ہمیں ان سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ وہ آگے بڑھتے رہے۔ اور وہ گھٹنے تک یہ سفر جاری رہا۔ یہاں تک کہ وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے۔ جہاں راستہ پانی کے

ہمیں ہماری ان تمام خوشیوں سے محروم کر دیا۔ آہ انتقام۔ انتقام۔ انتقام۔ دلہلوں پر دھند چائی ہوئی تھی۔ ہوا نرسلوں میں گھس کر بھگی ہوئی روجوں کی طرح سرگوشیاں کر رہی تھی۔ اور دھند کو عجیب عجیب بھیاں شکلوں میں تبدیل کر رہی تھی۔ پھر مینڈکوں کی زڑاٹ، جو کبھی کبھی ایک کورس میں مسلسل بولنے لگتے اور اچانک ہی خاموش ہو جاتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے فضا کی رفتار ختم ہو گئی ہو۔ آسمان اور زمین کی گردش رک گئی ہو۔ پھر کبھی کوئی گھڑیاں اور دریائی گھوڑا کسی بنگے کی نیند میں خلل ڈال دیتا۔ اور وہ نیند سے چونک کر چپخٹا اور اس کے بعد فضا میں پروں کی پڑ پڑاٹ سنائی دیتی۔ یوں محسوس ہوتا جیسے اچانک ہی روجوں نے چیخ و پکار شروع کر دی ہو۔ یہ سب آوازیں ایک عجیب و غریب اور انتہائی خوفناک ماحول پیش کر رہی تھیں۔ بہر حال رفتہ رفتہ وہ اس ماحول کو اپنی عادت بنا رہے تھے۔ پھر اندھیرا سمٹ کر مغرب کے افق میں پہنچا۔ اور مشرق سے اجالا نمودار ہونے لگا۔ اور آہستہ آہستہ آسمان روشن ہوتا چلا گیا۔ سورج آہستہ آہستہ اپنا چہرہ اجاگر کر رہا تھا۔ اور اس کی شعاعیں یہاں پڑی ہوئی ہڈیوں اور لاشوں کے انبار پر چمک رہی تھیں۔ یہ لوگ جو رات کو سوتے جاگتے رہے تھے۔ بیدار ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیر کر رات کی شبنم جھٹکی۔ پنہلکا سا ناشتہ کیا گیا۔ اشیائے خورد و نوش موجود تھیں ان کے پاس۔ لیکن یہاں آنے کے بعد ان کا تصور ذرا سخت ہو گیا تھا۔ کیونکہ جو حشرات الارض یہاں پائے جاتے تھے۔ وہ قابل استعمال نہیں تھے۔ اور انہیں اپنے اس کھانے پینے کے ذخیرے کی احتیاط کرنی تھی۔ اور وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کا یہ سفر کتنا طویل ہو گا، دیے انہوں نے امید کا دامن نہیں چھوڑا تھا۔ لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ کتنا وقت اس میں لگ جائے۔ اور سب سے بہتر بات تو یہ تھی کہ انہیں منزل کے نشان مل رہے تھے۔ یعنی وہ راستے جن سے گزر کر سفید بھڑیاں یہاں سے گیا تھا۔ اور جب خوب سورج روشن ہو گیا تو فیصلہ کیا گیا کہ اب آگے بڑھنے میں دیر نہ کی جائے۔ چنانچہ کشتی کو سنبھال کر انہوں نے اس بھیاں سفر کا آغاز کیا۔ نہروں اور دلہلوں میں بہت سے جزیرے تھے اور ان جزیروں کی شکلیں یکساں تھیں اور ماہر سے ماہر انسان بھی ان کے درمیان کوئی تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ سب کے سب ایک جیسے اور ہر راستہ ایک دوسرے کی مانند، وہ اس کے درمیان سے گزر رہے تھے اور انہوں نے صرف امداد غیبی پر تکیہ کیا تھا اور منزل نیک راستوں کی طرف جاتی تھی۔ اس لئے انہیں یقین تھا کہ وہ اپنی منزل کی جانب صحیح سفر کریں گے۔ دن بھر وہ کشتی چلاتے رہے۔ یہاں تک کہ شام کے قریب ایک ایسی جگہ نظر آئی جہاں وہ راستہ دو

آہ کیا ہی عجیب و غریب انسان ہے اور یہ دیکھو، بہت سے انسانی پنجر سوکھ کر چمکنے لگے ہیں۔ بہر حال وہاں کا جائزہ بھرپور طریقے سے لینے کے بعد یہ اندازہ ہو گیا کہ سفید بھڑیاں درندہوں سے زیادہ وحشی ہے۔ اور یقینی طور پر ہمیں سے وہ اپنے آگے کے سفر کا آغاز کرتا ہے۔ کہ بخت نے کیا ہی مضبوط اور عجیب جگہ بنائی تھی اپنے قیام کے لئے۔ اور نجانے کس دل و دماغ کا مالک تھا وہ۔ انسان اگر اس انداز میں اپنے لئے زندگی کے راستے منتخب کر لے تو ناقابل یقین سی بات ہوتی ہے، کہ ان کا انداز فکر آخر کیا ہے۔ اور وہ کیوں اس طرح سے کرتے ہیں۔ وہ کہاں سے کہاں تک جانا چاہتے ہیں۔ لیکن بہر حال یہ ساری باتیں سوچنے کے لئے نہیں ہوتیں۔ برائی کا بھی ایک مرکز ہوتا ہے۔ اور یہ مرکز کسی نہ کسی شکل میں ہوتا ہے۔ پھر وہ اس کشتی کی جانب متوجہ ہو گئے جو انتہائی بہتر حالت میں تھی۔ اور اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ اس کے ذریعے تھوڑا بہت سفر کیا جاسکتا ہے۔ اس وہشت ناک منظر نے ان لوگوں پر ایسی کیفیت طاری کر دی تھی کہ وہ سب کے سب خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ تار کے دل میں غم و غصے کا طوفان اٹھ رہا تھا۔ اب بات صرف اس ایک عورت کی رہائی کی نہیں تھی جس کا نام اس کی مالکہ نے چاند زادی لیا تھا۔ اور وہ میشل کہلاتی تھی۔ بلکہ اس خوفناک انسان سے دل و دماغ میں نفرت کا اتنا بڑا احساس ہو رہا تھا کہ دل چاہتا تھا کہ اسے تلاش کر کے اس کے کھلے کر دیئے جائیں۔ وہ اس ظالم کو جو بے گناہوں کا خون بہایا کرتا ہے۔ جلد از جلد اس دنیا سے دور کر دینا چاہتا تھا۔ بہر حال فیصلہ یہ کیا گیا کہ یہاں قیام کیا جائے۔ اور اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں کہ مکمل طور سے جائزہ لے کر بالآخر انہی کشتیوں میں سے کسی ایک کشتی کا انتخاب کیا جائے۔ اور یہ کشتی جو انہوں نے منتخب کی تھی، نہایت ہی بہتر حالت میں تھی اور اس کیفیت میں کہ اسے سفر کے لئے استعمال کیا جاسکے۔ لیکن فیصلہ یہی کیا گیا کہ ابھی یہاں قیام کیا جائے اور لاشوں اور ہڈیوں کے انبار کے پاس بیٹھ کر انہوں نے اپنی زندگی کی ضروریات پوری کیں۔ کھایا پیا۔ ان کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہڈیوں کے پنجر پڑے ہوئے تھے۔ اور ہر لاش اور ہر ہڈی بے انتقام تھی۔ گویا زبان حال سے کہہ رہی ہو کہ ہمارا بدلہ لیا جائے۔ ہم بھی کبھی انسان تھے۔ اس دنیا کے جیتے جاگتے انسان۔ ہم ننھے سے معصوم بچوں کی شکل میں پیدا ہوئے تھے۔ ہم نے بھی اپنی ماں کی آغوش میں آنکھیں کھولی تھیں۔ اور ماں نے ہمیں محبت کی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ اور پھر ہم نے زندگی کی وہ منزلیں طے کیں جو انتہائی کٹھن اور مشکل ہوتی ہیں اور ہمارے جسم اس حد تک اپنا مقام حاصل کر سکے۔ لیکن ایک وحشی درندے نے بالآخر

معاظوں میں تنہا بھی چھوڑ دینا چاہئے۔ نادر نے بالاخر مجبور ہو کر فینٹ کو آگے جانے کی اجازت دے دی لیکن وہ صرف پریشانیوں میں مبتلا تھا تو پھر فینٹ وہاں سے آگے بڑھ گیا اور پانی کے راستے اس وقت تک نظر آتا رہا جب تک کہ نگاہوں نے کام کیا۔ وہ بہت دور نکل گیا تھا اور اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ اب وہ خاصا دقت وہاں لگائے گا۔ ادھر نادر کو کوبالہ کی فکر بھی تھی جو بدستور شدید بخار کا شکار تھی اور ذہنی بحران میں مبتلا نادر نے اس کے لئے جس طرح بھی ممکن ہو سکتا تھا حفاظت اور آرام کا بندوبست کیا اور ایک درخت کی جڑ میں اسے لٹا دیا۔ جو کچھ بھی ان کے پاس تھا وہ انہوں نے کوبالہ کے جسم پر لپیٹ دیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں آبی پرندے نظر آ رہے تھے لیکن بددق کا احتمال بالکل ہی غلط ہوتا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان راستوں پر کہاں کہاں اور کس جگہ سفید شیطان یعنی ٹورناڈو کے آؤں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے اور فائر کی آواز یقیناً انہیں متوجہ کر دے گی لیکن اس کے بعد جو نتیجہ ہو گا نادر اچھی طرح جانتا تھا۔ یہاں پڑے ہوئے لکڑی کے ٹکڑوں اور ننھے ننھے پتھروں سے اس نے چند آبی پرندے شکار کئے اور ان معصوم جانوروں کو ذبح کر کے ان کا گوشت بھون کر کھایا اور کوبالہ کو بھی کھلایا۔ پتہ نہیں یہ ان آبی جانوروں کے گوشت کی خوبی تھی یا پھر تقدیر کا ایک تعاون کہ کوبالہ کی طبیعت بہتر ہوتی چلی گئی۔ پورا دن پوری رات پھر دوسرا دن کوبالہ دوسرے دن خاصی مطمئن ہو گئی تھی اور اس نے کہا۔

”آہ یہ تم نے غلط کیا۔ دیوتاؤں کی شکل رکھنے والا بڑی خوبیوں کا مالک تھا اور اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ وہ دیوتا نہیں ہے بلکہ انسان ہی ہے لیکن دیوتاؤں جیسی شکل رکھنے والا میں نہیں سمجھتی کہ جن حالات میں وہ یہاں سے گیا ہے واپس آ سکے گا۔ آہ کاش میں ہوش میں ہوتی تو کبھی اس بات کی اجازت نہ دیتی کیونکہ ایسی جگہ دلدلوں میں اکثر مگرچھ پائے جاتے ہیں اور ان سے زندگی بچانا ایک مشکل ہی کام ہے۔۔۔۔۔ نادر خود بھی کف انوس مل رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اگر یہ اچھا ساتھی اس سے چھوٹ گیا تو زندگی اس طرح بے مقصد ہو جائے گی کہ زندگی کا تصور ہی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گا اور اس وقت تو بہتر یہی ہو گا کہ قیصر حیات تو چل ہی رہا ہے وہ بھی اپنی ناکام آرزوؤں کو لے کر نشن کی گمراہیوں میں چلا جائے گا لیکن وہ انتظار کرتے رہے۔ ایک دن دوسرا دن تیسرا دن اور پھر چوتھے دن انہوں نے محسوس کیا کہ ساحل سے کوئی آکر لگا ہے اور جب وہ ساحل سے باہر آیا تو کوبالہ اور نادر کی خوشی سے چیخیں نکل گئیں۔ وہ فینٹ ہی تھا خوش و خرم لیکن کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار دونوں دوڑتے ہوئے اس تک پہنچ گئے۔ اور نادر نے

”دیکھو یہاں پرندے بھی نظر آ رہے ہیں جو کنارے پر آکر بیٹھ جاتے ہیں کہ تم پور کرو کہ کوبالہ کے ساتھ یہاں قیام کرو اور یہ کشتی میرے حوالے کر دو۔ میں ذرا آگے بڑھ کر دیکھتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ یا اگر کشتی مجھے نہ دو ماکہ تم بے دست و پا نہ ہو جاؤ۔ میری ذمہ داری پر چھوڑ دو کہ میں آگے کے راستے کس طرح دیکھتا ہوں۔“

”تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے فینٹ؟ بھلا آگے تو کس طرح جائے گا۔۔۔۔۔“

”عظیم آقا کبھی کبھی کسی انسان کی بات پر بھروسہ بھی کر لیا جاتا ہے اور پھر فینٹ تمہارا غلام ہے۔ میں اگر مرا بھی تو تمہارے قدموں میں ہی آکر مروں گا۔“

”نہیں فینٹ میں تجھے اس طرح آگے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔“

”مجھے نہ روکو عظیم آقا میرا دل کہتا ہے کہ میں کچھ نہ کچھ معلومات حاصل کر کے آؤں گا۔“

”آخر یہ تجھے کیا سوچھی ہے ہم ساتھ ساتھ سفر کر رہے ہیں۔ تو بھی تھوڑا سا انتظار کر لے۔“

”عظیم آقا بس کبھی کبھی دل جو راہنمائی کرتا ہے وہ بڑی کارآمد ہوتی ہے۔ اب اگر مجھے یہ موقع دے دو تو میں تمہارا دل سے شکر گزار ہوں گا اور وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد تم سے کبھی کچھ نہیں مانگوں گا۔۔۔۔۔ نادر بے بسی کی نگاہوں سے فینٹ کو دیکھنے لگا۔ فینٹ بضد تھا کہ وہ آگے جا کر صورت حال کا جائزہ لے لیکن بہر حال دو صورتیں تھیں۔ پہلی بات تو یہ کہ فینٹ کو کشتی کے بغیر آگے نہ جانے دیا جاسکتا تھا، حالانکہ اس میں کلا شک نہیں کہ وہ ایک بہترین تیراک تھا اور نادر دیکھ چکا تھا کہ ہر لمحے پر وہ اپنی ایک اگ حیثیت کا حامل نظر آتا ہے لیکن اگر کوبالہ بچ گئی اور فینٹ آگے جا کر کسی حادثے کا شکار گیا تو کیا کیا جائے گا۔ دوسری بات یہ کہ اگر کشتی اسے دے دی جائے اور فینٹ خدا نخواستہ کسی مشکل میں پھنس کر اس کشتی کو ہاتھ سے کھو بیٹھے تو پھر اس چھوٹے سے جزیرے موت کتنی خوفناک ہوگی۔ اس کا تصور کیا جاسکتا ہے لیکن فینٹ کشتی لے جانے کو بھی نہیں تھا اور اس بات پر مسلسل ضد کئے جا رہا تھا کہ وہ آگے جائے گا اور اس کی ضد مجبور ہو کر نادر نے مجبور لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے فینٹ میں بہر حال تیرا آقا تو نہیں ہوں اور نہ ہی تو میرا غلام کہ میں خفی سے ان بات کی ہدایت کروں کہ تو ایسا کر۔“

”عظیم آقا تم سختی سے مجھے ہر بات کی ہدایت کر سکتے ہو لیکن کبھی کبھی دل

فینٹ کو سینے سے لگا لیا تھا۔

”آہ فینٹ اگر تو واپس نہ آتا تو یقین کر شاید کم از کم میں اس جزیرے سے نکلنے کی کوشش نہ کرتا اور یہیں رہ کر موت کا انتظار کرتا کہ موت جس قدر ممکن ہو سکے مجھ تک پہنچ جائے۔“

”اور عظیم آقا مجھے اندازہ تھا اس بات کا کہ میرے بغیر تم مرنا بھی پسند نہیں کرو گے۔ اس لئے میں نے موت سے بھی کہہ دیا کہ خبردار! مجھ تک پہنچنے کی کوشش مت کرنا۔ اور عظیم آقا تم نے مجھے اجازت دی اور میں نے تم سے کہا تھا تاکہ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ واپس آؤں گا تو کچھ نہ کچھ لے کر ہی آؤں گا اور یقین کرو کہ میں ان کا پتہ لگا کر آؤں۔“ اور اس بات کو سن کر کوہالہ اور نادر کے چہرے شدت جوش سے سرخ ہو گئے تھے۔ تب فینٹ نے اپنی کہانی کا آغاز کیا اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ فینٹ پر یقین رکھتے تھے یعنی وہ جو کچھ کہتا ہے غلط نہ کہتا ہو گا اور وہ بے چین تھے کہ فینٹ سے اس بارے میں معلومات حاصل کریں تو فینٹ نے کہا۔

”اور کیا ہی دلچسپ سفر رہا عظیم آقا میرا کہ شاید میں تم سے صحیح انداز میں بیان نہ کر سکوں۔ عظیم آقا میں اس نہر کے راستے تیرتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور یہ نہر بہت طویل ہے لیکن ہمیں اس کی طوالت سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ ہم راستے ہی میں اپنا مقصد لیتے ہیں۔ تو عظیم آقا یوں ہوا کہ میں تیرتا ہوا آگے کا سفر طے کرتا رہا اور خاصی مشکل تھی میری منزل، لیکن دیوتاؤں نے اسے آسان کر دیا اور جب میں وہاں پہنچا یعنی یہاں سے کچھ فاصلے پر اس جگہ جہاں ان کا مسکن ہے اور جہاں وہ لوگ رہتے ہیں یعنی سفید بھیڑیا، تو میں نے وہاں کا ماحول دیکھا۔ اس کے بعد وہاں کا جائزہ لیتا رہا۔ البتہ مجھے ایک ایسی جگہ چھپنا پڑا تھا جو بڑی ہی خراب تھی۔ عظیم آقا میں تمہیں کیا بتاؤں، یوں سمجھو مگر مچھوں کا مسکن تھا اور وہ پانی سے تنگ آکر وہاں خشکی میں بیٹھ جایا کرتے تھے اور جب میں اس علاقے کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو مگر مجھ میرے نزدیک پہنچ گئے اور اس کے بعد میری مجبوری تھی کہ میں وہاں سے فرار حاصل کروں اور میں نے اس جگہ سے پانی میں چھلانگ لگا دی اور غوطہ مارتا ہوا دور تک نکل آیا۔ پھر یوں سمجھ لو کہ میرے اور مگر مچھوں کے درمیان ایک دوڑ شروع ہو گئی تھی۔ میں راستے کے کئی جزیروں پر جاں نرسل نہ ہوتے وہاں تھوڑی دیر تک دوڑ لیتا۔ یہاں تک کہ میں اس دلدل کو عبور کر کے واپس کا سفر طے کرتا ہوا خاصی دور نکل آیا۔“

”لیکن فینٹ کیا تم بھوکے پیاسے یہ عمل کرتے رہے۔“

”نہیں عظیم آقا میں جڑیں اور پرندوں کے اٹھے کھاتا رہا تھا۔“

”اور کسی گھڑیاں یا مگرچھ نے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا؟“

”کیوں نہیں عظیم آقا ایک مگرچھ نے میرا پیچھا کیا تھا لیکن پانی میں، میں بہت تیز اور پھر تلابن جاتا ہوں شاید تمہیں یقین نہ آئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اب سے کچھ وقت پہلے کی بات ہے کہ میں اچک کر ایک مگرچھ کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور چاقو سے اس کی آنکھیں پھوڑ دیں اور چاقو کو اس کی آنکھوں میں اس قدر دور تک پہنچا دیا کہ مگرچھ کے بیچے میں از گیا اور پھر عظیم آقا میں نے یوں کیا کہ اپنے بدن پر مگرچھ کا خون مل لیا تم اسے اب بھی محسوس کر سکتے ہو اور اس کے بعد کوئی مگرچھ میرے قریب تک نہیں آیا کیونکہ شاید وہ مجھے اپنی ہی نسل کا کوئی فرد سمجھ رہے تھے۔“

”خدا کی پناہ تم نے زندگی کو کتنی مشکل میں ڈال دیا تھا فینٹ، لیکن اب ذرا یہ تو بتاؤ کہ وہاں جو کچھ تم نے دیکھا وہ کیا تھا“ اور اس کے بعد فینٹ انہیں ساری تفصیلات بتاتا رہا اس دوران کوہالہ بھی خاموشی سے یہ باتیں سنتی رہی تھی اس نے آنسو بھری آواز میں پوچھا۔

”اور کیا تو ان کی بستی میں بھی داخل ہوا تھا فینٹ۔“

”نہیں میں وہاں تک نہیں پہنچ سکا معزز عورت کیونکہ ان میں جانے کا مطلب یہ تھا کہ میں اپنے آپ کو نمایاں کر دوں اور میرے لئے خطرات پیدا ہو جائیں میں نے کافی فاصلے سے انہیں دیکھا تھا۔“

”تو پھر اب یہ بتا فینٹ کہ ہم وہاں پر آسانی سے سفر کر سکتے ہیں۔“

”آسانی تو خیر اس پورے سفر میں کہیں بھی ممکن نہیں ہے عظیم آقا لیکن بہر حال ہم وہاں جا سکتے ہیں اور اب میں وہاں تمہیں زیادہ آسانی سے لے جا سکتا ہوں۔“ فینٹ کی یہ کوشش جس طرح کارگر ہوئی تھی اس سے نادر کے دل میں انگوں کے کچھ اور چراغ جل گئے تھے گویا تقدیر واقعی اس کی مدد کرنے پر آمادہ ہے یہ تو خیر بعد کی بات تھی کہ چاند زادی کس طرح انہیں حاصل ہوتی ہے اور اس کے حصول کے بعد جس طرح کوہالہ نے کہا کہ ایک مہم کا آغاز ہو گا جبکہ یہ سب کچھ بہت عجیب سا نظر آتا تھا لیکن بہر حال وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے۔ سورج غروب ہوا اور اندھیرا اترنے لگا منصوبے کے مطابق چاند طلوع ہونے کا انتظار کیا جا رہا تھا نرسوں جھنڈ سے انہوں نے دو مرغابیاں پکڑی تھیں، اور

تک یہ یہاں موجود رہیں گے۔“
”لیکن۔“

”لیکن تم فکر مت کرو ہم دیکھ کر آتے ہیں۔“

”لیکن خدا کے لئے ذرا احتیاط سے کام لیتا۔۔۔۔۔“ کوہالہ بولی پھر کچھ وقت کے بعد یہ دونوں آہستہ آہستہ اس طرف چل پڑے اور جب وہ ان سے کوئی بیس گز کے فاصلے پر تھے تو اچانک ہی نادر کا پاؤں پھسل گیا اور وہ ایک چھپا کے کے ساتھ پانی میں جا گرا اس کے پانی میں گرنے کی آواز سن لی گئی تھی، اور وہ ہوشیار ہو گئے تھے فوراً ہی فینٹ نے اپنے منہ پر ہاتھوں کا بھونپو رکھا اور دریائی گھوڑے کی سی آوازیں نکالنے لگا یہ آوازیں بڑی کارگر ہوئی تھیں اور وہ لوگ جو چونک کر اٹھ گئے تھے یہ سمجھ کر کہ پانی کا چھپا کا کسی دریائی گھوڑے نے کیا ہے خاموش ہو گئے اور اس کے بارے میں باتیں کر کے قہقہے لگانے لگے نادر نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا اور چند لمحات تک وہ پانی میں ساکت و جامد رہا اور پھر احتیاط سے رینگ کر نرسلوں کے جھنڈ میں داخل ہو گیا اور یہاں سے ان لوگوں کا زیادہ فاصلہ نہیں تھا سو یہ دونوں نرسلوں کے جھنڈ میں گھس کر ان کی گفتگو سننے کی کوشش کرنے لگے الاؤ کے گرد جو لوگ جمع تھے ان کی تعداد اندازے کے مطابق بیس سے پچیس کے قریب تھی ان میں سے ایک جو یقیناً اس گروہ کا افسر تھا نجانے کونسی نسل کا باشندہ تھا یہ افریقی نہیں تھا باقی لوگ زیادہ تر مخلوط نسل کے افراد معلوم ہوتے تھے ان لوگوں کے پاس شراب کے ڈبے بھی تھے جو لکڑی سے بنے ہوئے تھے اور ان میں سوراخ کر کے شراب نکالی جا رہی تھی اکثر کے دماغ پر شراب چڑھ گئی تھی اور ان کی زبانیں کھل گئی تھیں ان میں سے ایک کی آواز ابھری۔

”نورٹاؤ زمین پر رہنے والا کتا جس نے ہم سب کو مصیبت میں ڈال رکھا ہے یہ کرو کہ وہ کرو ہر وقت مصروف رہو اب ہتاؤ ہم جشن میں شریک نہیں ہو سکیں گے جبکہ یہ لوگ جشن منائیں گے۔“

”ہاں یہ واقعی ایک افسوس کی بات ہے لیکن بہتر ہو گا کہ تم اسے برا بھلا نہ کہو۔۔۔۔۔“

”کیوں نہ کیوں تم خود سوچو دنیا عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہی ہے اور ہم یہاں ان دیرانوں میں جی رہے ہیں۔“

”ان دیرانوں میں جینے کا جو فائدہ ہے اس کا اندازہ تم نہیں لگاؤ گے ویسے مجھے اندازہ

اب وہ یہ سوچ رہے تھے کہ ان کے بھوننے کیلئے آگ جلائی جائے یا نہیں لیکن سب مشتعل فیصلہ ہی رہا کہ آگ نہ جلائی جائے کیونکہ اس کی سرخی اور دھواں دور سے دیکھا جاسکتا ہے اس لئے اس رات کا کھانا خشک گوشت اور پرندوں کے انڈوں پر مشتمل تھا اور ہر اچھا ہی ہوا کہ انہوں نے آگ نہ جلائی بے شک فاصلہ بہت زیادہ تھا لیکن پھر بھی یہاں سفید شیطان کے آدمیوں کی آمد رہتی تھی اندھیرا جب گہرا ہوا تو انہوں نے چپو چلنے کی آوازیں سنیں اور یہ دیکھا انہوں نے کہ بہت سی چھوٹی چھوٹی کشتیاں ان کے جزیرے کے بہت قریب سے گزر رہی تھیں ان کشتیوں کی تعداد کا وہ انداز نہیں لگا سکتے تھے ایک لمبی قطار تھی اور ہر قطار کے پیچھے کوئی چیز بندھی ہوئی تھی وہ لوگ باتیں کرتے اور قہقہے لگاتے جا رہے تھے ان لوگوں نے دم سادہ لیا اور یہ اندازہ بھی نہیں ہونے پا رہا تھا کہ نورٹاؤ اور گروہ میں شامل ہے یا نہیں، تاہم انہوں نے اپنی سانسیں تک روک رکھی تھیں تاکہ کسی اندازہ نہ ہو سکے اور وہ نرسلوں کے ایک جھنڈ میں اپنے آپ کو چھپائے ہوئے تھے تب انہوں نے دور سے دیکھا کہ تھوڑے ہی فاصلے سے وہ لوگ گزر رہے ہیں اور ایک دوسرے سے کچھ کہتے جا رہے ہیں خطرہ یہ ہوا کہ اس جزیرے پر کوئی رک نہ جائے چنانچہ نادر نے مدہم آواز میں کہا۔

”فینٹ کیا خیال ہے کیا ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں۔“

”عظیم آقا اگر ہم اسی طرح دیکے رہے تو انہیں ہماری موجودگی کا علم نہیں ہو گا کون جانے کتنی دیر یہاں ٹھہریں گے بہتر ہو گا کہ ہم یہیں ٹھہرے رہیں البتہ ایک ترکیب لے سو جی ہے۔“

”کیا۔۔۔۔۔“ نادر نے سوال کیا اور فینٹ اسے آہستہ آہستہ کچھ بتانے لگا اس کے بعد نادر خاموش ہو گیا تھا وہ نسبتاً بلند مقام پر تھے جبکہ وہ لوگ جن کا تعلق یقینی طور پر سفید بھیڑیے یا نورٹاؤ سے تھا کسی قدر نشیب میں تھے اس لئے نادر اور فینٹ الاؤ کے کنارے دیکھ سکتے تھے اور ان کی آوازیں بھی سن سکتے تھے وہ یہاں کھانا کھا رہے تھے اور اس کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا جب ایک گھنٹہ گزر گیا تو نادر اور فینٹ بھی اٹھ گئے فینٹ نے آہستہ سے کہا۔

”ٹھیک ہے عظیم آقا ہم چلیں۔“

”کہاں۔۔۔۔۔“ کوہالہ نے آہستہ سے پوچھا۔

”ذرا ان لوگوں کے بارے میں کچھ اندازہ تو لگایا جائے کہ کون لوگ ہیں اور کتنی

”نہیں خطرے کو ہمیشہ ذہن سے دور نہیں رکھنا چاہئے اور ضروری ہے کہ خطرے سے بچا ہی جائے۔“

”چلو مجھے کچھ دو۔۔۔۔۔“ دوسرے نے کہا۔

”ہاں لو یہ اسکے نام پر۔۔۔۔۔“ شاید کوئی جام بڑھایا گیا تھا۔

”کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم نیلام سے پہلے پہنچ جائیں۔“

”ممکن نہیں ہے۔“ وہ لوگ نجانے کیا کیا گفتگو کرتے رہے کبھی تو وہ اس حسین لڑکی کے حسن کی تعریف کرتے اور جو تعریفیں وہ کر رہے تھے وہی تعریفیں نادر اور فینٹ نے کہا کہ زبان سے سنی تھیں اور انہیں یقین ہو گیا تھا کہ یہ ساری باتیں میشل کے بارے میں ہی کہی جا رہی ہیں بہر حال وہ لوگ اپنی بکواس کرتے رہے اور پھر شراب کے نشے نے سب کو بے خبر کر دیا انہوں نے یہاں کوئی پہرہ وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی کیونکہ ظاہر ہے ان کے علاوہ یہاں اور کون آ سکتا تھا اور اگر کوئی غیر متعلق شخص اس طرف کا رخ بھی کرتا تو دیوانے کے سوا اسے اور کیا کہا جا سکتا تھا پھر اچانک ہی فینٹ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے سرد لہجے میں نادر کے کان کے پاس منہ کر کے کہا۔

”چیف اگر اجازت ہو تو۔۔۔۔۔“ اس نے ایک ہاتھ اپنی گردن پر پھیرا اور نادر کسی سوچ میں ڈوب گیا جو تصور فینٹ کے ذہن میں آیا تھا نادر نے بھی ایک لمحے کیلئے اس کے بارے میں سوچا تھا لیکن یہ ایک خطرناک حرکت ہوتی اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ نشے میں تھے اور اس وقت ان کی موت بڑی ہی آسان تھی لیکن نادر یہ کام کر کے کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا اور پھر ہوش اور بے بس پڑے ہوئے لوگوں کا قتل، اس کے لئے کوئی خوشی کی بات نہیں تھی دیے بھی وہ قتل و غارت گری کی دنیا سے دور کا انسان تھا وہ تو امن و سکون کا آدمی تھا اس لئے یہ سب کچھ کرنا بھی ذرا مشکل ہی کام تھا اس نے فینٹ کو روکتے ہوئے کہا۔

”فینٹ ابھی اس کی ضرورت نہیں پیش آئی اور پھر یہ لوگ ہمارے لئے بے خبر رہیں بے شک ان کا تعلق سفید بھیریے سے ہے لیکن ابھی ان کے ہاتھوں ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا انسانوں کی زندگی اس قدر ارزاں نہیں ہوتی کہ ان کو اتنی آسانی سے موت کے قریب پہنچا دیا جائے بہتر ہے کہ اس سلسلے میں خاموشی ہی اختیار کرتے رہو۔“

”تو پھر ایسا کیوں نہ کریں کہ ہم انہیں ان کی کشتیوں سے محروم کر دیں۔“

”مطلب۔“

ہے کہ تمہارے دماغ کو شراب چڑھ گئی ہے اور پھر ہمیں جشن کے بارے میں بھی علم ہے کہ ابھی تو اس میں کافی وقت ہے کم از کم چار دن مصروفیت میں گزریں گے پہلی بات ہے کہ کشتیاں تیار نہیں ہیں اور دوسری یہ کہ برطانیہ کے جہاز قریب ہی منڈلا رہے ہیں فہم سمجھے ان برطانیہ والوں سے ہمارے کام میں مسلسل دخل اندازی کرتے رہتے ہیں۔“

”لیکن ان کالوں کو کشتیوں میں لادنے کو کون جشن کہتا ہے۔۔۔۔۔“ ایک اور شخص نے کہا۔

”مگر اس بار جو نایاب ہیرا ہمیں دریافت ہوا ہے اس کی قیمت تو کچھ عظیم ہو گی اور لوگو تم میں سے کسی کے دل میں یہ خواہش نہیں ابھری کہ اسے چھو کر دیکھیں آہ وہ کتنے سفید ہے کس قدر حسین ہے وہ جب اس کے بال ہوا میں اڑتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے آسمان کی پریاں رقصاں ہو گئی ہوں آہ کاش مجھے صرف اسے ایک بار چھو کر دیکھنے کا موقع مل جائے۔“

”لیکن میں اس مہم میں شریک نہیں جب ٹورناڈو اس لڑکی کو لے کر آیا تھا آخر وہ آہ کہاں سے ہے کیا ٹورناڈو کا سفر آسمانوں تک ممکن ہو گیا ہے اس نے وہیں سے اسے پکڑا ہے۔“

”نہیں وہ اسی زمین کی باشندہ ہے اور ہاتھی دانت کے تاجر کی بیٹی ہے۔“

”اف کیا حسن پایا ہے ظالم نے، کیا آنکھیں ہیں، کیا رنگ ہے، کیا روپ ہے، اور کب حسین لگتی ہے وہ جب اس کی آنکھیں آنسوؤں سے صاف ہو جاتی ہیں۔“

”اس کی آنکھوں میں آنسو ہوں تب بھی وہ بہت خوبصورت لگتی ہے بس یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ننھے ننھے چمکدار پتھر کسی آبشار سے گر رہے ہوں۔“

”مگر یہ نیلام آخر ہے کب۔“

”پہلے تو یہ طے ہوا تھا کہ کشتیوں کے روانہ ہونے سے ایک دن پیشتر یہ نیلام کا جائے گا لیکن ٹورناڈو کا کہنا ہے کہ نیلام بہت جلد کر دیا جائے اور میں جانتا ہوں کہ اس کے لیے کیوں کہا ہے۔“

”کیوں کہا ہے۔۔۔۔۔“ دوسرے نے سوال کیا۔

”وہ اس لڑکی سے خوفزدہ ہے اور نجانے کیوں ٹورناڈو کے دل میں یہ احساس ہے کہ اس لڑکی وجہ سے کوئی مصیبت بھی نازل ہو سکتی ہے۔“

”بڑی بیوقوفی کی بات ہے جس جگہ ہم قیام پذیر ہیں وہاں مصیبت کا کیا واسطہ۔“

دشنامہ قدم تھا اور اس وقت بھی آن کی آن میں اس نے اپنے مد مقابل کو ختم کیا اور ریختا ہوا پتلی سے تار کے پاس پہنچ گیا تار اسے حیران نگاہوں سے دیکھ رہا تھا پھر وہ سرسراتی آواز میں بولا۔

”کیا تو نے اسے ختم کر دیا۔“

”مجبوری تھی عظیم آقا۔۔۔۔۔ بالکل مجبوری تھی۔۔۔۔۔ اور میں اسے ختم نہ کرتا تو یقین کر دہ چیتے ہی والا تھا۔۔۔۔۔ آؤ جلدی آؤ اس کی موت کا ماتم کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔۔۔۔۔ بلکہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے یہاں سے نکل چلو۔۔۔۔۔“

اور تار نے گہری سانس لی اور فینٹ کے ساتھ وہاں سے آگے بڑھ گیا۔
بہر حال یہ سب کچھ تو کرنا تھا۔۔۔۔۔ اب اتنا تو ممکن نہیں تھا کہ وہ ہر ایک کے لئے اس انداز میں سوچے۔۔۔۔۔ اس طرح ان کی اپنی زندگی خطرے میں پڑ جاتی۔۔۔۔۔ لیکن بہر حال فینٹ کی شخصیت ابھر کر سامنے آگئی تھی یعنی وقت پڑنے پر وہ ایک انتہائی خونخوار انسان ثابت ہو سکتا تھا۔

پھر وہ آگے بڑھتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں کوہالہ بے چینی سے ان کا انتظار کر رہی تھی اس نے ان لوگوں کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو تار نے کہا۔

”اور اب ضروری ہے کہ ہم وقت ضائع کئے بغیر یہاں سے آگے بڑھ جائیں۔“

”کیا تم نے ان لوگوں کو قریب سے دیکھا۔“

”نا صرف قریب سے دیکھا بلکہ ان میں سے ایک کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔“ تار نے جواب دیا اور کوہالہ چونک پڑی۔

”آؤ کیا واقعی۔۔۔۔۔ یہ تو میرے لئے ایک خوشخبری ہے مجھے ان شیطانوں سے اتنی نفرت ہے کہ اگر کوئی ذریعہ میرے ہاتھ آ جائے تو میں ان سب کو خاک و خون میں لپیٹ دوں۔“ کوہالہ نے دانت پس کر کہا۔

”وہ سب خاک و خون میں لپٹ جائیں گے تم ذرا جلدی سے یہ سامان لپیٹو اور یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو۔“

پھر جب وہ اپنی چھوٹی سے کشتی کو پانی میں اتار رہے تھے تو فینٹ نے تار سے کہا۔

”ایک بہت بڑی غلطی ہو گئی عظیم آقا۔۔۔۔۔ اور ہم اس پر افسوس کریں گے۔“

”کیا۔۔۔۔۔“ تار نے کشتی کا چپو سنبھالتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔ اور جب کشتی تھوڑی سی آگے بڑھی تو فینٹ نے کہا۔

”تم سمجھتے ہو عظیم آقا کہ یہ لوگ ہمارا تعاقب بھی کر سکتے ہیں اور اتنے لوگ اگر اس جگہ قید ہو کر رہ جائیں تو کیا ہی عمدہ بات ہوگی ظاہر ہے وہ جگہ جو میں دیکھ کر آیا ہوں اتنا قریب نہیں ہے کہ ان کی حد کو کوئی آسانی سے یہاں پہنچ سکے۔“

”ہاں یہ تدبیر خاصی بہتر ہے۔۔۔۔۔“ تار نے اس سے اتفاق کیا ابھی انہیں یہاں سے آگے بڑھنا تھا اور ان میں سے اگر کچھ لوگ جاگ گئے اور انہیں کسی قسم کا شبہ ہو گیا تو وہ ان کا تعاقب کر سکتے تھے یہ الگ بات ہے کہ اگر انہیں ان کشتیوں سے محروم کر دیا جائے تو ان کا کام زیادہ آسان ہو سکتا تھا چنانچہ اس فیصلے پر آخری غور کرنے کے بعد وہ سانپ کی طرح ریختے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں خوفناک لوگوں کی کشتیاں درخت کے تنوں سے بندھی ہوئی تھیں، کئی بڑے ڈونگے تھے جن میں ان لوگوں کے ہتھیار اور کھانے پینے کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں لیکن اس وقت انہوں نے ان چیزوں کا لالچ کرنے کی بجائے، چاؤ نکال کر رسہ کاٹ دیا کشتیوں کو دھکیل کر دور کر دیا چند ہی سیکنڈ کے بعد کشتیاں دھارے میں پہنچ چکی تھیں اور ہماؤ کے ساتھ ساتھ ہمہ کردہ اندھیرے میں غائب ہو گئی تھیں اس طرف سے فرصت حاصل ہوئی تو وہ ریختے ہوئے واپس ملے اور اس جگہ پہنچ گئے جہاں وہ لوگ ابھی بھی گہری نیند سو رہے تھے لیکن پھر ایک حادثہ ہو گیا تار تو اپنے صحیح راستے پر چلے ہوا کوہالہ کی جانب جا رہا تھا اور احتیاط کے پیش نظر اس نے زمین پر رینگ رینگ کر ہی شروع کیا تھا اور یہی کیفیت فینٹ کی بھی تھی لیکن نجانے کیا ہوا فینٹ یا تو تاریکی میں گم طور پر دیکھ نہ پایا یا پھر تھوڑا سا راستہ بھٹک گیا وہ ریختا ہوا سونے والے شخص سے ٹکرا گیا اور وہ حیرانی سے اٹھ کر بیٹھ گیا تھا غالباً یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ ونٹی چیز کیا ہے کیا کوئی دریائی گھوڑا اس تک پہنچ گیا ہے اور اس سے پہلے کہ وہ فینٹ کو دیکھ کر پہنچنے کی کوشش کرے فینٹ ہوشیار ہو گیا اور دوسرے لمحے اس نے اپنے چھوٹے چھوٹے لیکن مضبوط ہاتھوں سے اس شخص کی گردن کو پکڑ لیا اور اسے زور سے دبائے لگا تار دہشت زدہ ہو کر رک گیا تھا بے شک وہ لوگ نشے میں بھی تھے اور سو رہے تھے لیکن لحوں کے اندر ان کی آنکھ کھل سکتی تھی اور کسی خطرے کو سر پر دیکھ کر بھلا نشہ کہاں قائم رہتا ہے اور اس کا نتیجہ بڑا ہمایاک نکل سکتا تھا لیکن فینٹ جو کچھ کر رہا تھا چند لمحوں کے بعد تو وہ ان کی سمجھ میں نہیں آیا البتہ اس نے جب بالکی سی غرغراہٹ سنی جس میں موت کی آواز شامل تھی تو وہ سنبھل گیا اور اس کے بدن میں ایک عجیب سی سنسنی دوڑ گئی ایک بار پہلے ہی فینٹ ایک شخص کو قتل کر چکا تھا اور جس طرح اس نے اس کو قتل کیا تھا وہ ایک

”وہ کیا۔۔۔۔۔؟“

”بس آقا ہمیں آسانیاں حاصل ہو جائیں۔“

”جو گزر گیا اسے بھول جاؤ۔“

”لیکن تم نے مجھے نہیں بتایا کہ واقعہ کیا ہوا ہے۔“

”واقعہ یہ ہوا ہے کہ ہالہ کہ ہم نے ان کی کشتیاں پانی میں بہا دی ہیں اور اب تو وہ ہالہ کے بہاؤ پر اتنی دور نکل گئی ہوں گی کہ وہ یہ تصور نہیں کر پائیں گے کہ ان کی کشتیاں کہاں گئیں۔“

فینٹ نے قلعہ لگایا اور کہنے لگا۔۔۔۔۔ ”ان کشتیاں میں ان خونخوار لوگوں کا ہتھیار اور کھانے پینے کی دوسری اشیاء تھیں ہم نے رسیاں کاٹ کر ان کشتیوں کو دھار پر دھکیل دیا۔۔۔۔۔ اور اس چھوٹے سے جزیرے پر بے شمار افراد سو رہے ہیں۔ جن میں صرف ایک ایسا ہے جو کبھی بیدار نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ لیکن وہ سب سے بہتر ہے۔“

”کیوں۔۔۔۔۔“ کوہالہ نے پوچھا۔

”اس لئے کہ وہ جب بیدار ہوں گے تو کیا دیکھیں گے معزز لوہالہ کے وہ ایک چھو-
سے جزیرے پر تنہا کھڑے ہیں کشتیاں اور کھانے پینے کا سامان غائب ہے او ان کے چار
طرف گمراہ گمراہ پانی ہے۔ لیکن وہ اس پانی میں اتر کر تیرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ کیا
کہ میں جو کچھ دیکھ چکا ہوں وہ مجھ سے پہلے وہ سب کچھ دیکھ چکے ہیں اور اسے دوبارہ
کی ہمت نہیں کر سکیں گے کیوں کہ یہاں بے شمار مگر مجھ ہیں اور پھر انہیں جزیرے پر کھانا
کو کچھ نہیں ملے گا۔۔۔۔۔ کیوں کہ ان کی بندوقیں تو کشتیوں میں بسے گئیں اور تم
مرغابیاں اتنی بے وقوف نہیں ہوتیں کہ ان شیطانوں کے پیشوں کے قبرستان میں
ہونے کے لئے خود بخود ان کے قریب آ جائیں۔۔۔۔۔ اور پھر کیا ہو گا“ فینٹ نے
تقمہ لگایا اور بولا۔

”اور معزز عورت وہ پاگلوں کی طرح چیخیں گے لیکن کوئی ان کے قریب نہیں آئے گا کوئی ان کی مدد کو نہیں آئے گا۔۔۔۔۔ یہاں تک کہ بھوک ان لوگوں کو پاگل کر دے گی اور پھر وہ ایک دوسرے پر جھپٹ پڑیں گے کیا خیال ہے کیا تمہارے دل میں جو آرزو تھی وہ اس شکل میں پوری نہیں ہو جائے گی اس طرح وہ ایک ایک کر کے مرجائیں گے اور جو بچ رہیں گے وہ پانی میں کود پڑیں گے بعض ڈوب کر مرجائیں گے اور کچھ کو مگر مجھ کھالیں گے۔۔۔۔۔“ فینٹ نے ایک ایسا بھیانک نقشہ پیش کیا کہ نادر کا دل مل گیا۔۔۔۔۔ لیکن بہر حال وہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ ایک حقیقت تھی جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تاہم ان حقیقتوں کو نظر انداز کرنے کے بعد اب انہیں اپنے آنے والے وقت کے بارے میں سوچنا تھا جس کے لئے کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ کیا ہو۔

وہ اس جزیرے سے کافی دور نکل آئے اور جزیرہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔۔۔۔۔
یہاں تک کہ وہ رفتہ رفتہ سفر کرتے رہے اور دن کی روشنی نمودار ہونے لگی۔۔۔۔۔ پھر
جب وہ ان راستوں سے گذر کر کافی فاصلے پر پہنچ گئے تو انہوں نے دیکھا کہ سورج کی روشنی
آہستہ آہستہ نمودار ہوتی جا رہی ہے اور انہیں ایک ایسی کھاڑی نظر آئی جس میں کشتیاں
رکھے کے لئے پہلے سے جگہ بنی ہوئی تھی۔ یعنی اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ ایک ایسی جگہ پہنچ
گئے جسے یہ کہا جاسکتا تھا کہ یہ سفید بھٹیڑے کا ممکن ہو۔

”انہوں نے اپنی کشتی کو اس جانب بڑھا دیا اور نادر نے اس سے پوچھا۔

”فینٹ تیرا کیا خیال ہے کیا یہی وہ جگہ ہے جس کے بارے میں تو کہتا ہے۔“

”ہاں عظیم آقا اور چونکہ ہم دھارے سے بہہ رہے تھے اس لئے رفتار بہت زیادہ تیز ہو گئی کہ ایک شخص کو حیر کر کسی جگہ پہنچنے میں بہت وقت لگتا ہے لیکن اسے نہیں جو کسی ایسی کشتی میں سوار ہو جس میں ہم سفر کر رہے ہیں۔“

تادر نے گہری سانس لی اور بولا۔

”اگر یہ جگہ ان لوگوں کا مسکن ہے تو پھر ہمیں بت ہو سیار ہو جانا چاہئے کیونکہ یہاں اطراف میں لوگ ہو سکتے ہیں۔“

”ممکن ہے عظیم آقا اور میں اس سے انکار نہیں کرتا۔“

انہوں نے یہ سوچا کہ جاگنے والے تو اس وقت جاگتے ہوں گے جب سورج پوری طرح روشن ہو جاتا ہے اور اس موقع سے انہیں فائدہ اٹھانا چاہئے چنانچہ جلدی سے انہوں نے اس کشتی کو ایک ایسی جگہ باندھا جہاں دوسری بہت سی کشتیاں بھی رسوں سے باندھی

فیصلہ کروں اور کیا نہ کروں مجھے تو یہ دیوتا ہی معلوم ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اور دیوتا ہی ہر وہ عمل کر لیتے ہیں جو انسانوں کے بس سے باہر ہو۔“

”جوڑھی کوہالہ کا بولنا اس دنت نادر کو برا لگ رہا تھا اس کی نگاہیں یہ جائزہ لے رہی تھی کہ فینٹ کیا کر کے آتا ہے اور یہ بات تو وہی جانتا تھا کہ سمندری جہاز میں جس شخص کا اپنی ماں کے ساتھ ان سے ٹکراؤ ہوا وہ کوئی دیوتا نہیں ہو سکتا یہ الگ بات ہے کہ اس نے اپنے بارے میں تمام تفصیلات بتا دی تھیں کہ وہ اسی علاقے کا باشندہ تھا جہاں یہ لوگ سڑ کر رہے تھے۔۔۔۔۔ اور یہاں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جانتا تھا۔۔۔۔۔ اور ایک عمل کا آدمی تھی جو ہر خطرے میں کود پڑتا تھا۔۔۔۔۔“

اور پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ انہیں فینٹ دوڑتا ہوا آتا نظر آیا۔۔۔۔۔ وہ ماحول سے اس قدر بے پرواہ ہو چکا تھا کہ اب جھاڑیوں کی آڑ لے کر یہاں تک نہیں آ رہا تھا بلکہ اس کے ہونٹوں سے ہنسی پھوٹی پڑ رہی تھی۔۔۔۔۔ اور وہ اس تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا کہ جیسے مٹین لگی ہو اس کے پیروں میں۔۔۔۔۔ اور ان کے پاس پہنچنے میں اس نے دیر نہ لگائی پھر اس نے کہا۔

”کوئی نہیں ہے عظیم آقا۔۔۔۔۔ جب انسان کو شامت گھیرتی ہے تو وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ ان علاقوں میں آنے کے بعد سفید بھیڑیے نے ہر قسم کے حفاظتی اقدامات نظر انداز کر دیئے ہیں اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ بھلا یہاں کون آ سکتا ہے یہ تو اس کی مملکت ہے اور کیا خوب مملکت ہے عظیم آقا۔۔۔۔۔ ذرا دیکھو تو سہی کافی دلد میں جھنجھٹاتے ہوئے پھر اور ٹرڑتے ہوئے مینڈک۔۔۔۔۔ واہ۔۔۔۔۔“ فینٹ نے پھر ایک تہقہ لگایا کوہالہ اور نادر مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”اور عظیم آقا ہمارے لئے انہوں نے اس بند مکان میں جو کچی مٹی اور گھاس پوس سے بنا ہوا ہے بہت کچھ چھوڑا ہے ذرا آؤ تو سہی ذرا دیکھو تو آقا کیا ہی عمدہ لوگ ہیں واہ۔۔۔۔۔“

”کیا ہے وہاں۔۔۔۔۔“

”نہیں آقا میرے کہنے سے کچھ نہیں ہو گا۔۔۔۔۔ ذرا آؤ۔۔۔۔۔“ اور وہ ان دونوں کے ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگا۔۔۔۔۔ نادر بھی مسکرانے لگا تھا اور کوہالہ بھی اور ہر حال اب ماحول ایسا تھا کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی خوشی ہو بس خوش ہونے کیلئے کوئی خاص بات ضروری نہیں تھی کہ غلوں سے اتنا آگے گئے تھے کہ بس ہنسنے کا کوئی بہانہ ہی نہیں ملتا تھا اور وہ اس

ہوئی تھیں۔ گویا اگر کوئی اسے دیکھے تو یہ نہ کہہ سکے کہ اس میں ایک کشتی کا اضافہ ہے۔ پھر وہ اپنی جگہ سے نیچے اترے اور تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد انہیں ایک ایسا جگہ نظر آئی جو مٹی اور گھاس پھوس سے بنائی گئی تھی اور انہوں نے اپنے آپ کو جھاڑیوں میں پوشیدہ کر لیا کہ جھاڑیوں کے جگہ جگہ اگے ہوئے جھنڈ انہیں محفوظ رکھ رہے تھے۔۔۔۔۔ جب انہیں کوئی آواز کوئی سرگوشی نہ سنائی دی اور دور دور تک انہیں کوئی نشان نہ آیا تو نادر نے فینٹ سے کہا۔

”تیرا کیا خیال ہے فینٹ وہ جگہ جہاں سفید بھیڑیے کا مسکن ہے یہاں سے کتنے فائدہ پر ہو گی۔“

”تم اونچی پہاڑ کی دیوار کو دیکھ رہے ہو عظیم آقا بس اس کے دوسری طرف نہ بھیڑنا اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ رہتا ہے گویا ہمیں صرف اتنا سفر طے کرنا ہے اور جھاڑیاں وہاں تک پہنچنے میں ہماری مدد کریں گی۔“

”یہاں شاید کشتیوں کے محافظ رہتے ہوں گے۔۔۔۔۔“ نادر نے کہا۔

”ہو سکتا ہے مگر چھوڑو بہت دیر ہو گئی ہمیں یہاں اور ہم وقت ضائع کرنے کے باوجود شوقین نہیں ہیں۔ اگر تم مجھے اجازت دو تو میں ذرا جا کر اس مکان میں جھانکوں۔“

”کیا یہ خطرناک نہیں رہے گا۔“

”ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ لیکن پھر بھی تمہاری اجازت ضروری ہے عظیم آقا۔“

”احتیاط سے اگر تو چاہے تو یہ بندوق لے سکتا ہے۔“

”نہیں عظیم آقا بندوق سے زیادہ مضبوط میرے پاس یہ چاقو ہیں۔ یہ میرے کام آتے ہیں۔۔۔۔۔“ فینٹ نے کہا اور اس کے بعد وہ جانوروں کی طرح چلتا ہوا اس مٹی اور

گھاس پھوس سے بنے ہوئے جھونپڑے کی جانب بڑھنے لگا وہ نہایت چالاکی سے قریب جوار میں لگی ہوئی جھاڑیوں کا سارا لے رہا تھا اور یہ اس کے لئے بڑی ہی اچھی بات تھی جھاڑیاں اتنی وافر تعداد میں تھیں کہ انہوں نے فینٹ جیسے دیوبیکل کو با آسانی اپنے اندر لے لیا تھا اور پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ اس مکان کی آڑ میں غائب ہو گیا۔

نادر اور کوہالہ خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔۔۔۔۔ کوہالہ نے آہستہ سے کہا۔

”یہ شخص مجھے پراسرار قوتوں کا مالک معلوم ہوتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ وہ لوکاں دیوتا نہیں ہے لیکن اگر تم کبھی لوکاں کی عبادت گاہ میں جاؤ اور اس سبکی بت کو دیکھو تو سمجھو گے کہ یہ شخص چہرین کر کھڑا ہو گیا ہے آہ میں ابھی تک اسی شکل کا شکار ہوں کہ

بھی بھی پنہ کی بات آئی اس کے دل میں اپنا ماضی گردش کرنے لگا اور مسکراہٹ غلوں کے سائے میں آجاتی۔۔۔۔۔ لیکن وہ لمحات بڑے دلچسپ تھے۔ اس نے ایک لباس نادر کی طرف بڑھانے ہوئے کہا۔

”اور اگر مجھے بھی خوش ہونے کا موقع دینا چاہو میرے پیارے دوست تو اسے اپنے بدن پر پہن لو، اس میں یہ لباس بہت سے عیب اور بہت سی خوبیاں چھپا لیتا ہے۔۔۔۔۔ یعنی چلنے ڈھالے لباس کے نیچے کچھ بھی چھپا لو اور پھر درحقیقت وہ لوگ جو یہاں نظر آئے، ان میں سے میں نے بہت سے لوگوں کے جسموں پر ایسا لباس دیکھا گویا اس لباس کا استعمال یہاں عام ہے اور عظیم آقا تم پر تو یہ خوب ہی سچے گا ذرا دیکھو۔۔۔۔۔ اور فینٹ نے ایک لباس نادر کی طرف بڑھایا۔۔۔۔۔ وہ مونے اون کا عربی لباس تھا اور درحقیقت اس جسامت کا کہ نادر کے بدن پر فٹنے تک مکمل تھا۔ کمر میں باندھنے والا پٹہ اور اس کے بدن پر سجانے والے ہتھیار، پھریوں انہوں نے سارے کام کئے اور عورت کا کوئی لباس یہاں موجود نہیں تھا۔ پتہ نہیں کیوں۔۔۔۔۔ حالانکہ یہاں عورتیں بھی ہوں گی۔۔۔۔۔ اور فینٹ نے یہ سوال بھی کر ڈالا۔۔۔۔۔“

”عظیم آقا کیا ان لوگوں کے ہاں عورتیں نہیں ہوتیں۔۔۔۔۔؟“

”مگر یہاں بھلا عورتوں کا کیا وجود۔۔۔۔۔ اگر ہوتی بھی ہوں گی تو ان کے کڑلوں میں جال وہ عورتوں کے ساتھ رہتے ہیں۔“

”ہاں یہ ٹھیک ہے۔“

وہ ساری چیزیں ان کے لئے مناسب تھیں انہوں نے اپنے قبضے میں لے لیں اور مونے کے سکے بڑی احتیاط سے نادر نے اپنے لباس کے اندر پوشیدہ کر لئے کہ اسے دولت کی طلب تھی اور شاید یہ سکے کسی مناسب وقت کام آسکیں اور یہاں کھانے پینے کی جو اشیاء تھیں انہیں بڑی احتیاط کے ساتھ استعمال کیا گیا۔ اس طرح کہ نادر راکٹل لے کر باہر کھڑا ہو گیا کہ کوئی اگر نظر آئے یا تو اسے ختم کر دے یا اندر آواز دے دے کہ کوئی آ رہا ہے۔۔۔۔۔ اور باقی ذمہ داری اس نے ان دونوں کے سپرد کر دی تھی۔ چنانچہ کھانے پینے کی اشیاء میں سے بہت عرصے کے بعد کچھ ایسی چیزیں تیار کی گئیں جو یہ لوگ کھانا بھول گئے تھے یعنی سفر کے دوران اور جب خوب شکم سیری ہوئی اور بہترین کافی کی پیالیاں پی گئیں تو انہیں زندگی ایک نئے انداز میں گلنے لگی۔۔۔۔۔ اور اب وہ بالکل چست و چالاک تھے اور دلچسپ بات یہ تھی کہ اس طرف کسی کا گذر بھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ اب انہیں ان

مکان کے دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔۔۔۔۔ وہاں کھانے پینے کا کافی سامان موجود تھا۔ بھنا ہوا گوشت، بکٹ، سلاخ، نارنگیاں اور کیلے اس کے علاوہ ایسے ڈرائی فروٹس جو پلاسٹک کے تھیلوں میں پیک تھے۔ گویا سفید بھیرڑیے نے غلاموں کی خریداری کے لئے آنے والوں کو ہدایت کر دی تھی کہ جب وہ مذہب بستیوں سے آئیں تو اس کے لئے وہ تمام چیزیں لائیں جو ان دیران آبادیوں میں نہیں ملتیں۔ یعنی کافی کی شیشیاں، خشک دودھ، چائے کی پتی اور میٹھا کرنے کیلئے شکر اور یہ سب کچھ یہاں موجود تھا اور برتن بھی تھے۔۔۔۔۔ پھر دوسری چیز ہتھیار، یعنی تیز دھار تلواریں جو چمڑے کے لباس پہنے ہوئے تھیں، راکٹلیں، چوڑے چوڑے کھانڈے جنہیں طاقتور لوگ استعمال کرتے تھے اور جن میں سے بعض بہت ہی بڑے بڑے تھے۔ پھر بازو کی پٹیاں اور جو سب سے بڑی چیز تھی یہاں، وہ کپڑوں سے بھرے ہوئے بکس تھے جنہیں فینٹ نے کھول دیا اور ان میں سے کپڑے نکال نکال کر اپنے بدن پر سجانے لگا تا صرف یہ بلکہ اس کے ساتھ ہی سونے کے سکوں کے چمڑے کی تھیلیاں بھی تھیں جنہیں پیٹیوں کے ذریعے کمر سے باندھ لیا جاتا ہے۔۔۔۔۔ فینٹ نے کہا۔

”ذرا دیکھو معزز عورت بڑی ماں اور تم بھی جو ان آدمی، کیا یہ لباس میرے بدن پر فٹ نہیں ہے۔۔۔۔۔ اور واقعی مونے کپڑے کا ایک ایسا لباس جسے شاید آدمی چٹلون کے طور پر استعمال کیا جاتا ہو گا لیکن ایک چوڑے چمڑے کے آدی کیلئے اور واقعی وہ فینٹ کے بدن پر بالکل فٹ تھا اور فیض بھی بالکل اس کے ناپ کی تھی۔ جب وہ لباس فینٹ نے اپنے بدن پر سجا یا تو سنجیدہ رہنے والی عورت یعنی کوبالہ کے حلق سے بھی ایک پر زور تہقہ نکل گیا اور نادر بھی ہنسا۔ پھر وہ پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنسنے اور فینٹ خوشی کی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔“

”اور اس لباس کی قیمت کوئی میرے دل سے پوچھے جو رونے والوں کو ہنسا دیتا ہے واہ کیا ہی عمدہ بات ہے۔۔۔۔۔ اور پھر فینٹ نے لباس پر ایک چوڑی پٹی باندھی اور ہنس کر کہنے لگا۔“

”مجھے تو خوشی ہے اس شخص پر، اور شاید میں اسے اپنے ہاتھوں سے قتل نہ کر سکوں جس کا یہ لباس ہے اور اس کا پورا لباس میرے بدن کے مطابق۔ ذرا دیکھو تو عظیم آقا۔۔۔۔۔ یہ پٹیں بھی جس میں پستول لٹکا ہوا ہے میری کمر پر فٹ آ جاتی ہے اور میں تو بہت ہی خوش ہوں۔۔۔۔۔“

نادر ہنستا رہا اور واقعی اسے اپنی ہنسی پر خود بھی تعجب تھا کہ عموماً یہی ہوتا تھا کہ جب

یہ تھا سفید بھیڑیے کا مسکن۔۔۔۔ اور اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ اگر اس کیلئے کوئی باقاعدہ منصوبہ بندی کی جاتی تو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہر حال آگے کا منظر کچھ مختلف تھا۔۔۔۔ یہ جگہ تین حصوں میں منقسم تھی اور ہر حصے کو ایک دیوار دوسری دیوار سے جدا کرتی تھی۔۔۔۔ ان تینوں حصوں میں وہ حصہ جو مشرق کی طرف تھا اصلی جگہ تھی یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ پورے کیپ کا مرکز۔ اس حصے میں پھوس کی چوکور چھت والی ایک لمبی عمارت کھڑی ہوئی تھی جو بانسوں، لکڑی کے چوڑے چوڑے تختوں اور کہیں کہیں چکنی مٹی سے بنائی گئی تھی۔ اس عمارت کے سامنے مغرب کی طرف کھلا میدان یا مہن تھا اور اس مہن کے فرش کو بڑا سخت اور ہموار بنا دیا گیا تھا۔۔۔۔ گویا یہاں مزدوروں سے اس جگہ کو مکمل کرنے کا کام بھی لیا گیا تھا۔۔۔۔ پھر اس کے بعد دور اور جگہیں نظر آ رہی تھیں۔ یہ بھی بانسوں کے بڑے بڑے سائبان بنے ہوئے تھے جو چاروں طرف سے تو کھلے ہوئے تھے لیکن ان کی دیواریں نہیں تھیں۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں ایک چوڑا چبوترہ بنا ہوا تھا اور چبوترے پر غالباً خرید و فروخت ہوتی تھی۔ گویا مہمان سامنے کے راستوں سے سمندری راستے سے گزر کر اس کھاڑی میں داخل ہوتے اور یہاں سے اس جگہ پہنچتے اور پھر اپنی پسند کے انسان خرید لئے جاتے۔

یہ دور جو جدید دور کہا جاسکتا ہے اور جس میں نجانے کیا کیا سائنسی آسائشیں انسان کو حاصل ہو چکی ہیں اس جگہ زمانہ قدیم کی وہی شکل پیش کرتا تھا جب غلاموں کی باقاعدہ تجارت ہوا کرتی تھی اور انسانوں میں ایک نسل ایسی بھی تھی جو جانوروں سے بدتر۔۔۔۔ ہر حال کچھ اور عمارتیں اس سے الگ نظر آ رہی تھیں ان میں ٹین کی چھتیں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ بارود خانہ تھا اور ان عمارتوں کے ارد گرد جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں اور یہ جھونپڑیاں گویا مہمان خانے تھے جس میں آنے والے تاجر ٹھہرا کرتے تھے اور بقیہ جھونپڑیوں میں مقامی لوگ۔۔۔۔ یعنی سفید بھیڑیے کے اپنے ساتھی۔ اور گھوڑے بھی نظر آ رہے تھے۔

اور کتنے ہی خوفناک راستوں سے گزار کر ان گھوڑوں کو یہاں تک لایا جاتا ہو گا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر جانور اپنے راستے کا عادی ہو جاتا ہے۔

دوسرا احاطہ غالباً ان لوگوں کیلئے تھا جہاں گرفتار شدہ غلام رکھے جاتے تھے۔ اس عمارت میں کوئی اور عمارت نہ تھی البتہ پھوس کے کئی سائبان یا جاڑے نظر آ رہے تھے جہاں غلاموں کی خرید و فروخت کی جاتی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ یہ سائبان بہت لمبے لمبے

طویل سے گزرتا تھا۔۔۔۔ اور یقینی طور پر آگے جانے کا ایک مناسب راستہ ضرور ہوا جس سے صرف وہی لوگ واقف ہو سکتے تھے جو یہاں سے گزرتے ہوں گے لیکن جیسا کہ قینٹ نے بتایا کہ وہ بھی سخت مشقت کر کے بالآخر ان کیڑوں تک پہنچ چکا ہے تو فیصلہ وقت بہترن رہنا ثابت ہوا۔ دن آہستہ آہستہ گرم ہوتا جا رہا تھا۔۔۔۔ وہ لوگ وہاں کے اور مناسب انتظامات کرنے کے بعد جھلسا دینے والی گرمی میں آگے کا سفر طے کر گئے لیکن ایک بات ان کیلئے بڑی دلدوز اور شرمندگی کا باعث تھی۔۔۔۔ اب تک وہ ان کے جن راستوں سے بھی گزرے تھے وہاں انہیں نرسوں کے جھنڈوں میں پکڑے جا والے افراد کی لاشیں اور ہڈیاں پڑی ہوئی ملیں۔۔۔۔ اور ان راستوں پر قدموں کے شمار نشانات تھے اور یوں لگتا تھا جیسے قافلے ادھر سے گزرتے رہتے ہوں، مخمروں اور گھوڑوں کے قدموں کے نشانات بھی واضح تھے اور اتنے گہرے تھے کہ یہاں سے بہت کم وقت ایک قافلہ گزرا ہے۔

بالآخر طویل سفر طے کیا گیا۔۔۔۔ اور جب سورج غروب ہونے کے لئے تیار تھا انہوں نے دور سے دیکھا کہ وہ کیرال ان کی نگاہوں کے سامنے بکھرے ہوئے ہیں، چم علاقہ بے حد وسیع تھا۔ ایک طویل و عریض علاقے میں جو یقینی طور پر اس جزیرے کا حصہ تھا۔ تقریباً کافی حصہ خشک تھا جس پر انسان آرام کر سکتا تھا، باقی حصے نرسوں سے ڈھکے ہوئے تھے اور نرسوں سے ڈھکی ہوئی دلدل شمالی اور مشرقی ساحلی حصوں سے گھری ہو کر عمارتوں کے اس جھنڈ تک چلی گئی تھی، جس کے تین طرف گرمی چکنی دلدل تھیں۔۔۔۔ اور بلاشبہ یہ جگہ ایسی تھی کہ اگر بہت سے جنگی جہاز بھی اس طرف نکلے تو دور سے تو گولہ باری کر سکیں لیکن انہیں عبور نہ کر سکیں اور سفید بھیڑیے نے اپنے کیا عمدہ جگہ منتخب کی تھی۔۔۔۔ گویا اس نے ایک مضبوط قلعہ بنا لیا تھا جس میں کسی ممکن نہیں تھا۔

دہی سہی کسر انسانوں نے پوری کر دی تھی۔ غلاموں کے کیپ جگہ جگہ نظر آتے تھے اور ایک سر درمیان سے گزر رہی تھی جس کے کنارے یہ کیپ بنائے گئے تھے چھ کہ یہ سر زیادہ گرمی بخور چوڑی نہیں تھی۔۔۔۔ لیکن اس کی تہ میں کچھ اتنی گرم تھی کہ اسے عبور کرنا ناممکن ہی ہو جائے۔۔۔۔ اور سر کے دوسرے کنارے ایک خطہ تھا لیکن اس خطے پر بھی چڑھنا ممکن نہیں تھا کیونکہ اس کی ڈھلان اور

الترتیب کی بدترین خاردار جھاڑیاں لگی ہوئی تھیں۔

اور بڑے تھے اور ان میں ایک سرے سے آخری سرے تک آہنی سلاخیں یا کھونٹے گڑے ہوئے تھے اور ان کھونٹوں میں زنجیریں پڑی ہوئی تھیں اور ان زنجیروں سے انسانوں کو باندھا جاتا تھا جو اس وقت تک آہنی زنجیروں میں قید رہتے جب تک کہ فروخت نہ ہو جاتے۔

بہر حال یہ پوری جگہ ایسی تھی کہ انسان اپنے ذہن پر قابو نہ پاسکے، وہ نہر جو درمیان سے گزر رہی تھی اس پر لکڑی کا ایک ایسا پل تھا جسے ضرورت کے وقت اٹھا دیا جاتا ہوگا۔۔۔۔۔ یہ پل غلاموں کے احاطے کے عین سامنے تھا اور اس کے تحفظ کیلئے ایک بچہ سی دیوار بنی ہوئی تھی۔۔۔۔۔ پھر وہ دروازہ تھا جس پر خاردار جھاڑیاں تھیں۔ اس طرح سفیر بھیڑیے نے ان کی حفاظت کا انتظام بھی کر لیا تھا۔

اور یہاں چند افراد بھی نظر آرہے تھے جن کے ہاتھوں میں رانٹھلیں موجود تھیں۔ لہذا وہ لاپرواہی سے یہاں موجود تھے۔۔۔۔۔ اس میں ان پرے داروں کی دیے تو یہاں ضرورت نہیں تھی لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زندگی سے تنگ آئے ہوئے وہ لوگ جنہیں گرفتار کر کے ان کی بستیوں سے لایا جاتا تھا کبھی سر اٹھانے کی کوشش کریں تو ان پر الگ اور موت برسا دی جائے۔

یہ ساری حفاظتی تدبیریں غلاموں کی بغاوت کے خوف سے کی گئی تھیں، کیونکہ یہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں شاید ہی کوئی دشمن پہنچ سکے۔ یہاں یہ الگ بات ہے کہ گھر کے رے والے ہی اگر کبھی گھر کو برباد کرنے پر تل جائیں تو صورتحال خراب ہو جائے اور ان صورتحال کی خرابی کیلئے یہ تمام انتظامات کئے گئے تھے۔

”کیا بنی بھیا نک جگہ ہے نادر نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔ وہ سب اتنے کم سن کہ نادر کی بات کا کسی نے جواب نہیں دیا تھا۔ ان کی نگاہیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں اس شذر تھیں۔۔۔۔۔ یوں ایک طویل خاموشی نے کچھ دیر کیلئے ماحول پر اپنا تسلط قائم کر لیا یوں لگ رہا تھا جیسے طلسمی باب کھل گیا ہو اور انسان زندگی کے اس جادو کے سامنے بسی سے کھڑا خلاف پر نگاہیں جمائے ہوئے ہو۔۔۔۔۔“



یہ تینوں جس جگہ موجود تھے اسے ایک محفوظ پناہ گاہ نہیں کہا جاسکتا تھا اور کسی لمحے دیکھ لئے جانے کا خطرہ موجود تھا اور یہاں پہنچ کر انہیں جو طلسمی سرزمین نظر آئی اسے دیکھ کر ان کے ہوش و حواس رخصت ہوئے جا رہے تھے اور اس عظیم الشان کارخانے

جیات میں وہ اپنے آپ کو بالکل اسی طرح پاتے تھے جیسے وسیع و عریض سمندر میں کوئی کشتی ہزار کے بغیر ہچکولے کھا رہی ہو۔ ساحل کو تسخیر کرنا ان کیلئے ناممکن نظر آ رہا تھا اور یہ سب کچھ دیکھ کر تینوں ہی کے حوصلے پست ہو گئے تھے جس کا اظہار ان کے چروں سے ہوتا تھا اور وہ سقاط تھے اور ہوا ان پر سے گزر رہی تھی لیکن جب ان تمام مناظر کو دیکھ کر نادر جیات کی آنکھیں بند ہو گئیں تو بند آنکھوں کے سامنے ایک جھولا سا جھولنے لگا جس طرح ایک گھومنے والے چرنے کے مختلف مناظر آنکھوں کے سامنے سے گزرتے ہیں اسی طرح مختلف تصویریں نادر جیات کی آنکھوں سے گزرنے لگیں۔ یوسف جیات، قیصر جیات، فرخندہ اور وہ طنز کرنے والے، جو اب یہ سوچتے ہوں گے کہ اس طرح یوسف جیات کی کہانی ختم ہوئی کہ اس کی شاندار حویلی غیروں کے قبضے میں آگئی وہ خود مر گیا اور اس کے بیٹے دنیا سے رخصت ہو گئے یا پھر نہ چھپا کر کسی ایسے گوشے میں جا بیٹھے، جہاں سے اب ان کی واپسی ممکن نہ ہو اور دفعتاً ہی نادر کی بند آنکھیں کھل گئیں۔ ان آنکھوں میں خون کی سرخی لہرا گئی تھی۔ ان دونوں میں سے کوئی نہ سن سکا لیکن خود نادر کے کانوں نے اپنی آواز سنی۔

”ایسا تصور اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ موت میرے چاروں طرف تاریکی نہ بکھیرے دے میں کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتا اور یہ سب کچھ جو میرے سامنے ہے، زندگی کا ایک ایسا مظاہرہ ہے جس کی مثال ممکن نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اپنی ذات کیلئے تو ہزاروں غم پال لئے جاتے ہیں اور ہر غم انسان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ وہ دنیا کا مظلوم ترین آدمی ہے لیکن یہ سیاہ اور سفید لوگ جو ان درندوں کے قیدی ہیں کیا زندگی گزار رہے ہیں؟ کم از کم میری زندگی آزاد تو ہے موت کا استقبال بھی کروں گا تو کھلی فضاؤں میں اور وہ جن کے پیروں میں غلامی کی زنجیریں پڑی ہوئی ہیں اور شاید وہ خوبصورت لڑکی جس نے اپنے ارمانوں کے تاج محل بنائے ہوں بالکل فرخندہ کی طرح اور وہ اس وقت بے یار و مددگار ہے کہ اسے کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے اور وہ حسن کی دیوی اس کی غلامی کرے گی اپنی مرضی اور اپنے مزاج کے مطابق سو ایسے کسی نیک کام کیلئے جان کی بازی کیوں نہ لگا دی جائے جس سے کم از کم اور کچھ نہ ہو تو روحانی سکون تو ملے اور یہ توقع ہو کہ ان نیکیوں کے عوض شاید کوئی کام بن جائے اور اگر اس کوشش میں موت بھی آ جائے تو کم از کم یہ دکھ نہ رہے کہ ایک ناکامی کی موت حاصل ہوئی، دیے تو صحرائے اعظم افریقہ کے کسی بھی ایسے حادثے سے دوچار ہوا جاسکتا تھا مثلاً خوفناک درندے مثلاً کالا بخار یا پھر زہریلی کھیتوں کے کاٹنے سے واقع ہونے والی موت۔ موت کا تصور بھی اگر اپنی مٹھی

”نہ تو کالا ہے نہ بد صورت۔۔۔۔ اور فینٹ کی آنکھوں میں ایک لمحے کیلئے نمی آئی
لیکن سیاہ نام دیوزاد رونہ نہیں جانتا تھا چنانچہ آنکھوں میں آجانے والے پانی کو اس نے فوراً
واپس آنکھوں میں دھکیل دیا اور اس کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ کوئی ایسی مناسب جگہ
تلاش کریں جہاں سے وہ اس ماحول کا بہتر طریقے سے جائزہ لے سکیں۔ وہ راستہ جس پر یہ
تینوں چل رہے تھے انہیں اس نہر پر لے آیا۔ جو انتہائی شمال میں تھی یہ نہر سب سے بڑی
تھی اور اس سے دوسری نہریں نکلی گئی تھیں اور تاحہ نگاہ یہ نہر پھیلی ہوئی تھی پھر اس کا
ایک حصہ اس دروازے کے عین سامنے نظر آیا جو اس عظیم الشان رہائش گاہ کو دور بھی
مضبوط بنا رہا تھا لیکن ہو سکتا ہے کہ ایسا شخص ان کے قریب نکل آئے جو یہاں موجود
لوگوں کو زیادہ سے زیادہ جانتا ہو اور پھر وہ ان سے ایسے سوالات نہ کرے جن کا وہ اطمینان
بخش جواب نہ دے سکیں اور ایسا کوئی خطرہ مول لینا بھی ممکن نہیں تھا پھر جب وہ دروازہ
تھوڑے فاصلے پر رہ گیا تو اچانک ہی فینٹ نے ایک جانب اشارہ کیا اور نادر اور کوہالہ نے
اوجھڑ دیکھا تو انہیں لمبی لمبی جھاڑیاں نظر آئیں اور وہ ان جھاڑیوں کو محفوظ سمجھ کر ان میں
داخل ہو گئے یہاں تک کہ ان جھاڑیوں کا سہارا لے کر جن کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا وہ
اس نہر کے عین کنارے پر پہنچ گئے تو فینٹ نے کہا۔۔۔۔

”عظیم آقا میرا خیال ہے ہم مناسب جگہ آگئے ہیں اور دیکھو وہ اس طرف سفید
بھڑیے کا گھر ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں آغا کماں سے کرنا چاہئے۔“
”ابھی ذرا بہتر ہے کہ ہم یہاں کا بھرپور جائزہ لے لیں یہاں تک کہ جس حفاظت کے
ساتھ پہنچ گئے ہیں وہ اگر ہم خود بھی اس پر غور کریں تو ایک ناقابل یقین عمل معلوم ہوتا
ہے لیکن جب غیبی قوتیں ہماری مدد کر رہی ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آگے بھی ہمارے
لئے بہتری کے راستے ہیں یہ زیادہ مناسب ہے کہ پہلے ہم مطمئن ہو جائیں کہ کہاں سے گیا
کریں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ افریقہ کے ظالم ترین لوگوں کی بستی ہے اور اس پر قبضہ کرنا
آسان نہیں ہو گا یعنی صرف تین افراد کیلئے جن میں سے ایک عورت ہے خیر یہ تو ساری
بات اپنی جگہ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہی جگہ ہمارے لئے مناسب ہے دوسری
بات یہ کہ اگر ہم یہاں سے کوشش کریں تو کیا صرف اس لڑکی کو یعنی جس کا نام میش ہے
نکالا جائے باقی بھی تو ہماری امداد کے مستحق ہیں۔۔۔۔ نادر سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے
کہا۔۔۔۔“

”نہیں یہ سب ہمارے لئے اتنے ہی محترم ہیں جتنی میش اور میں کسی بھی طرح

میں آجائے تو کیا ہی دلچسپ بات ہوگی اور اس احساس نے اس کے دل و دماغ میں آگ
روشن کر دی۔ انتقام جوش اور کچھ کر ڈالنے کی آگ تو اس نے نئی نگاہوں سے سامنے کے
ماحول کو دیکھا اور پھر ان دونوں سے کہا۔

”دیو قامت فینٹ، اور معزز عورت، اب تجھے ایک بوڑھی اور ناکارہ عورت نہیں
کہوں گا کہ اب تک کے سفر میں تو نے جس قدر ہمت اور مردانگی کا ثبوت دیا ہے وہ ناقابل
یقین ہے اور ایسا کہ اگر کسی سے کہا جائے تو وہ تسلیم نہ کرے! اگر تم یہ سب کچھ دیکھ کر
بدحواس ہو گئے ہو تو اپنی اس بدحواسی کو اپنے ذہنوں سے نکال پھینکو ہم جانتے ہیں کہ اتنے
عظیم الشان گروہ کو قبضے میں کرنا مشکل ہے لیکن ہم تو اپنی کوششیں کرنے کیلئے آئے ہیں
اور سنو معزز کوہالہ، اور میرے عظیم دوست فینٹ، میں تم لوگوں سے صرف اتنا کہوں گا کہ
انسان کے عزم کے آگے سمندر بھی زیر ہو چکے ہیں اور اپنی وہ روایات کھو بیٹھے ہیں اور
ایسا ہی خلاؤں میں ہوا ہے کہ جدید دور میں تم نے دیکھا کہ آسمان پر پرندے اڑتے رہتے
ہیں اور ان کے ساتھ انسان بھی، اور سمندر کی گہرائیاں اب انسانی نگاہوں سے دور نہیں
ہیں تو وہ انسان ہی تو ہیں اور ہم بھی انسان ہیں سو کوشش کر لیتے ہیں۔ عقل اور ذہانت سے
کام لے کر اور ایسی منصوبہ بندی کرتے ہیں کہ کچھ ہو جائے ہاں اس پر مشورہ ضروری
ہے۔ چنانچہ پہلا عمل ہمارا یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے لئے محفوظ جگہیں تلاش کریں۔ ان
دونوں نے چونکی ہوئی نگاہوں سے نادر کو دیکھا پھر بوڑھی کوہالہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ
پھیل گئی اس نے کہا۔

”بہت بڑے اور عظیم دل کے مالک ہو تم نوجوان، درحقیقت میں اپنی محبتوں کا وزن
کرنے لگی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کیا ان حالات کو دیکھ کر میں اپنا عزم برقرار رکھ سکوں
گی لیکن تمہارے الفاظ نے میرے اندر نئے حوصلے جگا دیئے ہیں۔“

”اور عظیم آقا میرے بارے میں تو تم سوچنا ہی چھوڑ دو اب یوں سمجھو کہ میں
تمہارے وجود کا تیسرا ٹکڑا ہوں یعنی ایک تم ایک ہم دونوں کا دوست اور ہمارا بھائی جو اب
بظاہر اس دنیا میں نہیں ہے لیکن اس کی روح ہمارے جسموں میں سرایت کر گئی ہے اور اگر
تم اس کالے سیاہ فام اور بد صورت انسان کو اپنے وجود کا ٹکڑا تسلیم کرو تو میں یعنی فینٹ
میں وہی کچھ سوچوں گا جو تم سوچو گے اور اس سے ذرا بھی الگ نہیں ہوں میں کیونکہ اب
میری کائنات میں تمہارے سوا اور کچھ نہیں ہے۔۔۔۔ نادر اس شخص کے الفاظ سے بہت
متاثر ہوا تھا۔ اس نے فینٹ کا ہاتھ پکڑ کر اسے چوتے ہوئے کہا۔۔۔۔

اس نئے منصوبے پر ذہن دوڑانے کے بعد فینٹ نے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”یہ درخت خاصا گھنا اور بلند ہے اگر مناسب ہو تو اس پر چڑھ کر ہم یہاں کا بھرپور طریقے سے جائزہ لیں بلکہ اسی کو اپنی پناہ گاہ بنائیں جو بہتر رہے گی اور اس بات کو بھی دونوں نے پسند کیا تھا چنانچہ عورت کو سہارا دے کر درخت کی ایک ٹہنی پر پہنچایا گیا اور تنے کا فاصلہ طے کر کے باقی سفر اس نے خود ہی کیا اور ایسی گھنی جگہ حاصل کر لی جو محفوظ بھی تھی یعنی کچھ ایسی شاخیں جو آپس میں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں اور کسی انسان کو گرنے سے بچانے میں معاون ثابت ہو سکتی تھیں۔ کوہالہ کو سب سے محفوظ مقام پر پہنچایا گیا۔ اور اس کے بعد نادر اور فینٹ بھی درخت پر چڑھ گئے اور گھنی ٹہنیوں کے پیچھے سے انہوں نے دوسرے مناظر دیکھنے کا فیصلہ کیا تو نیچے پورا کیپ گویا نقشے کی طرح بکھرا ہوا تھا اور وہ شاخوں سے لپٹے اشارہ کر کے ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر رہے تھے یعنی ان کا محل وقوع دیکھا جا رہا تھا اور یہ اندازہ لگایا جا رہا تھا کہ کام کس طرح مناسب ہو سکتا ہے۔ وسیع و عریض احاطے میں لوگ گھوم پھر رہے تھے۔ ان کا تعلق دنیا کے مختلف ملکوں سے تھا۔ ان کے جسموں کے لباس بھی مختلف تھے اور یہ سب کالے پرندوں کی تجارت کرتے تھے۔ یعنی وہ انسان جو ان کے قیدی تھے۔ خاصی بڑی تعداد تھی ان لوگوں کی اور وہ زندگی کے ہر عیش سے لطف اندوز ہوتے تھے یقینی طور پر انہیں ہر طرح کی آسائش اسی جگہ حاصل ہو جاتی تھیں پھر وہ لوگ ادھر ادھر نگاہیں دوڑاتے رہے اور زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اچانک ہی کوہالہ کی سرد آواز ابھری ادھر دیکھو۔“

”کیا ہے کوہالہ۔“ نادر نے سوال کیا۔

”آہ وہی ہے وہی سفید بھینٹا دیکھو وہ جو بڑی شان سے باہر آ رہا ہے۔“

تب ان کی نگاہیں اس جانب اٹھ گئیں وہ اسے غور سے دیکھنے لگے۔ درحقیقت اگر کسی بھینٹے کو انسانی شکل دے دی جائے یعنی کسی بھینٹے کا چہرہ اور انسان کا جسم تو اس وقت سفید بھینٹا وہی نظر آ رہا تھا اور جس نے بھی اس کا نام سفید بھینٹا رکھا کیا خوب رکھا چنانچہ وہ اپنی جگہ سے نکلا اور ان قیدیوں کا معائنہ کرنے لگا جو زندگی سے محروم مصیبتوں کا شکار تھے اور اس کی نگاہیں ان کا جائزہ لیتی رہیں پھر دفعتاً ہی ہتھیل کا ایک بڑا سا برتن بجایا گیا اور وہ چونک کر دیکھنے لگے پھر اندازہ ہوا کہ بڑے بڑے برتن لائے جا رہے ہیں غالباً ان محل قیدیوں کیلئے کھانا جا رہا تھا۔ کھانا لانے والے کے ساتھ جو برتن اٹھائے ہوئے تھے

صرف ایک لڑکی کی بازیابی کی کوشش نہیں کروں گا کیونکہ میں چانتا ہوں یہ ایک گناہ ہوگا اور میں گناہ نہیں کرنا چاہتا۔ انسان تو سب یکساں ہی ہوتے ہیں۔ دفعتاً فینٹ نے اپنے پر ہاتھ سے طبلہ بجاتے ہوئے کہا۔

”مقدس آقا اور معزز عورت ایک اور تصور میرے ذہن میں آیا ہے آہ کیا ہی عجب بات ہے لیکن محنت طلب۔۔۔۔۔ وہ دونوں اس کی صورت دیکھنے لگے اور فینٹ اپنے خیال پر مسکرانے لگا پھر اس نے کہا۔“

”عظیم آقا تم نے بالکل ٹھیک کہا یہ سب ہی ہماری توجہ اور مدد کے مستحق ہیں لیکن یہ بھی تم نے کہا کہ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر دنیا کا کوئی کام نہیں ہوتا تو کیا یہ اپنی آزادی کیلئے ہاتھ پاؤں نہیں ہلائیں گے۔“

”مطلب۔۔۔۔۔ نادر نے سوال کیا۔۔۔۔۔“

”اگر ہم انہیں اپنی مدد پر آمادہ کر لیں اور انہیں بتائیں کہ ہم ان کی آزادی کیلئے یہاں پہنچے ہیں تو کیا یہ سب کچھ مناسب نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ نادر نے حیرت سے فینٹ کو دیکھا ت و کوہالہ بھی اس طرح اسے دیکھنے لگی جیسے کالے آدی کا دماغ خراب ہو گیا ہو پھر آہستہ سے بولی۔۔۔۔۔“

”چھوٹے ہاتھی تیرا مطلب کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔“

”زرا غور کرو بوڑھی عورت اگر ان غلاموں کو کسی طرح آزادی دے کر ان کے ہاتھوں میں اسلحہ تھا دیا جائے تو کیا ان خطرناک لوگوں سے مقابلہ کرنے والے تین آدی ہوں گے نہیں بلکہ یہ سب جو زندگی کے خواہشمند ہوں گے ہمارے ساتھی ہوں گے اور وہ کیا ہی عمدہ ترکیب ہے۔۔۔۔۔ نادر ہنسنے لگا پھر بولا۔

”تو کیا تو اسلحہ کا بہت بڑا ذخیرہ لے کر آیا ہے اپنے ساتھ۔۔۔۔۔“

”ارے نہیں مقدس آقا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے مگر کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ ان سب کے پاس اسلحہ موجود ہے۔۔۔۔۔ نادر گہری نگاہوں سے فینٹ کو دیکھنے لگا اور پھر ان نے کہا۔

”لیکن اس کا حصول۔“

”اصل کوشش اسی کے لئے کی جائے تو بہتر رہے گا اور عورت نے کہا۔“

”لیکن یہ تو بہت طویل منصوبہ ہوگا۔۔۔۔۔“

”جلد بازی اچھی نہیں ہوتی اور ہمیں سوچ سمجھ کر ہی کام کرنا ہوگا۔۔۔۔۔ تو پھر

دوسرے آدمی بھی تھے جو لمبے لمبے چڑے کے ہنزلے ہوئے تھے اور پھر وہ اس خندق کے کنارے پہنچے جو اس علاقے کو غلاموں کے علاقے سے جدا کرتی تھی وہاں کھڑے ہوئے انہوں نے آوازیں دیں اور وہ پل گرانے کیلئے کہا جس پر سے گزر کر وہ غلاموں کے علاقے میں پہنچ سکتے تھے۔ پھر یہ تمام مناظر ان کی نگاہوں کے سامنے آتے رہے اور انہوں نے دیکھا کہ ان قیدیوں کو بالکل جانوروں کی طرح کھانا دیا جا رہا ہے نجانے کیا چیز تھی ان کھانے میں پھر اچانک ہی کچھ گڑبڑ ہوئی اور کھانا دینے والوں نے اپنے ہاتھ روک لئے۔ دینے والوں نے برتن پیچھے کئے اور کچھ باتیں کرنے لگے پھر ایک اور دیویدیکل شخص بھوری نسل کا تھا دریائی گھوڑے کی کھال کا ہنزلے نمودار ہوا اور زمین پر پڑے ہوئے ایک قیدی پر ہنزر سارے لگا۔ زمین پر پڑا ہوا قیدی جسے وہ لوگ صرف ایک کالے دیے شکل میں دیکھ سکتے تھے بے حس و حرکت تھا یعنی چڑے کے ہنزلے سے جس شخص کے جسم جنبش نہ ہوئی ہو اس کی کیا کیفیت ہے سو پھر دیکھا کہ انہوں نے اس کی زنجیریں کاٹیں اور ان میں سے ایک نے اس کی ٹانگ پکڑ کر اسے گھسیٹا اور پھر وہ اس اونچے پٹے پر اُڑا اور اس پٹے کی ڈھلان پر چوٹی سے پانی تک کا چھوٹا سا پلیٹ فارم جس کے عین نیچے ایک بہت بڑی اور گہری نہر بہہ رہی تھی۔ انہوں نے اس قیدی کو پلیٹ فارم سے نہر میں ڈال دیا تھا اور ان تینوں کی آنکھیں کرب سے بند ہو گئیں گویا ایک شخص کو زندگی سے محروم دیا گیا تھا لیکن کچھ ہی لمحوں کے بعد فینٹ نے کہا۔۔۔۔۔

”اور وہ وقت آگیا ہے عظیم آقا جب ہم انہیں فنا کر دیں گے لیکن ٹھنڈے دل والے ٹھنڈے دماغ سے کام لے کر۔۔۔۔۔ نادر نے خونی نگاہیں اٹھا کر فینٹ کو دیکھا اور کہا۔۔۔۔۔“

”ان کی زندگی ہر حالت میں ختم ہونا ضروری ہے۔ اور کہہ دینے والے الفاظ تو بہت آسان ہوتے ہیں اور کرنا بے حد مشکل۔ یہ بات سبھی جانتے تھے۔ عارضی طور پر جو کثیف نادر کے دل پر طاری تھی اس نے خود ہی تھک تھک کر سلا دیا بنیاد یہ تھی کہ وہ جانتا تھا کہ کام آسان نہیں ہے اور جو کچھ ان کی نگاہوں نے دیکھا تھا اس کے بعد تو یہ مشکل تھا کہ آسانی سے کام کیا جاسکے اور سوچنا بے حد ضروری تھا۔ پھر بہت دیر سوچنے کے بعد نادر نے کہا۔۔۔۔۔“

”فینٹ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اس سے ہمیں یہ اندازہ تو ہوتا ہے کہ ہم آسانی سے ان حالات پر قابو نہیں پاسکتے پھر ایسا کیا جائے کہ ہم ایک طویل منصوبہ بندی کریں جو

ہم سوچ رہے ہیں اس کا سوچنا بے حد آسان ہے لیکن کرنا بے حد مشکل ہے۔۔۔۔۔“

”سچ کہا تم نے عظیم آقا۔۔۔۔۔“

”اور معزز خاتون تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے۔۔۔۔۔“

”میں صرف ایک بات جانتی ہوں اپنے آپ کو بے بس نہیں کہتی تم اگر مجھ سے کہو کہ میں ہاتھ میں تمہاری بندوق لے کر ان لوگوں کے درمیان چلی جاؤں اور ان پر دھماکے کر دوں تو میں اس کے لئے اسی وقت تیار ہوں نتیجے میں میری جان ہی جائے گی، میں کم از کم یہ تو سوچوں گی کہ اپنی آقا زادگی کی زندگی بچانے کیلئے میں نے اپنی زندگی قربان کر دی لیکن ان تمام چیزوں کو دیکھ کر میرا ذہن خود یہ سوچنے سے قاصر ہے کہ بھلا یہ کیسے ہوگا۔۔۔۔۔“

”اور صرف تین افراد۔۔۔۔۔ فینٹ نے کہا۔“

”نہیں تم مجھے ان میں تلاش نہ کرو۔“

”تو پھر میرا فیصلہ یہ ہے فینٹ کہ معزز خاتون کہ یہیں چھوڑ دیا جائے۔ ایک طویل عرصے کیلئے اور یہ کوشش کی جائے کہ ہم لوگ کسی طرح ان میں شامل ہوں کام آہستہ آہستہ ہی ہوگا اور یہ سب آسان نہیں ہے۔۔۔۔۔“

”معزز آقا اگر مناسب سمجھو تو ذرا تنہائی میں مجھ سے گفتگو کر لو۔“

”تنہائی۔“

”ہاں۔“

”یعنی اس معزز عورت کے بغیر۔“

”ہاں۔“

”تم مجھے بے ضرر پاؤ گی کوئی ایسی بات نہ سوچو دیے بھی یہاں میں زندگی کی انتہا تک پہنچ چکی ہوں بھلا یہاں سے کہاں جاؤں گی۔۔۔۔۔“ اور بات ان لوگوں کی سمجھ میں آگئی جو کوہالہ نے کسی تو فینٹ کہنے لگا۔“

”دیکھو آقا یہ تو ایک سچائی ہے کہ ہم نے جو اتنی کوشش کی ہے اس میں ہمارا ایک مقصد بھی شامل ہے یعنی کوہالہ کے ذریعے اس مقام تک پہنچنا جہاں سے ہمیں دولت حاصل ہو اور اس کے بعد عظیم آقا ایسا کرنا ہے ہمیں کہ اس معزز عورت کی زندگی بچانا بے حد ضروری ہے اور اس کا مقصد پورا کرنا بھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی ہمیں اس سفید بھڑیلے کو اس روئے زمین سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روانہ کرنا ہے کیا خیال ہے

”نہیں ابھی نہیں البتہ ایک بات میں کتنا چاہتی ہوں۔“

”کیا۔۔۔؟“

”یہ کہ تم لوگ ایک طویل وقت کیلئے مجھ سے جدا ہو رہے ہو تو ایک بات کا فیصلہ کر۔“

”ہاں بولو۔“

”تم میں سے جس کو بھی جس وقت بھی موقع ملے گا یہاں اس درخت پر آئے گا اور مجھے صورت حال سے آگاہ کرے گا۔“

”اس کا وعدہ ہے بلکہ یہ ضروری ہے کہ ہم لوگوں کو ایک دوسرے کی زندگی کی خبر رکھنے کیلئے اس درخت سے رابطہ قائم کرنا چاہئے۔“

”یعنی عظیم آقا میں یہاں آؤں تو نہ صرف اس معزز عورت کی خیریت معلوم کروں بلکہ یہ بھی بتا جاؤں کہ میں خیریت سے ہوں۔“

”ہاں۔“

”اور تم آؤ تو۔“

”میں بھی۔“

”ٹھیک ہے۔“

”پھر تھوڑا سا وقت انتظار کر لو اس کے بعد ہم اپنے اپنے مقصد کیلئے روانہ ہوں گے تو پھر جب رات گہری ہوتی چلی گئی اور اب انہوں نے محسوس کیا کہ قرب و جوار میں تمام لوگ سو رہے ہیں اور احساس انہیں مستقل ہو رہا تھا کہ بے شک یہاں پہرے داری بھی ہے اور باقی تمام انتظامات بھی مکمل ہیں لیکن پھر بھی تھوڑی ہی لاپرواہی برتی جاتی ہے یعنی یہ کہ وہ سوچتے ہیں کہ کوئی غیر متعلق آدمی کبھی یہاں آہی نہیں سکتا اور حقیقت تو یہی تھی کہ ان دلدلوں کو اور خوفناک راستے کو عبور کر کے وہ یہاں تک پہنچتے تھے اس طرح تو کوئی بھی اس طرف کو نہیں آ سکتا تھا ہاں وہ دریائی راستہ جو سمندر کے ذریعے یہاں تک پہنچتا تھا اور سنگائی کی تیز رفتار ندی ضرورت مندوں کو یہاں تک پہنچاتی تھی اور سارے کا سارا ان کے ذہن اور ان کے علم میں تھا اور ساری توجہ پہرے داری کی اسی جانب کی جاتی تھی جب خوب رات گہری ہو گئی تو وہ دونوں بوڑھی عورت کو خدا حافظ کہہ کر درخت سے نیچے اتر آئے۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا اور دو مختلف سمتوں میں چل پڑے۔ ٹارنے وہ رخ اختیار کیا تھا جو بیرونی نہر کے ساتھ کنارے کنارے جھاڑیوں سے ہوتا ہوا

تمہارا۔۔۔۔“

”بالکل ٹھیک کہتے ہو تم۔۔۔۔“

”تو اب سوچو کہ جیسا کہ تم نے کہا کہ ہمیں ایک طویل منصوبہ بندی کرنی ہوگی۔“

”بالکل اور میں یہ چاہتا ہوں فینٹ کہ یہاں کھانے پینے کی تمام اشیاء جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہیں اس درخت پر محفوظ کر دی جائیں اور اس وقت تک کے لئے کوہالہ کو اپنی حفاظت خود کرنے کی ذمہ داری سونپی جائے جب تک کہ ہم کوئی موثر منصوبہ بندی نہ کر لیں۔“

”میں اس کے لئے تیار ہوں۔۔۔۔“ کوہالہ نے کہا۔

”تمہیں یہاں اپنا تحفظ کرنا ہوگا۔“

”ہاں میں کروں گی۔“

”اور اس لئے بھی کہ اپنی آقا زادی کو تم یہاں سے لے کر جاؤ۔“

”بے شک۔۔۔۔ عورت نے جواب دیا۔“

”تو پھر کیا تم اس کی ذمہ داری لیتی ہو کہ تم یہاں اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکو گی۔“

”میں مکمل اس کی ذمہ دار ہوں۔“

”اور خود بھی زندہ رہو گی۔“

”ہاں ایسا ہی ہوگا۔“

”تو پھر ٹھیک ہے اچھا فینٹ اب صورتحال یہ ہے کہ اپنی اپنی ذہانت آزمائی جائے مطلب یہ کہ میں ایک الگ سمت کا رخ کروں اور تم الگ سمت۔ اور اس طرح ہم اپنے اپنے طور پر کوشش کریں۔ تمہارا منصوبہ یہ ہونا چاہئے کہ اپنے آپ کو جس طرح بھی ممکن ہو غلاموں میں لے جاؤ یعنی ان قیدیوں میں جو یہاں سے فرار چاہتے ہیں اور اس طرح کی زندگی کی بازی لگا دیں۔ یہ کام تم کس طرح کرتے ہو یہ تم جانتے ہو۔۔۔۔۔“

”عظیم آقا نے اگر یہ ذمہ داری مجھے سونپی ہے تو میں اسے آخری سانس تک نبھانے کی کوشش کروں گا۔ لیکن تم۔۔۔۔۔“

”میں الگ راستوں پر جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے کیا کر

سکتا ہوں۔۔۔۔۔“

”میں اس کے لئے خلوص دل سے تیار ہوں عظیم آقا۔“

”اور کوئی ایسی رائے جو معزز عورت تو دینا چاہتی ہو۔“

لے تھے اور انہی سے وہ اپنا کام کرنا چاہتا تھا اور یہ خنجر اس نے اس طرح اپنے لباس میں پوشیدہ کر لئے تھے کہ اگر اس کی تلاشی لی جائے تو بڑی مشکل سے دستیاب ہو سکیں پھر جو لباس اس نے پہنا ہوا تھا وہ بھی اس کے لئے بڑا کارآمد تھا اور کالے فٹنس نے کہا تھا کہ عظیم آقا یہ لباس تمہیں بہت سی مصیبتوں سے بچائے رکھے گا۔ اس کا دھندلا رنگ رات کی سیاہی میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ ایک آوارہ روح کی مانند مختلف فاصلے طے کر رہا تھا اور تقدیر شاید اس پر مہربان تھی یا پھر وقت اتنا ہو چکا تھا کہ جاگنے والے ہوش و حواس سے غاری ہو چکے تھے اور گہری نیند میں مبتلا تھے۔ وہ احاطے عبور کرتا ہوا نجانے کہاں کہاں مارا مارا بھرتا رہا۔ غلاموں کے بازو دیکھے اس نے، جہاں غلام بدبختی کی نیند سو رہے تھے۔ ان کے چروں میں زنجیریں بندھی ہوئی تھیں اور جگہ جگہ ان میں اس طرح کے تالے لگائے گئے تھے کہ وہ ایک دوسرے سے منسلک رہیں اور ان تالوں میں گھنٹیاں بھی باندھ دی گئی تھیں کہ اگر کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے تو یہ گھنٹیاں رات کو پہرے داروں کو جگا دیں۔ بڑا ہی انوکھا انتظام کیا تھا انہوں نے۔ پھر اس نے عورتوں کا بازار دیکھا اور یہاں کچھ عورتیں جاگ رہی تھیں۔ ان میں سے کچھ رو رہی تھیں اور سسکیاں لے رہی تھیں۔ نادر ایک جگہ رک گیا اور ان کی آوازیں سننے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے بہت سی آوازیں سنائی دیں۔ وہ ایک دوسرے سے بین کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں کہ آخر وہ اس عذاب کی زندگی کس وقت تک برداشت کریں گی۔ نادر نے دل میں سوچا کہ عورتو! بے فکر رہو تھوڑا سا دقت اور گزر جانے دو۔ یا تو تمہیں موت سے ہمتدار کر دیا جائے گا یا پھر تمہیں آزادی دے دی جائے گی۔ یہ بے کسی کی زندگی تم پر سے ختم ہو جائے گی۔ میں تم سب کو ہلاک کر دوں گا اگر آزاد نہ کرا سکا۔ اور اس عزم کو لے کر وہ آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ رات آہستہ آہستہ بہتی رہی اور اس وقت اسے ایک عمارت میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔ جب صبح کی روشنی نمودار ہو رہی تھی اور اب اس کے لئے ضروری تھا کہ اپنے آپ کو کسی محفوظ پناہ گاہ میں پہنچا دے۔ عمارت کے اندرونی کمروں کا جائزہ لیتے ہوئے اس نے اس عمارت میں مختلف چیزیں دیکھیں یعنی کھانا پکانے کی جگہ جسے باورچی خانہ کہا جا سکتا ہے۔ اور یہاں سے اس نے اپنے لئے کچھ ایسی چیزیں حاصل کیں جو زندہ رہنے میں اس کی معاون ہو سکتی تھیں کہ عقل و ہوش سے کام لیتے ہوئے یہ ازحد ضروری تھا اور اس کے بعد وہ اس کمرے میں داخل ہو گیا جس میں بستر لگے ہوئے تھے یعنی مسریاں، لیکن ان سرکڑوں پہ کوئی موجود نہیں تھا یا تو سونے والا اٹھ کر کہیں چلا گیا تھا یہ نادر کے لئے بہترین

اندرونی حصے کی طرف جاتا تھا گو یہاں بھی پہرے داری تھی لیکن اتنی مستحکم نہیں اور جہاں نادر نے پہرے داروں کو دیکھا وہ مستی کی نیند سو رہے تھے اور ان کے پاس ایسی چیزیں رکھی ہوئی تھیں جو انہیں نئے میں مبتلا کر دیں۔ کچھ ایسی جگہیں بھی نظر آئیں جہاں پہرے دار جاگ رہے تھے لیکن دوسرے ہی انداز میں یعنی ان کے پاس قیدی عورتیں موجود تھیں۔ نادر کے دل میں غم و غصہ پرواز کر رہا تھا۔ لیکن پھر ایک سنان جگہ اس نے بیٹھ کر اپنے آپ کو سمجھایا اور کہا۔

”نادر تمہاری زندگی کے سامنے ایک مقصد ہے اور صرف ایک ہی مقصد نہیں بلکہ اس کے دو حصے ہو گئے ہیں۔ صرف وہ عورت یعنی میشل ہی نہیں بلکہ قیدی عورتوں کے ساتھ یہاں جو سلوک ہو رہا ہے اسے دیکھنے کے بعد کوئی بھی ایسا شخص جو اپنے آپ کو انسانوں کی صف میں شمار کرتا ہے اپنے آپ کو باز نہیں رکھ سکتا۔ زندگی قربان کر دینے کیلئے ہوتی ہے میرا بھائی بھی اس مقصد کیلئے قربان ہو گیا اور اگر میں بھی اس مقصد کیلئے اس دنیا سے چلا جاتا ہوں تو یہ گھائے کا سودا نہیں ہے۔ چنانچہ اپنے دل و دماغ پر قابو رکھو اور یہ کوشش کرو کہ اس مقصد میں کامیابی حاصل کر کے یہاں سے واپس لوٹو اور کچھ ہوا جیسے نادر کے اندر اس کے دوسرے وجود یعنی قیصر حیات نے یہ بات کہی ہو اور نادر کو سمجھایا ہو کہ بیٹے زندگی اس طرح نہیں گزاری جاتی کہ جوش میں آکر اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دو بلکہ ہر لمحہ زندگی بچانے کیلئے وقف کر دینا چاہئے۔ اپنی بھی اور دوسروں کی بھی اور نادر نے قیصر حیات کے ان الفاظ کو دل سے محسوس کیا۔ جب اس نے کہا تھا کہ میں مرنے نہیں رہا بلکہ میں تو اپنا وجود تمہارے وجود کو سونپ رہا ہوں اور درحقیقت اس وقت اس نے یہ محسوس کیا کہ وہ دوسرے دماغ سے سوچ رہا ہے۔ پھر یوں ہوا کہ اس نے ایک دروازہ تلاش کیا اور جو دروازہ اس راستے سے گزرتا تھا پہرہ دار بے شک وہاں موجود تھے لیکن آرام کی نیند سو رہے تھے۔ اس احاطے کے پتھروں سے جتنی ہوئی دیوار کے ساتھ ساتھ چلا ہوا وہ آگے بڑھنے لگا۔ اب اس کے دل میں خوف کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ البتہ اس نے یہ سوچ رکھا تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ انسانوں کو بے دریغ قتل کرے گا۔ یعنی انہیں جو اس قید خانے کے محافظ ہیں کیونکہ وہ انسان نہیں ایسے درندے تھے جن کی ہلاکت ضروری ہوتی ہے اور جنہیں موزی جانوروں میں شمار کیا جاتا ہے اور اس کے لئے بددوق مناسب نہیں تھی سو اس نے اپنی بددوق ایک طرف پھینک دی کہ اب وہ ایک بے مقصد چیز تھی۔ اور اس کا استعمال فوری طور پر کسی طرح ممکن نہیں لیکن لمبے لمبے دو خنجر اس نے اپنے لئے حاصل کر

چیزیں دیکھیں جنہیں وہ ضرورتاً اپنے لئے استعمال کر سکتا تھا۔ مثلاً ایک چھوٹا سا اسٹور، جہاں مختلف کشتیاں موجود تھیں اور کچھ کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ اس نے ان اشیاء کا جائزہ لیا۔ بظاہر بے مقصد ہی تھیں یعنی کچھ ایسے لباس جو استعمال کئے جا چکے تھے۔ لکڑی کا کچھ فرنیچر۔ چند ایسی بوتلیں جنہیں شاید شراب کی بوتلیں کہا جا سکتا تھا۔ اس نے انہیں سونگھ کر دیکھا اور نفرت سے ہونٹ سکڑ کر بند کر دیا۔ غالباً یہ بہت پرانی شراب تھی جو یہاں محفوظ کی گئی تھی۔ یہ تمام چیزیں اس کے لئے بے مقصد تھیں اور وہ ہاں سے واپس چلا آیا۔ پھر اچانک ہی اسے دروازے کے قریب آٹھیس سنائی دیں۔ اس وقت رات ہو چکی تھی۔ اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اب جس طرح بھی ہو یہاں سے باہر نکلنے کی کوششیں کرے۔ پھریں ہوا کہ وہ بھاگ کر اپنی کمین گاہ میں یعنی مسہری کے نیچے پہنچ گیا جہاں وہ دم سادھ کر لیٹ گیا اور اس کا اندازہ درست ہی نکلا تھا چند افراد کمرے میں آئے تھے اور کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا تھا پھر مسہری پر وزن سنائی دیا اور اس کے ساتھ ہی ایک کرسی عینے کی آواز۔ پھر کسی کہا۔

”بیمو لاس میں تو بری طرح تھک گیا ہوں۔“

”ہاں کارسن واقعی آج کا دن تو شدید مشقت میں گزرا۔“

”یہ ایفر ممانداری ہوتا بھی ایک عذاب ہے۔“

”مجھے علم ہوا ہے کہ کوئی آ رہا ہے۔“

”ہاں وہی ہوس پرست جو اس لڑکی کے سلسلے میں یہاں آنے والا ہے۔“

”کون۔۔۔؟“

”وہی شیخ بدر جمال۔“

”اوہ وہ پھر آ رہا ہے۔“

”تقریباً ہر تیسرے چوتھے مہینے آ جاتا ہے۔ پتا نہیں یہ اتنی ساری لڑکیوں کو جمع کر کے کیا کرے گا۔ دونوں ہنسنے لگے تھے لیکن نادر بڑے غور سے سن رہا تھا۔ دوسرا شخص جسے کارسن کے نام سے مخاطب کیا گیا تھا اور جو مسہری پر موجود تھا۔ کہنے لگا۔“

”کل پورا دن اس کے ساتھ مصروفیت میں گزرے گا جبکہ آج کا دن سخت مشقت کا تھا۔“

”یار معاف کرنا کارسن میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ روکھی بھکی اور بے مزا زندگی آخر کس کام کی۔ ٹھیک ہے ہمیں مسٹر ٹورناڈو کی طرف سے مناسب معاوضہ ملتا ہے لیکن تم ذرا

جگہ تھی۔ اونچی مسہری کے نیچے اس نے تھوڑے سے صندوق وغیرہ رکھے ہوئے دیکھے اور ان صندوقوں کے پیچھے اپنے لئے اتنی جگہ بنا لی کہ دن کی روشنی کو گزار سکے۔ پانی اور کھانے کی اشیاء اس کے پاس موجود تھیں چنانچہ سب سے پہلے اس نے تھوڑی سی شربت سیری کی۔ اور اس کے بعد سوچا کہ اب ذرا سو جائے۔ دن کی روشنی سونے کیلئے ہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں خطرات زیادہ ہوتے ہیں اور پھر وہ سونے کے لئے لیٹ گیا۔ اگر گہری نیند آئی اسے کہ غالباً شام کا سورج جھک چکا تھا اور فضاؤں میں اندھیرے اترنے لگے تھے۔ تب اس کی آنکھ کھلی لیکن کمرے کے بارے میں اسے ایک لمحے میں یہ اندازہ ہو گیا کہ کوئی یہاں داخل نہیں ہوا ہے۔ یہ بہتر بات تھی اور اس کمرے کے جانے وقوع کو ذہن میں رکھنا بے حد ضروری تھا، کیونکہ یہ ایک بہتر پناہ گاہ ثابت ہو سکتا تھا۔ لیکن ابھی کوئی ایسا منصوبہ اس کے ذہن میں نہیں تھا جس پر وہ عمل کر سکے۔ یہ اسے صرف ایک پناہ گاہ کی تلاش تھی جو مکمل ہو گئی تھی۔ اور اگر ذہانت سے کام لیا جائے تو اس پناہ گاہ میں کافی وقت گزارا جا سکتا ہے۔ کسی ایسے منصوبے کی تکمیل کے لئے جو موثر ثابت ہو سکے۔ پھر اس نے سوچا کہ کم از کم یہاں کا جائزہ تو لینا چاہئے جس انداز میں یہ کمرہ تیار کیا گیا تھا وہ بھی قابل حیرت تھا۔ کمرے میں ایک اور دروازہ تھا جو یا تو کسی ایسی جگہ کا تھا جو ضروریات کے لئے استعمال کی جاتی ہو یا پھر ممکن ہے وہ راستہ کسی اور سمت جاتا ہو اور پھر یہی ہوا جب نادر نے دروازہ کھول کر دوسری طرف جھانکا اسے ایک لمبی سی سرنگ جیسی جگہ نظر آئی جسے راہداری کہا جا سکتا تھا لیکن درحقیقت وہ راہداری نہیں تھی کیونکہ وہ پتلی اور بے موقع ہی معلوم ہوتی تھی لیکن اس کا اختتام ایک عجیب و غریب جگہ جا کر ہوا تھا۔ یعنی ایک ایسی چوڑی جگہ جہاں ایک سوراخ نظر آ رہا تھا اور اس سوراخ کے نیچے پانی بننے کی آواز۔ اس جگہ کی تعمیر سمجھ میں نہیں آئی۔ لیکن بعد میں اندازہ ہوا کہ صرف اس جگہ کو محفوظ کیا گیا ہے یعنی یہ کہ یہاں جو تعمیر کی گئی وہ اس انداز میں کہ یہ جگہ ایسی شکل اختیار کر جائے اور پانی بننے کی آواز، یقینی طور پر وہ نہر کی آواز تھی۔ جو ان علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ ایک بے مقصد اور بے مصرف جگہ تھی۔ ہاں ایک صورت حال پر غور کیا جا سکتا تھا اور وہ یہ کہ اگر اس سوراخ سے نیچے اتر کر نہر کے ساتھ ساتھ تیرنے کی کوشش کی جائے تو فاصلہ کافی طے کیا جا سکتا ہے اور ممکن ہے کوئی اور ایسی بہتر جگہ دستیاب ہو جائے لیکن بہر حال یہ ایک خوفناک عمل تھا اور تقریباً بے مقصد۔ چنانچہ نادر وہاں سے ہٹ آیا۔ اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ رات گہری ہو جائے تو وہ آگے کے لئے کوششیں کریں اور اس نے ایسی بہت سی

غور تو کرو ہماری زندگی کس قدر غیر انسانی ہے۔“

”یہ بات ہمیں اس وقت سوچنا چاہئے تھی لاسن جب ہم اس کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔“

”آہ وہ سنہری چمک تھی جو ہماری آنکھوں میں لہرا رہی تھی لیکن کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے کہ چیخنے ہوئے یہاں سے بھاگ نکلو۔ انسانی زندگی پر جو مظالم توڑے جاتے ہیں کبھی کبھی دل میں یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ غلط ہے بالآخر ہمیں بھی موت کی طرف روانہ ہونا ہے۔“

”یہ سوچو گے تو مرجاؤ گے۔“

”میں مر رہا ہوں ڈیر کارسن۔“

”ایسا نہ کہو لاسن ایسا نہ کہو۔ بہر طور جینا ہے۔“

”یہاں اس طرح کیا ہمیں کبھی اپنے وطن جانا نصیب نہ ہوگا۔“

”کیا کہا جاسکتا ہے اب تو یہی ہمارا وطن ہے۔“

”ہو نہ وطن کوئی بھی تو نہیں ہے ہمارا یہاں اپنا۔ بس ان لوگوں کو رقومات بھیج دیا کرتے ہیں جو یہ سوچتے ہیں کہ ہم نہایت معزز اور باعزت زندگی بسر کر رہے ہیں۔“

”میرا ذہن خراب نہ کرو۔ لاؤ مجھے شراب دو۔“ پھر کھڑکھڑائیں اور شیشے بجنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ نادر ان تمام الفاظ پر غور کر رہا تھا۔ شراب پیتے ہوئے وہ ہنسنے لگے۔

”تو یہ شیخ بدر جمال کل کس وقت آ رہا ہے۔۔۔۔۔؟“

”کسی بھی وقت اس کی موٹر بوٹ پہنچنے والی ہے۔“

”تو تم اس کا استقبال کرو گے۔۔۔۔۔؟“

”ظاہر ہے۔“

”اور وہ اس لڑکی کا کیا نام ہے۔۔۔۔۔؟“

”میشل جاتی ہے وہ اپنا نام۔“

”ہاں وہ اسی کے لئے آ رہا ہے۔“

”اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس وقت واقعی چاند کا ٹکڑا اس کے ہاتھ لگا۔“

لیکن اس کے آنسو مجھ سے نہیں دیکھے گئے کس طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔

”جاری۔“

”خدا ہم پر رحم کرے۔“

”کیسی بات کرتے ہو کیا ہم خدا کی نگاہوں میں قابلِ رحم ہیں۔ کارسن نے کہا اور نوڈی دیر کے لئے خاموشی طاری ہو گئی۔ پھر کارسن کہنے لگا۔“

”میرا دل چاہتا ہے کہ دو کام کروں یا تو خودکشی کر لوں یا پھر خود کو شراب کے نشے میں ڈبوئے رہوں۔“

”دونوں کام بے حد مشکل ہیں کیونکہ ہم جن لوگوں کو اپنے آپ سے دور چھوڑ آئے ہیں ان کے لئے ہمیں یہ سب کچھ کرنا ہوگا۔“

”خیر اب کیا کیا جاسکتا ہے سوائے اس کے کہ اپنے ان تصورات کو شراب میں ڈبو دیں۔“ اور پھر انہوں نے وی کیا اور وی کرتے رہے۔ پھر اس کے بعد لاسن نے کہا۔“

”تو پھر کل تم سے ملاقات نہیں ہوگی۔“

”مشکل ہے مجھے جانا ہوگا۔“

”ہو نہ چلو ٹھیک ہے اب تم آرام کرو۔“

”ہاں میں آرام کر رہا ہوں تم جاؤ۔۔۔۔۔“ اور اس کے بعد دوسرا آدمی دروازے سے باہر نکل گیا جبکہ پہلے آدمی نے جس کا نام شاید کارسن تھا اور جس کی یہ رہائش گاہ تھی آگے بڑھ کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ نادر کا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ یہ تو بڑی کام کی بات ہوئی۔ کچھ غور کرنے کا موقع ملا۔ یعنی ایک شخص جس کا نام بدر جمال ہے اور جو کہیں دور سے آ رہا ہے یہاں اس لڑکی میشل کی خریداری کے لئے کوشش کرے گا لیکن یہ تو پتا ہی نہیں کہ وہ بدر جمال ہے کیا چیز؟ اور کہاں سے آ رہا ہے۔ نادر بہت دیر تک اپنے ذہن میں منصوبے بناتا رہا اور پھر اس کے دل میں ایک احساس جاگا۔ جو کچھ بھی ہے۔ اب کچھ کرنا ہوگا۔ یہ ایک بہتر موقع ہے۔ یعنی ہاتھ پاؤں ہلانے سے کوئی ذریعہ تو سامنے آیا۔ چنانچہ اس نے بہت دیر تک انتظار کیا۔ اور جب مسہری کے اوپر سے ہلکے ہلکے خراٹے ابھرنے لگے تو وہ آہستہ آہستہ ریٹکتا ہوا اپنی جگہ سے نکلا اور اس نے دل میں تیرہ کر لیا تھا کہ اس وقت وہ جو کچھ کرے گا وہ زندگی میں نہ کبھی کرنے کے بارے میں سوچا اور نہ شاید کر سکا اور پتا نہیں کر بھی سکے گا یا نہیں لیکن بہر حال دل میں اس وقت ایک عجیب و غریب احساس جنم لے رہا تھا اور وہ اپنے اللہ سے معافی مانگ رہا تھا کہ جو کچھ وہ کرنے جا رہا ہے وہ بے شک ایک برا عمل ہے لیکن ایک اچھے عمل کے حصول کے نتیجے کیلئے اور پھر وہ مسہری کے نیچے سے نکل آیا۔ اس نے بستر پر سوتے ہوئے لمبے چوڑے

آدی کو دیکھا تقریباً اسی کی جسامت کا مالک تھا۔ اور اس وقت شب خوابی کے لباس میں
لبوس۔ بہر حال نادر نے چند لمحات ادھر ادھر کا جائزہ لیا اب اس کے ہاتھ میں اس کا فنجن لہرا
رہا تھا۔ پھر قریب پہنچ کر اس نے اس شخص، جس کا نام کارسن تھا کے بال پکڑے اور اسے
پوری قوت سے موڑ کر اپنی جانب کر لیا۔ کارسن حیرانی سے جاگ گیا۔ کچھ نشے کی کیفیت
میں تھا۔ اور کچھ نیند کی۔ لیکن پھر بھی اس کے حواس جاگ اٹھے اور اس نے اپنے سائے
کھڑے شخص کو خرفزدہ نگاہوں سے دیکھا۔ جس کے ہاتھ میں چمکدار فنجن لہرا رہا تھا۔ سو نادر
نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”سب سے پہلی ہدایت جو تمہیں دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ بے مقصد کوئی آواز اپنے
حلق سے نہ نکالنا ورنہ یہ چھری لکڑی تک کاٹ دیتی ہے۔۔۔۔۔ کارسن نے خوفزدہ نگاہوں
سے اسے دیکھا اور بولا۔۔۔۔۔“

”کون ہو تم۔۔۔۔۔؟“

”فرشتہ موت۔“

”انسانی شکل میں۔۔۔۔۔؟“

”یہی سمجھ لو۔“

”مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہو۔“

”ہاں۔۔۔۔۔“

”کیا میرا وقت آگیا۔۔۔۔۔؟“

”یہی سمجھو۔“

”آہ بہتر ہے بہتر ہے کیونکہ اب زندگی اتنی ہی تلخ ہو گئی ہے میں شاید اپنے
پر اپنی موت نہ مر سکتا لیکن اگر میری موت آگئی تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ میرے اوپر احسا
ہے۔“

”اگر تم یہ سمجھتے ہو تو زندگی میں جتنے گناہ کئے ہیں تم نے، تمہیں ان کا احساس ہے۔“

”ہاں ہے۔“

”اور اگر احساس ہے تو پھر یہ بتاؤ کہ کیا تم ان کی تلافی کرنا چاہتے ہو۔۔۔۔۔“

”نہیں۔۔۔۔۔ اس نے غیر متوقع جواب دیا۔“

”کیا مطلب۔“

”مطلب یہ کہ ایک ایسا کام کرنے کا وعدہ کیوں کروں میں جو میں نہیں کر سکتا۔“

”اس کا کیا سوال ہے۔“

”کیوں۔۔۔۔۔؟“

”اس لئے کہ تم آگئے ہو۔۔۔۔۔“

”تمہیں زندگی کے لئے موقعہ بھی دیا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔“

”وہ بھی میرے اوپر ظلم ہوگا۔۔۔۔۔“

”عجیب بات نہیں کر رہے تم۔۔۔۔۔“

”کیوں اس میں کیا عجیب بات ہے؟“

”ایک طرف تم موت کو گلے لگانے کے لئے تیار ہو اور دوسری طرف اپنے گناہوں کا
ازالہ کرنے کے لئے تیار نہیں۔“

”یہ ایک فلسفہ ہے میرے دوست۔ اس سلسلے میں بات مت کرو جو ذمہ داری تمہیں
سنبھائی ہے وہ پوری کرو۔ کارسن عجیب آدمی تھا۔ نادر نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور اس
کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے کہا۔

”کارسن ہے ناں تمہارا نام۔۔۔۔۔“

”ہاں بھلا تم سے زیادہ اور مجھے کون جان سکتا ہے۔۔۔۔۔؟“

”اور تم نشے میں ہو۔۔۔۔۔؟“

”شاید۔“

”جب ہی ایسی باتیں کر رہے ہو۔“

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟“

”کیا چھری سے کسی انسان کو موت کے فرشتے نے ہلاک کیا ہے۔۔۔۔۔؟“

”اے۔۔۔۔۔ وہ سوچنے میں مصروف ہو گیا پھر اس نے کہا۔“

”ہاں بات تو ٹھیک ہے شاید میں نیند میں ڈوبا ہوا ہوں اس لئے کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر
پا رہا۔“

”تو بہتر ہے تم اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔“

”ہاں لیکن اسی شرط پر۔“

”یہی شرط۔۔۔۔۔؟“

”حلق سے آواز نہ نکلے۔۔۔۔۔ دفعتاً ہی یوں محسوس ہوا جیسے کارسن ہوش میں آگیا
۔۔۔۔۔ اب تک جو اس نے بات کی تھی وہ نیم غنودگی اور نشے کی حالت میں کی تھی۔ لیکن

اب اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی نظر آ رہی تھیں۔ پھر اس نے کہا۔
”نہیں تم فرشتہ موت نہیں ہو سکتے۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”میں سمجھتا ہوں مگر تم کون ہو اور یہاں کیسے گھس آئے۔۔۔“

”اب تم چیخنے کی کوشش کرو گے۔“

”نہیں۔ میں ایسی کوئی کوشش نہیں کروں گا۔“

”تو پھر ٹھیک ہے اب مجھے ذرا اپنے بارے میں بتاؤ۔“

”کیا۔۔۔؟“

”کون ہو تم۔۔۔؟“

”تم میرے نام سے پکار سکتے ہو مجھے۔۔۔“

”ہاں مجھے تمہارا نام معلوم ہے اور یہ بھی پتا ہے کہ تم افسر مہمانداری ہو۔ کیا اب بھیڑیے کی طرف سے۔“

”ظاہر ہے میں یہاں رہتا ہوں اسی کے ساتھ رہتا ہوں۔ اسی کی غلامی کرتا ہوں انسانوں کو اس طرح موت کے گھاٹ اتارتے ہو۔“

”نہیں وہ میرا کام نہیں ہے۔“

”تو پھر۔۔۔؟“

”یہ کام دوسرے لوگ کرتے ہیں۔“

”تم ان دوسروں کے شریک کار تو ہو۔“

”میں صرف ٹورناؤڈ کا ملازم ہوں۔“

”اور ٹورناؤڈ کون ہے۔“

”آہ وہ جنم کا فرشتہ ہے تمہیں تو ایک دوسرے کو پہچانا چاہئے۔۔۔ کارسن نے اور مسکرانے لگا۔ عجیب بے جگر آدمی تھا۔ ان حالات میں بھی وہ خوفزدہ نہیں تھا لیکن حیرت زدہ بھی نہیں تھا۔ نادر اس کی فطرت کا اندازہ لگا رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ کتنی خطرناک ہے پھر اس نے کہا۔“

”دیکھو کارسن میں اس شخص کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں جس کا نام بدر ہے۔“

”وہ ایک عربی نسل کا شیخ ہے اور یہاں غلاموں کی خریداری کے لئے آتا رہتا ہے۔“

”کیا وہ ٹورناؤڈ کا شناسا ہے۔۔۔؟“

”نہیں ٹورناؤڈ اس سے کبھی نہیں ملا۔“

”مگر تم تو کہتے ہو کہ وہ آتا رہتا ہے۔“

”ہاں لیکن وہ یہ خلیج عبور کر کے یہاں تک نہیں آتا۔“

”تو پھر۔۔۔؟“

”اس کے مختلف نمائندے یہاں تک آتے ہیں جو اس کے لئے خریداری کرتے ہیں۔“

”وہ یہاں خود کیوں نہیں آتا۔“

”یہ اس کا اپنا مسئلہ ہے۔“

”لیکن وجہ تو کوئی ہوگی۔۔۔“

”صرف یہاں وہ اپنی زندگی کا خطرہ مول نہیں لیتا چاہتا کیونکہ یہاں درندے آباد ہیں اور کسی بھی وقت کوئی غلط حرکت ہو سکتی ہے مگر اب تو تم اپنے بارے میں بتاؤ تم کون ہو۔ کیا تم کہیں اور سے آئے ہو؟“

”تمہیں بتا چکا ہوں فرشتہ موت۔“

”جھوٹ بول رہے ہو اگر تم فرشتہ موت ہوتے تو ایسے سوالات نہ کرتے۔“

”چلو ٹھیک ہے تو یہ بتاؤ کہ تمہیں اس نمائندے سے کہاں ملنا ہے یعنی بدر جمال کے نمائندے سے۔“

”یہ میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔“

”لیکن میرا خیال ہے تمہیں مجھے بتانا ہوگا۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”اس لئے کہ اس کے نتیجے میں تمہارے جسم پر زخم ہی زخم لگا دوں گا اس طرح نادر نے خنجر کی نوک اس کے سینے پر چمکائی۔ اور اس کے حلق سے ایک کرناک آواز نکلی لیکن نادر نے اس پر سوار ہو کر اس کا منہ بھیجنے لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کے آثار نظر آئے۔ سینے سے خون بننے لگا تھا۔ وہ دہشت زدہ انداز میں گردن گھمانے لگا۔ غالباً بہت سی بزدل آدمی تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ظالموں کا ساتھ دینے والے سب سے زیادہ بزدل ہو جاتے ہیں۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں التجا کی کہ نادر اسے چھوڑ دے۔ وہ اسے سب کچھ بتا دے گا اور نادر نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹا لیا۔ تو وہ بولا۔“

”اور تمہاری رہائش گاہ کی وہ راہداری جو ہے اس میں ایک سوراخ ہے جو نہر میں
رہا ہے یہ نہر کہاں جاتی ہے۔“

دریائے سنگانیہ سے مل جاتی ہے۔“

”یعنی وہ جگہ جہاں موٹر بوٹ لنگر انداز ہوتی ہے۔“

”ہاں عین اسی جگہ۔۔۔۔۔“

”ٹھیک اور اب یہ بتاؤ کہ تم کتنے عرصے زندہ رہنا چاہتے ہو۔۔۔۔۔؟“

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟“

”مطلب یہ کہ زندگی سے تمہیں کیا دلچسپی ہے؟“

”اس کا تو اندازہ ہو رہا ہے یعنی اب مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ انسان سوچ کچھ بھی

لے زندگی بڑی قیمتی چیز ہوتی ہے۔“

”اور تم ٹورناؤ بکے ساتھ شامل ہوئے اور بے شمار زندگیاں ٹورناؤ نے اپنے لئے

بان کیں تو اس میں شریک تھے۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ میں شریک رہا ہوں۔۔۔۔۔“

”تو کیا تم نے اس کے نتیجے پر غور نہیں کیا تھا۔۔۔۔۔؟“

”اکثر لیکن بہت بعد میں۔۔۔۔۔“

”اور افسوس اب میں تمہیں زندگی کا زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔۔۔۔۔؟“

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟“

”مطلب یہ کہ میرے ساتھ آؤ میں تم سے کچھ اور ضروری گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

”کیا۔۔۔۔۔؟“ اس نے سوال کیا اور نادر نے اسے پھر بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور خنجر

ل کی گردن پر رکھتا ہوا بولا۔۔۔۔۔

”آواز نہ نکلنے پائے آؤ۔ اور نادر اسے لئے ہوئے قتل گاہ کی جانب چل پڑا۔ جسے وہ

یہ آیا تھا پھر اس نے وہ دروازہ کھولا تو کارسن تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے کہا۔“

”مجھے نہ مارو میں واقعی ابھی نہیں مرنا چاہتا۔“

”اور وہ بھی نہیں مرنا چاہتے ہوں گے جنہیں تم نے ہلاک کر دیا۔“

”میں آئندہ۔ آئندہ۔“

”آئندہ کے لئے وقت نہیں ہے، نہ میرے پاس نہ تمہارے پاس۔“ نادر نے کہا اور

سے کھینٹ کر اس پتلی سی سرنگ نما جگہ لے گیا اور پھر اس نے اپنی زندگی میں سب سے

”نہیں آہ موت بڑی خوفناک چیز ہوتی ہے۔ انسان جذبات میں آکر اس کا تصور بھی کر

لیتا ہے اور اسے طلب بھی کر لیتا ہے لیکن۔ لیکن۔ آہ تم نے میرا سینہ زخمی کر دیا۔۔۔۔۔“

”یہ تمہاری اپنی کوششوں کا نتیجہ ہے۔۔۔۔۔“ نادر غرایا۔ پھر بولا۔

”مجھ سے میرے بارے میں سوال نہ کرو صرف وہ جواب دو جو میں مانگ رہا ہوں۔“

”وہ ساحل جو دریائے سنگانیہ کا ساحل ہے وہاں پر وہ آنے والا ہے۔“

”جب تم اس کا استقبال کرو گے تو تمہارے ساتھ کون کون ہوگا؟“

”زیادہ افراد نہیں صرف میں اور کچھ اور لوگ جو میری معاونت کریں گے۔“

”پھر کیا ہوگا۔۔۔۔۔؟“

”ہم لوگ اسے لے کر یہاں آئیں گے اس کے لئے ایک آرام گاہ منتخب کر دی گئی

ہے وہ وہاں قیام کرے گا اور پھر مسٹر ٹورناؤ اس لڑکی کو جس کے لئے اسے یہاں دعوت

نامہ دے کر بلایا گیا ہے اس کے سامنے پیش کریں گے پھر اس کی قیمت کا تعین ہوگا۔ اور

اگر سودا ممکن ہو گیا تو لڑکی اس کے حوالے کر دی جائے گی۔“

”کیا وہ دوسرے غلام بھی خرید کر لے جائے گا؟“

”نہیں وہ صرف لڑکی کیلئے آ رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اگر شیخ بدر جمال نے اسے

کچھ اور ہدایت کی ہیں لیکن یہ اسی سے معلوم ہو گا مگر تم۔۔۔۔۔“

”فضول بکواس۔۔۔۔۔ کیا تم اپنے اس زخم کو مزید گہرا دیکھنا چاہتے ہو؟“

”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ خدا کے لئے میرے اوپر سے تو ہٹ جاؤ۔“

”جواب دیئے بغیر ممکن نہیں کیونکہ تم نے اپنی فطرت بتا دی ہے۔“

”آہ میرا دم گھٹ رہا ہے۔“

”یہ بہت ضروری ہے یہ بتاؤ بدر جمال خود کہاں ہوتا ہے؟“

”سمندر کے اس حصے میں جہاں سے دریائے سنگانیہ ایک جانب مڑ جاتا ہے اور اس

کی ایک شاخ سمندر کی طرف جاتی ہے۔“

”وہاں وہ کیوں ہوتا ہے؟“

”اس جگہ وہ اپنا جہاز لنگر انداز کرتا ہے جو اس کا ذاتی جہاز ہے پھر موٹر بوٹ

ذریعے وہ اپنے نمائندوں کو یہاں بھیجتا ہے اور یہی اس کا طریقہ کار ہے۔“

”ٹھیک اچھا یہ بتاؤ یہ تمہاری رہائش گاہ ہے۔۔۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔۔۔“

پہلا وحیانیہ قدم اٹھایا یعنی ایک انسان کی گردن کو زخروں کے پاس اس طرح کاٹ دیا کہ وہ زندہ رہے۔ جس پر حادی نہیں ہونی چاہئے۔ بس ایک عمل، صرف ایک عمل اور ایک ایسی عمل کہ انسان کیلئے ممکن نہ ہو سکے اور خون کی دھاریں ایلنے لگیں اس نے کسی کی مروت سے جو دیوانگی تھی لیکن دیوانگی ہی تو اسے یہاں تک لے آئی تھی اور اگر دیوانگی کا یہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھنے کا فیصلہ کیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ تب وہ شخص ترشہا رہا اور اپنے دم ہو جائے تو پھر بیتی کیا رہ جاتا ہے۔ چنانچہ اپنے آپ کو مکمل طور پر درست کرنے کے زخروں سے خون بہتا رہا۔ اس کے اچھلتے ہوئے بدن کی آوازیں اس خاموشی میں اب گونجنے لگیں۔ بعد اس نے اپنے لئے دعائیں مانگی اور اس کے بعد یہاں سے نکل آیا۔ پھر وہ خود بھی سناٹے میں ابھر رہی تھیں اور جب یہ آوازیں بالکل معدوم ہو گئیں تو نادور نے آنکھیں باز کر رکھیں اور بار بار میس جا رہا تھا جہاں بہت سا رونا خوں اس کے پیروں میں چبھا ہٹ بن رہا تھا۔ پھاڑ کر اسے دیکھا وہ ختم ہو چکا تھا۔ اور اب اسے دو سرا بد نما عمل کرنا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے دل کے گمراہانہ انداز میں سو راخ ہوا اس سو راخ تک پہنچا۔ نیچے دیکھا اور اس کے بعد آنکھیں بند کر کے بالوں ہی سے گھسیتا ہوا اس چھوٹے سو راخ تک لایا اور اس کے بعد بڑی مشکل سے اس کا نام لیا اور خود بھی اس سو راخ میں بیچھے اتر گیا۔ سو راخ شروع میں تو خاصا نیچا معلوم کی لا ش کو اس سو راخ سے نیچے اتارنے لگا۔ یہ وحیانیہ عمل اس نے اپنی زندگی میں کہا تھا لیکن جب وہ اس سے گزر کر پانی میں پہنچا تو اسے محسوس ہوا کہ کئی فٹ کا فاصلہ سوچا بھی نہ ہو گا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ پہلا خوں بہانے کے بعد انسان کے اندر سے ناگوار چیزیں نکال دی جاتی ہیں۔ اپنے ذہن کی قوتوں کو جمع کر کے اس نے خود کو حاصل کیا۔

بہانے کی جرات پیدا ہو جاتی ہے اور شاید نادر کے اندر وہ چیز پیدا ہو چکی تھی۔ چنانچہ انسانی سر کے لئے تیار کر لیا۔ اپنے ذہن کی قوتوں کو جمع کر کے اس نے خود کو حاصل کیا۔

نے اس کے جسم کو مکمل طور سے پانی کی گھرائیوں میں اتار دیا۔ اور جب اس کام سے فارغ ہوا کہ یہ ایک خوفناک عمل تھا۔ ضرور تک پہاڑی عمارتوں کے نیچے سے گزرتی تھی اور ہو گیا تو اس نے جھانک کر دیکھا۔ شرر شرر کی آوازیں صاف ستھری سنائی دے رہی تھیں۔ سایہ ہونے کی وجہ سے یہاں بھیانک تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں لیکن اسے خوف اور رات پڑی ہوئی تھی۔ پوری رات جو پہلے اسے اس نہر میں بہا کر دریا ئے سنگانیہ میں لے گیا تھا۔ یہ ایک آبِ راستہ تھا جو خود سمت کا تعین کرتا تھا یاں اگر یہ راستہ نہ ہوتا تو ان لے جانے کی اور اس کے بعد دریا ئے سنگانیہ کا بہاؤ نبجانے کہاں سے کہاں اور اس کے کنارے تاریکیوں کا سفر ناقابل عبور ہوتا۔ تب اللہ کا نام لے کر اس نے خود کو پانی کے بہاؤ اس بہاؤ کا بھی جائزہ لے رہے تھے کہ اس کی سمت کدھر ہے اور جو کچھ بھی اسے ملتا تھا۔ ابھی اپنی جدوجہد کی ضرورت نہیں تھی اس لئے ذہن کو پرسکون چھوڑ دینا ہوا تھا اس کے تحت وہ ذہانت سے کام لے کر صحیح طور پر اندازے قائم کر رہا تھا۔ ہاں جب نہر سنگانیہ میں شامل ہو گی تو اصل جدوجہد کا آغاز ہو گا۔

مخلص کی زندگی تو لے لی تھی اس نے اپنے ایک جذبے کے تحت۔ لیکن اس کے بعد زندگی بھی داؤ پر لگانی تھی اور اس کے لئے ناؤ نے اپنے آپ کو پورے طور پر تیار کر تھا۔ زندگی کی ایک خطرناک مہم شروع ہو چکی تھی لیکن دولت کے حصول کیلئے بلکہ دولت کا حصول ایک لمحے کے لئے پس پشت چلا گیا تھا اور کچھ دوسرے ہی مقاصد سما تھے۔ اس لئے وہ ان پر عمل کرنے کا خواہشمند تھا۔ وہ واپس آیا اور مدہم روشنی چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ان لباسوں میں سے ایک لباس نکالا جو وہاں موجود اور اسے اپنے بدن پر چڑھانے لگا۔ لباس بہت زیادہ بہتر نہیں تھا لیکن پھر بھی اس کے کافی تھا اور وہ عبا جو وہ پہن کر آیا تھا اور وہ سارا لباس اس نے اتار کر گٹھری کی شکل لپیٹا اور اسی کباڑ خانے میں ڈال دیا جہاں دوسرا بہت سا سامان پڑا ہوا تھا۔ اس کے میں اب جو جذبے پر دان چڑھ رہے تھے ان میں قربانی کا جذبہ سرفہرست تھا۔ اور اگر قبول ہو جائے تو پھر کامیابی کی جانب کئی قدم بڑھ سکتے تھے لیکن ایسے موقعوں پر کوئی نہ

تین انسانوں نے ایک پورے شہر کو تباہ و برباد کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور شہر کا ن اور دیکھنے والی آنکھ اس منصوبے کو سن کر صرف تشویش ہی کر سکتی تھی کیونکہ شہر کے شہر میں یہ عمل جتنا مشکل تھا اسے اس انداز میں کامیابی سے منسوخ کر دینا ایک غیر بات ہی ہو سکتی تھی لیکن بہر حال ایک طرف نادر اپنی اس خطرناک مہم پر روادار تھا اور بظاہر ہیوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس نے اس مہم کا پہلا مرحلہ صحیح انداز میں کر دیا ہے تو دوسری طرف بیماری کو ہالہ، ایک درخت پر زندگی کے ناقابل یقین دن گزار مصروف ہو گئی تھی۔ اور ادھر پہاڑ جیسے بدن اور فرشتوں جیسے دل رکھنے والا فینٹ پر چل پڑا تھا۔ اس کے پر نور دل میں صرف ایک آرزو تھی عظیم آقا کو اور اس کی چھوڑ گیا ہے اور جو بہت مہربان اور اچھی فطرت کا مالک تھا اور جس کے دل میں کے لئے ایک آرزو تھی اور جس نے یہ کہہ کر اپنے بھائی کو مطمئن کر دیا تھا کہ اب کے وجود میں اپنی آرزو کی تکمیل کے لئے خطر ہے۔ یہ سارے کام پورے کرنے جس شخص نے جو ذمہ داری قبول کی تھی، وہ اسے سرانجام دینے کیلئے سرگرم عمل فینٹ چونکہ ان بے شمار مقامی لوگوں کا ہم شکل تھا جو یہاں اپنے فرائض سرانجام رہے تھے اور اس وقت بڑی ذہانت سے وہ اپنا عمل کر رہا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے لباس میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ اور ان لوگوں میں داخل ہو گیا۔ بیچ در بیچ راستے دشمنوں کی وسیع آبادی، اگر انسان دل کا استعمال کرے تو دل کی حرکتیں بند ہو جائیں ایسے بھیاںک لوگ جو زندگی کو ایک مذاق سمجھتے تھے اور انسانوں کو کسی چمچ کی طرح بجاتے قتل کر دیا کرتے تھے۔ کوئی بھی ایسا لمحہ آسکتا تھا جو زندگی کا آخری ہو۔ انسان اپنا کوئی مشن تصور کر لیتا ہے تو زندگی کا تصور دوسرے نمبر پر آ جاتا ہے۔ اور تو ویسے ہی ایک دلیر جاننا تھا۔ اور اپنی کارروائیاں خوش اسلوبی سے کرنے کے لئے کئی بیچ در بیچ راہداریوں سے ہوتا ہوا وہ رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر ایک پہنچا جہاں ایک شخص ایک چھوٹے سے کیمین نما کمرے میں بیٹھا ناجائز شے سے فخر تھا۔ برتن اس کے سامنے سجے ہوئے تھے اور وہ بدست تھا۔ فینٹ نے پسندیدہ کتا اسے دیکھا۔ یہ شخص تو اس کے لئے بڑا کارآمد ثابت ہو سکتا ہے بشرطیکہ یہ کسی لم گئے جائے لیکن فینٹ کے ذہن میں جو منصوبہ تھا اس کی تکمیل کے لئے اسے جگمگ بھی درکار تھیں۔ اور سب سے بڑی کوشش یہی ہو سکتی تھی کہ وہ اپنے جگہ تلاش کر لے اور مطلب کی یہ جگہ ایک گمرے کھڈ کی شکل میں تھی جو گمرے

تھا اور جس جگہ فینٹ اس وقت موجود تھا۔ بڑی ہولناک تھی وہ عمارت جہاں سے اس نے اس کیمین نما کمرے کو دیکھا تھا۔ جس میں وہ شخص اپنی میز سجائے بیٹھا ہوا تھا فینٹ جس جگہ موجود تھا وہاں سے صرف فٹ کے فاصلے پر گمرے ڈھلان تھے جو کھلی ہوئی جگہ ختم ہوتے تھے اور اگر ذرا سی مٹی کھسک جائے یا انسان کا پاؤں ہلک جائے تو گمرے کھڈوں کو عبور کر کے نہر میں جا پڑے۔ سب سے آسان کام تھا وہ کھڑکی سے فینٹ نے اسے دیکھا تھا چوڑی اور کھلی ہوئی تھی لیکن جب فینٹ اس کھڑکی میں سے اندر کو داخل کر کے اندر کودا تو وہ شخص جو نئے میں بدست تھا نشلی آنکھوں سے اس کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے آنکھوں کو زور زور سے بھینچا اور انہیں کھولتا ہوا بولا۔

”بے وقوف، گدھے، یہ اندر آنے کا کون سا راستہ ہے اور کیا کہا تھا۔ میں نے تجھے کہا ہے وہ کیا تیرے عقب میں اور ادھر ہی سے اندر کودنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ پھر ذرا خود ہنسا اور بولا۔“

”ہاں تو سمجھ دار ہے ارے واہ میں تو سمجھا ہی نہیں تھا کہ تیری سوچ کیا ہے۔ یقینی رہے تو دوسروں کو اس بارے میں بتانا نہیں چاہتا ہو گا کہ میں نے تجھ سے کیا طلب کیا ہے یہ بڑی عورتیں تو یہ ہماری مملکت ہیں۔ ہماری گھاس۔ یہ الگ بات ہے کہ سفید بھڑیا ہمارے گدھا جو اپنے لئے ہر شے کو جائز سمجھتا ہے دوسروں کے لئے اس پر پابندی لگا دیتا ہے۔ کتا ہے اس طرح عورتوں کی صحیح قیمت وصول نہیں ہوتی لیکن ہم بھی تو انسان ہیں اپنا جھوڑ کر یہاں آباد ہیں کیا ہمارے لئے یہ آسائشیں نہیں ہونی چاہیں جو خود اس نے اپنے لئے مخصوص کر لی ہیں مگر وہ ابھی تک کھڑکی سے کیوں نہیں کودی؟ کہاں ہے؟“

”میں تمہیں اس کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔“ فینٹ نے کہا۔

”کیا مطلب۔ کیا کوئی ایسی راز کی بات ہے جو تو مجھے بتانا چاہتا ہے۔“

”ہاں۔“

”میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہارا کیا نام ہے؟“

”تیرا داغ خراب ہو گیا ہے کیا۔ ادھو میں سمجھ گیا تو نئے میں ہے اور یقیناً نئے ہی کے لئے اس کھڑکی سے کود کر آیا ہے۔ گویا میں نے تیرے بارے میں جو کچھ سوچا غلط۔“

”نہیں یہ بات نہیں ہے۔ وہ پوچھتی ہے تمہارا نام کیا ہے؟“

”کیا۔۔۔ وہ شخص چکر اگیا پھر بولا۔“

”جے تم نے طلب کیا تھا۔۔۔“

”اور میں نے ایسی ہی مہم جبین کا انتخاب کیا ہے لیکن وہ پوچھتی ہے تمہارا ہے؟“

”افسوس مجھے یاد نہیں رہا۔“

”اوہو مسٹر ڈالون چلو ٹھیک ہے اب وہ آسانی سے تمہیں اپنے ساتھ لے جائے گا“

”واہ ماسٹر تم تو ایک ہی وار میں لمبے ہو گئے حالانکہ تم اچھی خاصی جسامت کے ہو آخر ایسا کیوں ہوا۔۔۔۔۔؟“ اور پھر فینٹ جھک کر اس کے سینے سے کان لگائے لگا۔ اس کے بعد اس نے اپنا سر کھایا۔“

”اصل بات کیا ہے؟ کیا میرے ہاتھوں کی قوت واقعی بے پناہ ہے یا پھر تم شراب نوشی میں اس طرح غرق ہو چکے تھے کہ --- کہ تم نے اپنی قوتیں ہی کھو ڈالیں۔“
مرگئے اس کے علاوہ اور کچھ نہ جانتا اسکے مسٹر ڈاؤنلن۔ کہ تم یہاں کرتے کیا ہو۔“

”میں ایک کہانی یاد کر رہی ہوں۔“

”کیسی کہانی؟“

”میری بستی، میری آبادی کی کہانی۔ لڑکی کے لہجے میں غم کا احساس تھا۔“

”بھلا وہ کہانی کیا ہے؟“

”بہت پرانی بات ہے اس کا نام مگورا تھا۔“

”کس کا۔۔۔؟“

”ایک نوجوان تھا وہ بہت مفلس، بہت غریب جبکہ میرا باپ سینگوں کی تجارت کرتا تھا

اور بڑی حیثیت کا مالک سمجھا جاتا تھا۔“

”تو چہ؟“

”مگورا نے کہا سونا میں غریب ہوں لیکن اگر تو میری زندگی میں شامل ہو جائے تو میں

نختِ منت کر کے درختوں کی جھال سے رساں بنانے کا کام کروں اور امیر ہو جاؤں گا لیکن

خاموش رہے۔ سب کچھ نہیں کر سکتا تو میں نے اس سے کہا کہ جو قوف تو مجھے جانتا ہے میں کون

ہوں اور میرے وجود کی کیا قیمت ہے؟“ اس نے کہا۔

”لیکن میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔“

”میں اسے نہیں مانتی میرے لئے وہی سب کچھ مہیا کر دے جو میرے باپ کے گھر میں

ہے تو پھر میں تیرے بارے میں سوچوں گی۔“

”اس کے لئے مجھے وقت دے۔“

”نہیں وقت کسی کے قابو میں نہیں آتا۔“

”مگر دیکھ میں تیرے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا۔“

”تو مر جا۔۔۔ میں نے بے دردی سے کہا اور اس کے بعد اس نے بارہا کوشش کی

کہ وہ میرا التفات حاصل کر لے لیکن میں خود بے مغرور تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ مغمورا

تو اس قابل نہیں ہے سو پھر اس نے خودکشی کر لی لیکن خودکشی کرنے سے پہلے اس نے

کے

”اور میں تجھے دعا دیتا ہوں کہ تیرا دل جو کہ اے شخص کے ہاتھوں مارا، ہو جس کے

لے تحریک دلا، میں نفرت کے سوا کچھ :۔۔۔۔۔ اور میں نہیں کہ خاموش رہی مگر۔۔۔۔۔

اور ان کے لئے یہ نصیحتیں بھی کی گئیں کہ ان کے لئے جو چیزیں مقرر ہیں ان سے بچیں اور ان سے بچنے کے لئے جو چیزیں مقرر ہیں ان سے بچیں۔

میں نے اپنے دل سے کہا کہ میں نے یہ سب کیا ہے۔

میں نے کہا کہ میں جانتی ہوں کہ وہ ایک اچھے آدمی ہیں۔

اس کا جواب دے۔“

”ہاں پوچھ ظاہر ہے اس طرح کم از کم میری عزت تو تھوڑی بہت دیر تک بچی ہوئی ہے۔“

”اگر تیری ساتھی لڑکیوں سے یہ کہا جائے کہ ان لوگوں کے چنگل سے نکلنے کے لئے زندگی بچانے کیلئے وہ یہ کوشش کریں کہ یہاں سے نکلیں اور اس کے لئے انہیں موقع مہیا کیا جائے تو کیا وہ اس کے لئے تیار ہو جائیں گی۔“

”اگر کوئی ان سے کہے کہ ان کا ایک ہاتھ کاٹ لیا جائے اور ان کے بدن کا ایک حصہ ایسا جس کے بغیر وہ چل پھر سکیں تو وہ خوشی سے اپنا وہ ہاتھ اور بدن کا وہ حصہ اس کے حوالے کرنے کو تیار ہو جائیں گی جو انہیں یہاں سے نکلنے پر آمادہ ہو۔“

”تیرے باڑے کی تمام لڑکیاں۔۔۔۔۔؟“

”ہاں اور وہ جنہیں میرے باڑے سے دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا ہے۔“

”گویا ان کے دلوں میں یہ تصور موجود ہے کہ وہ یہاں سے آزادی حاصل کریں۔“

”کون یہ بات نہیں چاہتا؟“

”تو اب کھڑی ہو جا میں خود تجھے تیرے باڑے تک چھوڑنے جا رہا ہوں۔۔۔۔۔ لڑکی نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر ہنس پڑی۔“

”ہنس کیوں رہی ہو۔۔۔۔۔؟“

”آہ دیکھو یہ نشہ بھی کیا عظیم شے ہے کبھی کبھی یہ انسان کو شیطان بنا دیتا ہے اور کبھی انسان۔ چلو اگر تم ایسا کرنا چاہتا ہو تو آؤ۔ میں تمہیں محبت بھری دعائیں دوں گی۔“ اور فینٹ مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ لڑکی کیا سوچ رہی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ یہ شخص نشہ میں اس قسم کی اول فلول باتیں کر رہا ہے لیکن بہر حال فینٹ اسے لے کر باہر نکل آیا۔ اس کے یہاں رکنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ چنانچہ لڑکی کو اس نے اس کے باڑے تک پہنچایا اور یہ دیکھا اس نے کہ دو پہرے دار جو باڑے کے سامنے موجود تھے اسے دیکھ کر مودب ہو گئے اور انہوں نے گردنیں خم کر کے اپنی جگہ چھوڑ دی گویا کسی کراہ کے لئے یہ گنجائش تھی کہ اس کی عزت کی جائے۔ تب فینٹ نے ان میں سے ایک کو اشارہ کیا اور وہ چابی لے کر اس کے پاس پہنچ گیا اور پھر اس نے تالا کھولا اور لڑکی کو اندر دھکیل دیا گیا۔ فینٹ وہاں سے واپسی کے لئے مڑ گیا تھا لیکن ایک بار اس نے پلٹ کر دیکھا تو لڑکی اپنے سلاخوں والے ہنگے کے سامنے کھڑی عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”اس کا خطرہ ہے۔“

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟“

”وہ سب وحشی بھئیے ہیں اور کسی اکیلی لڑکی کو اتنی رات کہیں سے نکل کر کہیں جاتے ہوئے دیکھ کر ان کے منہ سے پانی ٹپکنے لگے گا اور پھر میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ کیا ہو گا۔۔۔۔۔؟“

”گویا یہ فرض مجھے ہی سرانجام دینا ہو گا۔“

”کون سا فرض۔۔۔۔۔؟“

”تجھے واپس تیرے باڑے تک پہنچانے کا۔۔۔۔۔ لڑکی حیرت سے اسے دیکھنے لگی اور پھر بولی۔“

”تو مجھے عجیب سی کیفیت میں مبتلا کر رہا ہے۔“

”لڑکی سن۔ زندگی بہت قیمتی چیز ہے تجھے تیری مرضی کے خلاف تیری بستی سے کہیں دور بھیج دیا گیا تو کیا تو خوش رہ سکے گی۔“

”میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔“

”کیا۔۔۔۔۔؟“

”جی کہ ایسا ہونے سے پہلے ہی اپنی زندگی وے دوں گی۔“

”کیوں۔۔۔۔۔؟“

”اس لئے کہ میں اپنی سرزمین سے باہر نہیں جانا چاہتی۔“

”ہو سکتا ہے یہ لوگ تجھے یہاں سے لے جائیں وہ تجھے زیادہ بہتر طریقے سے رکھیں۔“

”اگر تیری کوئی بہن ہوتی یا تیری بیٹی ہوتی اور تو اس کے بارے میں یہ سوچتا تو میرا تصور کیا ہوتا۔۔۔۔۔؟“ فینٹ خاموش ہو گیا۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں سننا چاہتا تھا۔ حالانکہ نہ اس کی کوئی بہن تھی نہ بیٹی لیکن ہر وہ لڑکی اس کی بہن اور اس کی بیٹی تھی جو مظلوم ہو۔ اس نے خاموشی اختیار کر لی کہ لڑکی کی تلخ زبان سے کوئی اور بات نمودار نہ ہو جائے تو اس نے کہا۔“

”تو گویا کراہ ہر جگہ آ جا سکتا ہے۔“

”پاکل دیوانہ۔ یہ سوال تو مجھ سے کیوں پوچھ رہا ہے۔۔۔۔۔؟“

”دیکھ لڑکی اب میں تجھ سے ایک بہت اہم سوال کرنا چاہتا ہوں اور تو مجھے غور کر کے



نادر اپنی زندگی کا بھیاک ترین سفر طے کر رہا تھا۔ نہر جس طرح پہاڑ کے نیچے سے گزر رہی تھی وہ بھی ایک ناقابل یقین سا عمل تھا۔ یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ قدرتی نہر ہے یا پھر انسانی ہاتھوں نے اس کی بحیل کی ہے۔ لیکن بہر حال جو کچھ بھی تھا یہ ایک بھیاک سفر تھا اور پھر مہیب تاریکی جسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ لمحوں میں اسے نگل لے گی البتہ اس بات کے امکانات نہیں تھے کہ نہر میں گر پڑے یا دریائی گھوڑے نظر آئیں۔ ان کا خطرہ تو اس وقت شروع ہو گا جب یہ نہر دریا میں جا گرے گی۔ پھر یوں ہوا کہ تاریکیاں چھٹ گئیں اور تاروں بھرا آسمان سر پر نظر آنے لگا۔ تازہ ہوا کے جھونکے زندگی بخش تھے اور نادر نے یوں محسوس کیا کہ اگر کچھ لمحے اور وہ تازہ ہوا اپنے ہتھکڑوں میں نہ سمیٹ سکتا تو شاید زندگی کا خاتمہ ہی ہو جاتا۔ زندگی آخر ہے کیا چیز؟ وہ کسی بھی شکل میں ختم ہو سکتی ہے۔ ایک پھندا لگے اور سانس بند ہو جائے۔ کھاتے ہوئے غذا حلق میں اٹک جائے یا پھر ایک ٹھوکر لگے پھر اگر یہ ناپائیدار چیز اتنی ہی بیکار اور بے مقصد ہے تو اس کے لئے فکر کرنے سے کیا فائدہ اور ایسا احساس دل کو اپنی جسامت سے بہت بڑا کر دیتا تھا۔ پھر جب نہر دریا میں داخل ہوئی تو اسے شگھلا پڑا۔ اب اس کی جسمانی قوتوں کی صحیح آزمائش کا وقت آیا تھا اور دریا بہر حال تیز رفتار تھا اور اسے اندازے کی سمت سے اپنا اصل رخ اختیار کرنا تھا۔ جو اس کی معلومات کے مطابق تھا پھر وہ دریا کے بہاؤ پر تیرتا ہوا آگے بڑھنے لگا اور اب اس کی نگاہیں اصل جگہ کو تلاش کر رہی تھیں۔ کیونکہ صحیح مقام کا اسے صحیح علم نہیں تھا۔ یہ جان لیوا سفر بڑی خوفناک کیفیٹوں کا حامل تھا کہیں کہیں سرکنڈوں کی بیلیں پانی میں رنگ آئی تھیں، اور ان کے الجھاؤ سے بچنا ایک مشکل کام تھا، کہیں دریائی گھوڑا سر ابھارتا اور اپنا دیوبیکل منہ پھیلاتا تو یوں محسوس ہوتا جیسے انسان سیدھا اس کے حلق میں پہنچ جائے گا۔ دریائی گھوڑے تو اس قدر خوفناک نہیں تھے جتنے وہ گھریال جنہیں دیکھ کر دہشت ہوتی تھی اور جو کسی خشکی کے تودے کی طرح نظر آتے تھے۔ اور اس بھیاک سفر سے اگر بچ کر نکل جایا جائے تو بڑی بات ہے لیکن جب انسان اپنے دل میں اٹل ارادے کر لیتا ہے تو صورت حال بہت مختلف ہو جاتی ہے۔ اسے دور سے روشنیاں نظر آئیں اور پانی میں یہ روشنیاں ذرا مختلف انداز کی حامل تھیں لیکن کم از کم نادر جیسے شخص کو جو این علاقوں کا باشندہ نہیں تھا جو تہذیب کی روشنی سے محروم تھے اور جس کے پاس عقل ذرا وافر مقدار

میں تھی صورت حال کو سمجھ سکتا تھا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ پانی پر جھومتی ہوئی یہ روشنیاں سو فیصدی موثر بوٹ ہی کی ہو سکتی ہیں۔ اور یہ احساس کر کے اس کا دل خوشی سے اچھل پڑا کہ وہ مرحلہ جو اگر صرف گفتگو میں لایا جائے تو ناقابل عمل محسوس ہو گا لیکن جب عمل کی منزل سے گزرا جائے تو مشکلات خود بخود آسان ہو جاتی ہیں۔ یعنی وہ نہر کا اور دریا کا سفر طے کر کے بالآخر اپنی منزل پر پہنچ گیا تھا۔ اور احساس بڑی عجیب چیز ہوتی ہے۔ گویا انسانی جسم میں روح کی تحریک کا ضامن۔ اس وقت اس نے جس رفتار سے اس موثر بوٹ تک پہنچنے کی جدوجہد کی وہ بھی قابل دید تھی اور پھر جب موثر بوٹ کا لنگر اس کے ہاتھ میں آیا تو اس نے خوشی سے آنکھیں بند کر لیں اور لنگر کی زنجیر پکڑ کر دیر تک اپنے باپ کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اور جب حواس بحال ہوئے اور اس نے محسوس کیا کہ اب دریائی پانی میں اسے زیادہ دیر تک نہیں رکنا چاہئے تو وہ لنگر کی زنجیر پکڑ کر آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگا۔ موثر بوٹ اچھی خاصی بڑی تھی اور اس بات کے امکانات تھے کہ اس کے بدن سے وہ زیادہ ہلکولے نہیں کھائے گی۔ کم از کم اس وقت تک جب تک وہ اس کے کنارے تک نہ پہنچ جائے۔ لیکن چڑھنے کی رفتار بھی اس نے اس انداز کی رکھی تھی کہ موثر بوٹ کو زیادہ جھٹکے نہ لگیں اور جب اس کے کنارے پر پہنچا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے زندگی کا آخری سفر تک طے کر لیا ہو اور اب اس کے بعد کوئی فکر نہ ہو۔ یہ احساس اس نے اپنے دل میں سوئے رکھا تھا لیکن پھر اس سے بھی لکنا پڑا کیونکہ اسے قدموں کے آہٹیں سنائی دی تھیں۔ گویا ایک یا دو افراد ایسے ضرور تھے جو رات کے اس پہر بھی جاگ رہے تھے اور موثر بوٹ کی حفاظت کر رہے تھے۔ یہ یقینی طور پر شیخ بدر جمال کے آدمی ہوں گے جنہیں یہاں کے بارے میں مکمل معلومات ہوں گی کہ کس طرح یہاں وقت گزارا جا سکتا ہے۔

کنارے پر ٹھہر کر اب آرام کرنے کا وقت نہیں تھا بلکہ پہلے اپنے لئے کوئی ایسی بہتر پناہ گاہ تلاش کر لی جائے جس سے کم از کم ان پرہہ دینے والوں سے محفوظ رہا جاسکے۔ موثر بوٹ بہت خوبصورت تھی لیکن اس میں چھپنے کیلئے ایک بہتر جگہ موجود تھی یعنی موٹی رسیوں کے دو ڈھیر جو ایک گولے کی شکل میں پڑے ہوئے تھے اور ان کے درمیان خاصی جگہ موجود تھی۔ سب سے پہلے نادر حیات انہی کی جانب بڑھا پھر ان کے درمیان اتر کر اس نے بڑا سکون محسوس کیا۔ یہ ایک بہتر پناہ گاہ تھی اور تھوڑی ہی دیر کے بعد اس نے قدموں کی آواز سنی اور دو افراد کو دیکھا جن کے ہاتھوں میں جدید ساخت کی رافٹیں تھیں اور وہ ٹہلے ہوئے موثر بوٹ کا چکر لگا رہے تھے۔ نادر حیات کے پورے بدن سے پانی بہہ رہا تھا۔ اس

نے سوچا کہ بستر ہے بدن بھی تھوڑا سا خشک ہو جائے تو اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ آگے کیا کرنا ہے۔ ویسے اس نے اپنا خنجر محفوظ رکھا تھا اور ضرورت کے وقت اسے استعمال کرنے سے دریغ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ یہ رات بھر کی مہم تھی اگر بقیہ رات میں اس نے اپنا مقصد نہ پالیا تو اس کے بعد دن کی روشنی اس کی موت بن جائے گی۔ گویا قدم قدم پر زندگی کیلئے خطرات موجود تھے اور بدن کا ایک عمل تھا جسے جاری رہنا تھا۔ جس حد تک بھی ممکن ہو سکا اس نے کیا اور پھر اس کی نگاہیں اس کیمین کی جانب مگراں ہو گئیں جس میں روشنی تھی روشنی پردوں کے دوسری طرف سے ہی جھلک رہی تھی پھر جب وہ اپنی جگہ سے نکل کر اور ان لوگوں کو جو پہرہ دے رہے تھے غافل پا کر اس کیمین کے دروازے پر پہنچا تو اس نے کیمین کا دروازہ کھلا ہوا ہی دیکھا تھا اور جھانک کر اس نے اندر دیکھا کہ ایک قوی ہیکل شخص اسے بستر پر دراز نظر آیا جو گہری نیند سو رہا تھا اور اس کے خراٹے ابھر رہے تھے۔ اندازہ یہ ہوتا تھا کہ موثر بوٹ میں یہ شخص بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ بقیہ اور کتنے افراد یہاں موجود تھے اس کا صحیح طور پر اندازہ نہیں ہو سکا تھا اور نادر دبے قدموں اندر داخل ہو گیا اور مسری کے قریب پہنچ کر اس شخص کو دیکھنے لگا پھر اس نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

”اے شخص مجبوری ہے ایک بڑے کام کیلئے چھوٹی برائیاں کرنی پڑتی ہیں اور تو بھی کوئی اچھا انسان نہیں ہے، تو جو فرائض سرانجام دے رہا ہے وہ کسی طور بستر حیثیت کا حامل نہیں گویا تو ایک بے غیرت اور بے ضمیر انسان ہے جو ایک لڑکی کی خریداری کیلئے اپنے مالک کے اشارے پر یہاں پہنچا ہے چنانچہ اگر تجھے زندگی سے محروم کر دیا جائے تو یہ برا نہ ہوگا اور اس کے بعد نادر نے کوئی ایسا عمل نہ کیا جو اسے وقت ضائع کرنے پر مجبور کر دے۔ اس نے قریب رکھا ہوا ایک تکیہ اٹھایا اور اس کے بعد جلدی سے اچک کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔ اس نے تکیہ اس کے منہ پر ڈھک دیا اور پوری قوت سے اسے دبایا۔ کچھ لمحے تو کوئی حیرت نہ ہوئی۔ اس کے بعد جب اس شخص کا دم گھٹا تو اس نے اپنے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیئے اور شدید جدوجہد کی کہ نادر کو اس پر قائم رکھنا اپنے آپ کو مشکل ہو گیا لیکن بہر حال وہ ایک سوتا ہوا شخص تھا اور نادر کو اپنی اس بزدلانہ حرکت پر دکھ بھی ہو رہا تھا۔ اگر کسی سے جنگ ہی کرنی ہے تو کم از کم اسے ہوشیار کر کے کی جائے لیکن بعض جگہ ایسا عمل کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے اور اس وقت نادر نے خود کو ایسے خیالات سے آزاد کرنا ضروری سمجھا پھر جب اس کے بدن میں تحریک ختم ہو گئی تو نادر نے تکیہ ہٹا کر

اسے دیکھا وہ مرچکا تھا لیکن جو قابل افسوس تھا پھر اس کے بعد وہ کھوئے کھوئے انداز میں اسے دیکھتا رہا پھر اس کی نبض دیکھی سانسوں کی آمدورفت کا جائزہ لیا اور یہ اندازہ ہو گیا اسے کہ ایک سوتا ہوا شخص سوتے ہی میں عالم فانی سے کوچ کر چکا ہے۔ اس کے بعد جدوجہد اور عمل شدید جدوجہد اور شدید عمل، نادر نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنا پانی ہرا لباس اتارا اور اس کی گٹھری بنا کر اسے اچھی طرح لپیٹ لیا۔ دوسرا عمل اس نے یہ کیا کہ اس شخص کا ایک لباس تلاش کر کے اپنے جسم پر پہن لیا۔ ظاہر ہے اب اسے بے لباس کرنا بے معنی تھا۔ اس کے بعد دوسرے کام کرنے تھے اور نادر آوارہ روح کی مانند تاریکیوں میں نکل آیا کہ یہ تاریکیاں اس وقت اس کی بڑی معاونت کر رہی تھیں اور اس نے ایک ایسا چھوٹا لنگر تلاش کر لیا جو لوہے کے گولے کی شکل میں تھا اور اس میں زنجیر بندھی ہوئی تھی لیکن ایسی کہ اس میں تالا بھی لگایا جاسکے شاید یہ غلاموں کو قید کرنے کیلئے ایک وزن تھا یقینی طور پر ایسی ہی بات تھی اور اس وقت وہ جو کرنے والا تھا خود شکار ہو رہا تھا ممکن ہے اس شخص نے جس نے یہ سب کیا ہو کبھی کسی ایسے شخص کو اسی انداز میں زندگی سے محروم کیا ہو جس طرح یہ شخص خود محروم ہو رہا ہے۔ پھر اس کے سینے پر اس نے زنجیر باندھی وزنی گولے کو اس نے پہلے کی کنارے پر پہنچا دیا تھا اور زنجیر میں لٹکایا اور اس کے بعد اس شخص کو، اور چھپا کے کے ساتھ وہ پانی میں جا کر ا وزنی گولا اسے دریا کی گہرائیوں میں لے جا رہا تھا۔ اس وقت یہ خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا تھا کہ اس کی لاش کو اسی طرح پانی میں پھینک دیا جائے ممکن ہے وہ کسی کو دستیاب ہو جائے اور اگر ایسا ہو گیا تو مارا کام بگڑ جائے گا۔ نادر بار بار ایسے خطرات مول لیتا نہیں چاہتا تھا جب اسے اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ ایک شخص رخصت ہو گیا ہے تو وہ واپس پلٹا لباس تو اس نے تبدیل کر ہی لیا تھا اور اس کے بعد کیمین میں داخل ہو کر اس نے دوسری جگہوں کی تلاشی لی یہاں خاصا اسلحہ موجود تھا اور جو شے اسے ایک آہنی بکس میں ملی وہ سونے کے سکوں کی بہت سی تھیلیاں تھیں جن کی تعداد تقریباً بارہ سے لے کر پندرہ تھی اور اتنا سونا دیکھ کر نادر کے منہ میں پانی بھر آیا وہ لالچی نہیں تھا لیکن دولت ہی تو اس کا سب سے اہم مقصد تھی پھر اس نے سوچا کہ ابھی راستے میں رکنا مناسب نہیں ہے۔ یہ سونے کی تھیلیاں یقینی طور پر اس کے کام آسکتی ہیں لیکن وہ عمل درمیان میں رک جائے گا جو اس کی ذات سے منسوب کر دیا گیا ہے اس کا لالچ نہیں کرنا چاہئے۔ اور یہ اندازہ لگا لیا اس نے کہ سونے کی یہ تھیلیاں یہاں کیوں موجود ہیں لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ بقیہ افراد جو اس شخص کے ہمراہ

انہوں نے شدید فائرنگ کر کے موٹر بوٹ کو خاصا نقصان پہنچایا تھا لیکن سب سے بڑا نقصان ان چھ افراد کی موت کا تھا جو دیکھتے ہی دیکھتے لقمہ اجل ہو گئے تھے بمشکل تمام ادھر سے فائرنگ بند ہوئی اور نادر ہوشیار تھا اور اپنے اگلے قدم کیلئے خنجر، تو دوسری طرف خاموشی چھائی رہی اور جب ابھرے اور کوئی کوشش نہ ہوئی تو وہ لوگ آہستہ آہستہ اس عارضی پل سے آگے آنے لگے جو ان کے اور موٹر بوٹ کے درمیان خصوصی طور پر رسیوں کے ذریعے بنایا گیا تھا کیونکہ موٹر بوٹ بہر حال تھوڑے سے پانی میں لنگر انداز تھی دو افراد رانقلیں سنبھالے آگے آ رہے تھے کچھ چیختے چلے آ رہے تھے جبکہ بقیہ افراد ان کے پیچھے رانقلیں تانے کھڑے ہوئے تھے کہ اگر مزید کوئی کوشش ہو تو وہ اس کا بھرپور جواب دیں آنے والے چیخ رہے تھے کہ اے یو قوفو اے احمق کیا بات ہو گئی آخر پتہ تو چلے دیکھو ہم تم سے جنگ کرنے نہیں آئے بلکہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کون سی غلط فہمی تھی جس کی بنا پر تم نے ہمارے تین آدمی ہلاک کر دیے اور نتیجے میں خود زخمی ہوئے پھر رسیوں کا پل عبور کر کے وہ موٹر بوٹ پر آگئے تو نادر نے چیخ کر کہا۔۔۔۔۔

”تم لوگوں نے میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دیا ہے اور میں تمہاؤں جو زندہ بچا ہوں لیکن خبردار اب اس کے بعد کوئی گولی نہ چلانا ورنہ اس کا جواب تمہیں اپنے آقا ٹورنا ڈو کو دینا پڑے گا سوچ لینا سمجھ لینا میں اس موٹر بوٹ کا وہ شخص بول رہا ہوں جو سب میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے اور میں تنہا رہ گیا ہوں چونکہ تم نے میرے چھ افراد کو قتل کر دیا ہے۔“

آنے والے اس کے قریب پہنچ گئے اور انہوں نے چیخ کر کہا۔

”ہم تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ واقعہ کیا ہوا اور خبردار ہم میں سے کسی کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا۔۔۔۔۔“ تو پھر نادر آہستہ آہستہ ان کے سامنے آگیا وہ بھٹی بھٹی نگاہوں سے نادر کو دیکھ رہے تھے نادر نے کہا۔

”آہ یہ تم نے یہ کیا کیا اور کیوں کیا ہم تو تمہارے مہمان تھے اور سفید بھڑیے یعنی ٹورنا ڈو سے تو بدر جہاں کے تعلقات بہت اچھے تھے لیکن ایسا کیسے ہوا۔۔۔۔۔“ یہ سب محنت کا نتیجہ ہے اس جلد بازی کا جس کے بارے میں سمجھا نہ گیا یہ قابل افسوس واقعہ ہے اور یقینی طور پر اس کے بعد یہاں جو لوگ موجود ہیں ٹورنا ڈو انہیں زندہ نہیں چھوڑے گا کیونکہ بہر حال تم ان کے مہمان تھے لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم نے آخر ہم پر فائرنگ کیوں کی۔“

”اے یو قوفو میں تو مگرمی نیند سو رہا تھا میں نے فائرنگ کی آواز سنی تو جاگا اس کے بعد

یہاں آئے تھے ان میں سے دو پہرے پر موجود تھے اور اس کے لئے نادر نے ایک عمارت طریقہ کار سوچ لیا۔ چنانچہ رانقل لوڈ کرنے کے بعد وہ اپنے دوسرے مرحلے کیلئے تیار ہو گیا لیکن اس کے لئے اسے وقت کا انتظار کرنا تھا اور جائزہ لینا تھا کہ کتنے افراد یہاں موجود ہیں۔ پھر جب وہ اس مہم پر نکلا تو اس نے اس چھوٹی سی موٹر بوٹ کا جائزہ لیا تو وہاں چھ افراد کو پایا جن میں سے دو پہرے پر فروکش تھے لیکن موٹر بوٹ کے سامنے والے حصے میں اس نے دیکھا تو وہاں بھی اسے بہت سے لوگ نظر آئے لیکن یہ سیاہ فام تھے اور وہ جو سفید بھڑیے کے ساتھی تھے یعنی جہاں موٹر بوٹ قیام ہوئی تھی وہاں ایک چھوٹا سا کیپ بنالیا گیا تھا جس میں وہ لوگ موجود تھے جنہیں ان معزز مہمانوں کی پذیرائی کرنی تھی اور بالآخر انہیں سفید بھڑیے کے سامنے پہنچانا تھا کہ یہ بدرجہاں کے آدمی تھے اور نادر کو تو یہ بہتر ہی موزوں محسوس ہوا اور اس نے سوچا کہ اب ان خوشخوار بھینٹوں کو ٹھونڈنا چاہئے لیکن اس وقت جب سورج کی روشنی نمودار ہو جائے اور یہ سب جاگ کر اپنی زندگی کے عمل میں مصروف جائیں تو اس کے لئے ایک طویل انتظار ضروری تھا اور رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ بدن اٹھن کا تو کوئی جواب ہی نہیں تھا۔ انگ انگ ٹوٹ رہا تھا لیکن ایسے موقعوں پر ہی تو ہمارے قدمی عمل کی دنیا میں کامیاب کرتی ہے تو پھر وقت نے اسے موقع فراہم کیا اور وہ چھ افراد ایک جگہ جمع ہو گئے اور آپس میں کچھ گفتگو کرنے لگے جبکہ دوسری جانب سفید بھڑیے۔ مسلح آدمی بھی موجود تھے اور نادر نے اپنے لیے ایک بہترین مورچہ بندی کی اور اس۔ بعد رانقل سنبھال لی پھر وہ ان لوگوں کا نشانہ لینے لگا جو دریا کے ساحل پر اپنے کاموں۔ مصروف تھے پھر فائرنگ کی آواز آئی اور ان میں سے تین افراد شدید زخمی ہو کر زمین تڑپنے لگے لیکن وہ چھ اچھل پڑے تھے اور یہ اندازہ نہیں لگا پائے تھے کہ فائرنگ اس۔ سے ہوئی ہے یا اس سمت سے، لیکن وہ جو دریا کے دوسرے کنارے پر تھے اپنے آدمیوں اس طرح تڑپتے دیکھ کر برا فروخت ہو گئے اور اسکے بعد ادھر سے بھی حملہ شروع ہو گیا۔ نے اپنی جگہ تبدیل کر دی اور عقبی حصے میں آگیا اس نے رانقل ایک جانب پھینک تھی گویا وہ اس کے ہاتھوں تک پہنچی ہی نہیں تھی لیکن ادھر سے ہونے والی فائرنگ ادھر موجود چھ افراد کو گولیوں سے بھون ڈالا اب وہ سب بوٹ میں گر کر تڑپنے لگے نادر سارا منظر دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر آسودہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی وہ ہو گیا جو نے کرنا چاہا تھا اور یہ اندازہ تو اسے ہو ہی چکا تھا کہ یہ صرف چھ افراد ہیں دوسری۔ سفید بھڑیے کے جو آدمی اپنا عمل کر چکے تھے سخت بھرے ہوئے نظر آ رہے تھے

تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی تھی پھر جب روشنی پھوٹی تو وہ بھی انھی غلاموں کے درمیان اسی طرح لیٹا ہوا تھا جیسے دوسرے یہاں تک کہ غذا تقسیم کرنے والے آگئے اور ان کی آنکھوں پر چربی چھائی ہوئی تھی کہ وہ ایک نئے شخص کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکے لیکن وہاں جو لوگ موجود تھے ان میں سے کچھ نے اسے اجنبی نگاہوں سے دیکھا اور ایک شخص جو ذرا لمبا چوڑا اور طاقتور نظر آتا تھا اس کے قریب بیٹھ کر اپنی صبح کی غذا کھانے لگا تو اس نے پوچھا۔

”کوئی قبیلے سے تیرا تعلق ہے۔۔۔۔۔“ فینٹ نے غناک نگاہوں سے اسے دیکھا

اور بولا۔۔۔۔۔

”آہ میں انھی ویرانیوں کا باشندہ ہوں مگر تو کون ہے تیرا کیا نام ہے۔۔۔۔۔“

”پھوٹان اور شانڈ تو نیا آیا ہے یہاں۔۔۔۔۔“

”ہاں میری بد قسمتی مجھے یہاں لے آئی ہے۔۔۔۔۔“

”حالانکہ تو ایک توانا انسان ہے اور تو نے جدوجہد نہ کی ہوگی۔۔۔۔۔“

”مجھ سے زیادہ تو توانا تو ہے پھوٹان تو نے جدوجہد کیوں نہ کی۔۔۔۔۔“

”مجھے بے خبری میں پکڑا گیا تھا۔۔۔۔۔“

”ہو سکتا ہے میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہو۔۔۔۔۔“

”اور افسوسناک بات تو یہ ہے کہ یعنی وہ لڑکیاں جو ہمارے قبیلوں کی کمزور مخلوق ہیں

آہ ہم ان کی حفاظت نہ کر سکے۔۔۔۔۔“ جواب میں پھوٹان کی آنکھوں میں قہر نمودار ہو گیا

اس نے کہا۔۔۔۔۔

”اور ہمیں خود کو سزا دینی چاہئے یعنی غلاموں کی طرح فروخت ہو کر بے عزتی کی

زندگی برداشت کرنی چاہئے کیونکہ ہم میں مقابلے کی سکت نہ تھی۔۔۔۔۔“

”لیکن تو کہتا ہے کہ بے خبری میں پکڑا گیا۔“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے دوسرے تو تھے سبھی بے خبری میں نہ پکڑے گئے اور سفید

بھڑاٹان پر جا پڑا اس نے ہماری عورتوں کو بھی نہ چھوڑا اور ہمارے قبیلے میں آگ لگا

دی۔۔۔۔۔“

”اگ۔۔۔۔۔“ فینٹ کے ذہن میں ایک شعلہ سا بھڑکا اور وہ سوچ میں

دُوب گیا جبکہ پھوٹان گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا فینٹ نے سر دلیجے میں کہا۔

”اور ہم میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ ہم انہیں شعلوں میں غرق کر دیں۔“

میری ہمت نہ پڑی کہ تمہاری گولیوں کی بوچھاڑ میں آ جاؤں مگر تم بتاؤ کہ کیا ہوا۔۔۔۔۔“

”پہلے تمہاری کشتی سے ہم پر گولیاں چلائی گئیں اور وہ جو سپرے پر موجود تھے انہیں علم نہیں تھا کہ ان گولیوں کے جواب میں انہیں کیا کرنا چاہئے؟ انہوں نے بھی اندھا دھند فائرنگ کر ڈالی جس کے نتیجے میں دلدوز واقعہ پیش آیا۔۔۔۔۔“

”آہ اب میں اپنے آقا کو کیا جواب دوں گا میرا مالک بدر جہاں بہت غصہ والا انسان ہے اور میں میں خود بھی کسی سے کم نہیں ہوں دل چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو میں اپنی رانقل سے بھون ڈالوں لیکن میرے آقا کا حکم نہیں ہے اب جلدی کرو کہ مجھے تمہارے آقا یعنی نورناڈو سے ملنے کا موقع مل سکے اور یہ افسوسناک واقعہ آہ میں اپنے آقا کو کیا جواب دوں گا۔۔۔۔۔“ نادر نے افسوس بھرے لہجے میں کہا اور وہ جانتا تھا کہ وہ کوئی ایسا شخص نہیں جو اس کا شناسا ہو چنانچہ وہ بے فکری سے ساری گفتگو کر رہا تھا اور اس نے درحقیقت ان لوگوں کو مشکل میں ڈال دیا تھا دونوں آنے والے اسے دلاسا دے کر واپس لوٹ گئے پھر وہ اپنے لوگوں سے مشورہ کرنے لگے آخر میں انہوں نے پھر یہاں واپس آکر کہا۔

”ہم فوری طور پر اس واقعے کی اطلاع نورناڈو کو پہنچا رہے ہیں تاکہ وہ تمہارے بارے میں مناسب فیصلہ کرے۔“

”میں انتظار کر رہا ہوں میں انتظار کر رہا ہوں۔۔۔۔۔“ نادر شکر شکل بنا کر بیٹھ گیا لیکن فکر صرف اس بات کی تھی کہ بقیہ مرحلہ کس طرح طے ہوتا ہے یہ دیکھا جائے۔۔۔۔۔



گویا دونوں ہی اپنے اپنے طور پر بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے تھے فینٹ نے یہاں کا باشندہ ہونے کے باوجود مذہب دنیا میں پرورش پائی تھی اور جب اسے دماغ کے استعمال کا موقع ملا تو اس نے اس پر پورا پورا زور ڈال رکھا تھا اور اس رات میں اس نے جو کارنامے سرانجام دیے وہ شاندار تھے یعنی اس نے اپنے لباس پر بنے ہوئے نشان سے فائدہ اٹھا کر غلاموں کے بہت سے باڑے دیکھ ڈالے اور پھر ایک جگہ اس نے رات کے آخری مرحلے میں ایک زبردست کام سرانجام دیا یعنی اپنا لباس بڑی احتیاط سے اتار کر وہ غلاموں کے باڑے میں اس جگہ پہنچ گیا تھا جو کھلا ہوا تھا اور وہاں سپرے داری نہیں تھی یعنی وہ خود غلاموں میں شامل ہو گیا تھا بس اتنا سا فرق تھا کہ اس نے اپنے لباس کو الٹا کر کے پہن لیا تھا اور وہ عبا چھپا دی تھی جس پر وہ نشان بنا ہوا تھا۔ یہ کام اس نے اتنی مہارت سے

”پھوٹان ابھی جلدی نہ کرنا ذرا سا وقت کا انتظار کر لے میں کوشش کروں گا کہ یہ سب کر سکوں“ اور پھر فینٹ اس کے پاس سے ہٹ آیا تھا لیکن ایک خوشی ایک جذبہ لئے ہوئے اور درحقیقت کیا ہی خوبصورت تصور تھا یہ کہ ان بستیوں کو آگ لگا دی جائے اور کچھ ایسا ہو جائے جس کی بناء پر وہ آزادی حاصل کر کے اس سارے کھیل کو ہی ختم کر دیں اور یہی تو نلن کا مقصد تھا یہی ان کا مشن لیکن کاش نادر بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہو

”آؤ پھر مجھے فیصلہ کرنا پڑے گا سوچتا پڑے گا آہ کاش وہ ان لوگوں کے درمیان پھنس کر نہ رہ جائے اور ایسا نہ ہو کہ میرا کام دیر اختیار کر جائے اور بڑا مشکل مسئلہ تھا یہ اور فیصلہ کرنا انتہائی دشوار اب فینٹ نے یہ سوچا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے نادر کو تلاش کیا جائے کوہالہ کے پاس سے ہٹ کر وہ اس کام میں مصروف ہو گیا نادر کہاں جا سکتا ہے کیا کر سکتا ہے وہ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تمام وقت کے دوران یعنی وہ سفر جو ان

چھوڑ کر وہ یہاں پہنچا تھا اور اس کے لئے ان لوگوں نے خاص انتظام کیا تھا اسے اس کل سے مقرر کیا گیا تھا اور پھر وہاں سے آگے بڑھ کر وہ مختلف راستے طے کرنے لگا جہاں سے گزر کر وہ پہنچ سکتا تھا چاند طلوع ہو گیا تھا اور چاندنی ٹھہرنے لگی تھی اور نادر کو لانے والے بڑے صبر و سکون سے اسے لے جا رہے تھے یہاں تک کہ وہ عظیم سائبان کے نیچے نیچے جیسے بڑے عجیب سے انداز میں سجایا گیا تھا اور نادر نے وہاں مختلف لوگوں کو دیکھا یہ مخلوط نسل کے لوگ تھے کسی کا تعلق غیر ممالک یعنی سفید ملکوں سے تھا کچھ پرنگائی تھے اور کچھ افریقہ کے ممالک کے سیاہ فام لیکن سارے کے سارے خوفناک شکل کے مالک ان کی آنکھوں سے سنگدلی عیاں تھی اور یہ لوگ انسانی خون کو پانی سے زیادہ ارزاہ سمجھتے تھے ہر ایک کے چہرے سے مکاری ٹپک رہی تھی گویا یہ شیطانوں کا گروہ تھا جو گوشت اور خون کا پیو پار کرتا تھا زیادہ تر لوگ بری حالت میں تھے اور ان کے درمیان وہ شخص کھڑا ہوا تھا جس کا نام ٹورناڈو تھا جو ان سب کا تربیت کنندہ تھا اور شاید ان سب سے بڑا شیطان تب کسی نے اس کے سامنے پہنچ کر اسے کہا۔

”ہمارا آقا ہمارا رہنما۔۔۔۔۔“ نادر نے اسے پہچان لیا تھا لوگ جو اسے گھیرے کھڑے تھے اور اعلیٰ درجے کے لباسوں میں ملبوس تھے اور اس کے قریب سے ہٹ گئے وہ ان سے ہنس کر باتیں کر رہا تھا تو نادر نے اسے قریب سے دیکھا وہ اچھی جسامت کا مالک تھا اس کی آنکھیں کالی اور چھوٹی تھیں اور عیاری اس کی آنکھوں میں گردش کر رہی تھی عجیب سی ٹھنڈی کیفیت اس کی آنکھوں میں بھٹک رہی تھی یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ موت پر سکون ہے اور دنیا کی کوئی فکر نہ رکھتا ہو لیکن نادر کو دیکھ کر اس نے اپنے چہرے کو سنجیدہ بنایا اور آگے بڑھ کر ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

”آ اے شخص اور مجھے افسوس ہے کہ جو واقعہ ہوا وہ میرے اور بدر جمال کے درمیان مشکل کا باعث بن سکتا ہے۔ لیکن سن ایسا جو کچھ بھی ہوا کچھ غلط فہمی ہی میں ہوا اور یہ بتانے والے موجود نہیں ہیں کہ ایسا کیوں ہوا اور بہت پریشانی کی بات ہے یہ اور میں اس کے لئے افسردہ ہوں اور اگر ممکن ہو سکے تو میری اس افسردگی کا اظہار تو اپنے آقا اور میرے دوست یعنی بدر جمال سے بھی کر دینا بہر حال یہ تو ابتدائی باتیں ہوئیں اور میں چاہتا ہوں کہ تو زیادہ عرصے یہاں قیام نہ کر اور اپنا مقصود لے کر یہاں سے روانہ ہو جا کیونکہ میں بہت جلد اسے اپنے آپ سے دور کر دینا چاہتا ہوں مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ میرے درمیان بنائے فساد بن جائے گی کیونکہ وہ اس قدر حسین ہے کہ خود میرے گروہ کے

لوگوں نے اب تک کیا اور اس کے بارے میں تمام تر کوشش کی گئیں نادر ایک شاندار شخصیت کا مالک ثابت ہوتا رہا تھا اور فینٹ کو نبھانے کیوں یقین تھا کہ عظیم آقا کسی بھی طرح مشکل کا شکار نہیں ہو سکے گا بلکہ وہ حالات پر قابو پانا جانتا ہے لیکن اس کی تمام کوششیں ناکام ہی رہیں نادر اسے دستیاب نہیں ہو سکا تھا البتہ اس قسم کے ذرائع حاصل ہو گئے تھے۔ جس سے اس کا کام آسان ہو جائے یعنی سب سے پہلی بات تو یہ کہ وہ کنجیاں جو عظیم ذخیرے کی شکل میں ایک جگہ جمع رہتی تھیں اور ضرورت پڑنے پر ان میں سے ایک آدھ کنجی نکال کر کسی غلام کے ہاتھ پاؤں کھولے جاتے تھے اسے حاصل ہو گئیں ذخیرہ یعنی ہتھیار تو وہ دیکھ ہی چکا تھا لیکن ایک جو بہت دلچسپ بات اس نے دیکھی وہ یہ کہ کبھی کبھی سامان کی ادھر سے ادھر منتقل کیلئے ان کالے غلاموں کو استعمال کیا جاتا تھا اور وہ اپنے شاندار پر بہت سی چیزیں لاد کر ایک قطار کی شکل میں کسی نہ کسی نشان والے کے ساتھ سفر کرتے تھے اور نشان والوں کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ ضرورت کے مطابق ان قیدیوں کو حاصل کر لیں تو فینٹ یہ سوچنے لگا کہ طریقہ کار بہت مناسب ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ نادر سے رابطے کا ذریعہ کیا ہو لیکن تھوڑا سا ضروری تھا تاکہ جب اس کام کا آغاز جائے تو نادر کے علم میں ہو، یوں نہ ہو کہ فینٹ تو کامیاب ہو جائے اور نادر ناکام رہے نہیں اس سے ملے بغیر یہ سب کچھ مناسب نہیں ہو گا اس نے آخری فیصلہ کیا۔



اور ادھر نادر اپنی زندگی کی سب سے عجیب مہم سے گزر رہا تھا اور اپنی کوششوں میں مصروف تھا تو بات چونکہ آگے بڑھ چکی تھی اور صورت حال ایسی تھی کہ نادر کو اس پر عمل کرنا اب بہت ضروری ہو گیا تھا کیونکہ ضائع ہونے والا وقت قطعی طور پر غیر مناسب تھا تھوڑی سی غلط فہمیاں دور ہوئیں بات شاید کسی نہ کسی شکل میں سفید بھیڑیے تک پہنچائی گئی کیونکہ وہاں سے جو لوگ یہاں آئے تھے وہ بڑی عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھے یہاں پہنچ کر انہوں نے نادر سے ملاقات کی اور کہا۔

”بدر جمال کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا ہے وہ بڑا ہی افسوسناک ہے اور بات بالکل سچ میں نہیں آئی کہ ایسا کیوں ہوا لیکن جب غلط فہمیاں ہوتی ہیں تو ایسی پریشانیاں لاحق ہو جاتی ہیں اور ہمیں اس کا بہت افسوس ہے جس کا اظہار ٹورناڈو نے کیا ہے اور کہا ہے کہ عزت کے ساتھ تجھے اس تک لایا جائے تو کیا تو وہاں چلنے کیلئے تیار ہے اور نادر نے آمادگی کا اظہار کر دیا تب وہ لوگ اسے لے کر چل پڑے اور نادر ایک بار پھر اسی خوفناک جگہ جانے لگا۔

بست سے لوگ جنہوں نے زندگی بھر میرے ساتھ رہ کر کمائی کی ہے اس کی خریداری کے خواہاں ہیں اور اگر میں انہیں منع کروں گا کہ مجھے خوف ہے کہ اس کی وجہ سے خون خرابا نہ شروع ہو جائے۔“ نادر نے کہا۔

”افریقہ کے مذہب انسان میرے مالک بدر جمال نے مجھے اختیارات دیئے کہ میں تم سے سودا کروں اور تیری ہر بات کو قبول کر لوں لیکن میرے ساتھ جو لوگ آئے تھے وہ یہاں سے رخصت ہو گئے اور میں ان کے لئے غمزہ ہوں اور بہت پریشان کہ آخر کار کیا کروں اور مجھے اپنی موٹر بوٹ لے کر واپس بھی جانا ہے جس کے لئے میرے پاس کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو میری موٹر بوٹ کو واپس میرے مالک کے جہاز تک پہنچا دے۔“

”اس کی تو فکر ہی نہ کر میں تجھے ایک ایسا آدمی فراہم کر دوں گا جو یہ کام کرے گا۔“

”تو پھر میں اب اور کیا کروں۔۔۔۔۔“

”تیری ذمہ داری ہے کہ تو اپنے آقا کو وہ صورت حال بتا دے جو میرے لئے ہوئی اجنبی ہے اور میں واقعی اس سلسلے میں ایک بے گناہ انسان ہوں یعنی میرے علم میں ہی نہیں تھا کہ ایسی کوئی بات ہو سکتی ہے اور بس اس قدر معذرت کافی ہے کہ اس سے زیادہ میں کسی سے معذرت نہیں کرتا یہ بدر جمال کا اپنا ذاتی فعل ہو گا کہ آئندہ وہ مجھ سے رجوع کرے یا نہ کرے لیکن یہ صرف ایک اتفاقیہ واقعہ ہے جس میں خود میں ملوث نہیں ہوں۔۔۔۔۔“

”میں جانتا ہوں اور اس کا تذکرہ میں اپنے مالک سے بے شک کر دوں گا۔“

”تیرا شکریہ تو بتا کہ کیا تو اس ذہرہ جمال کو دیکھنا چاہتا ہے جس کے حسن کا کوئی ثانی نہیں۔“

”ہاں اگر ایسا ہو تو بڑی اچھی بات ہے چونکہ یہی میرے مالک کا حکم ہے۔“

”ہاں اور ہمارے درمیان ایسا ہی ہوتا ہے چونکہ مختلف لوگ آتے رہتے ہیں اور ان کے آنے کے بعد ہمارے درمیان یہ سودے طے ہو جاتے ہیں۔“

”تو پھر تو مجھے بتا کہ کیا کیا جائے۔“

”بہتر یہ ہے کہ اسے طلب کر لیا جائے۔“

”بہت مناسب ابھی میں انتظام کرتا ہوں جاؤ اس لڑکی کو یہاں لاؤ۔۔۔۔۔“ اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا اور وہ لوگ وہاں سے چل پڑے قرب و جوار کے لوگ اب ساتھ ہوئے جا رہے تھے اور نادر محسوس کر رہا تھا کہ وہ سب میش کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔

”بہت مناسب ابھی میں انتظام کرتا ہوں جاؤ اس لڑکی کو یہاں لاؤ۔۔۔۔۔“ اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا اور وہ لوگ وہاں سے چل پڑے قرب و جوار کے لوگ اب ساتھ ہوئے جا رہے تھے اور نادر محسوس کر رہا تھا کہ وہ سب میش کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔

”بہت مناسب ابھی میں انتظام کرتا ہوں جاؤ اس لڑکی کو یہاں لاؤ۔۔۔۔۔“ اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا اور وہ لوگ وہاں سے چل پڑے قرب و جوار کے لوگ اب ساتھ ہوئے جا رہے تھے اور نادر محسوس کر رہا تھا کہ وہ سب میش کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔

”تجھ پر ہزاروں بار لعنت ہو سفید بھیریے کہ تو انسانوں کو کس طرح ان کی زندگی سے محروم کر دیتا ہے لیکن میں نے تو تیرا کچھ نہیں بگاڑا میں بے کس مجبور ہوں میں تجھ سے انتقام کرتی ہوں کہ مجھے جانے دے یہاں سے۔“

”بہت مناسب ابھی میں انتظام کرتا ہوں جاؤ اس لڑکی کو یہاں لاؤ۔۔۔۔۔“ اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا اور وہ لوگ وہاں سے چل پڑے قرب و جوار کے لوگ اب ساتھ ہوئے جا رہے تھے اور نادر محسوس کر رہا تھا کہ وہ سب میش کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔

”تو یہاں سے جائے گی لیکن ایک ایسی شخصیت بن کر کہ جس کی مثال لوگ دیا کرے اور یہ شخص تیرے لئے آیا ہے لیکن سوچ لے کیونکہ تجھے اس سے تعاون کرنا ہوگا۔“
 ”تو اپنی بکواس بند کر، لیکن اے شخص تو بھی سن جبکہ تو ایک اچھی صورت اور شہسیرت فطرت کا مالک معلوم ہوتا ہے میں تم لوگوں سے نہیں ڈرتی کیونکہ میں نے اپنا خدا کے سپرد کر دیا ہے میں اب بھی تم سے یہ کہتی ہوں کہ تم مجھ پر جتنا چاہو ظلم کرو خدا کے انصاف کے آگے تمہاری کچھ نہ چلے گی دیکھ لینا کہ کیا تباہی نازل ہوتی ہے اور میں تم سے یہی کہتی ہوں کہ انتظار کر اب ہونا وہی ہے جو میں کہہ رہی ہوں۔“
 ”اور سن اگر تو یہ چاہتی ہے کہ میں تیرے ساتھ پہلی بار ظلم کا سلوک کروں تو تو کے لئے مجھے مجبور کر رہی ہے ورنہ اپنی زبان بند رکھ اور اس شخص کو پہچان کہ یہ تیرا مالک کا خادم اور آنے والے وقت میں تیرا خادم ہو گا“ تب میشل کی نگاہیں نادر کی جانب اٹھیں اور نادر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا اس کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے۔
 ”میرے لئے کیا حکم ہے مجھے بتاؤ نادر کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔“

”چونکہ ایک واقعہ ہو چکا ہے اور ایسا جو ناخوشگوار ہو اس لئے اس وقت میں تمہیں سوئے بازی تو نہیں کروں گا اور چونکہ بدر جمال ایک اچھا تاجر ہے اور بیروں کی قدر ہے تو اس کے لئے جو کچھ لایا ہے وہ میرے حوالے کر اور زرا بتا کہ سونے کے تھیلے کی تھیلیاں تیرے ساتھ ہیں“ اور نادر نے وہ سب کچھ اس کے سامنے کر دیا جو اسے بوٹ میں ملا تھا اور اسے دیکھ کر سفید بھیڑیے کی آنکھوں میں ہوس کی چمک لہانے لگی اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہر چند کہ یہ سب کچھ اس کے آگے نہ ہونے کے برابر ہے سمجھ رہا ہے نا تو بات بدر جمال کی ہے اور میں اس کی خواہش سے انکار نہیں کر سکتا“ اب یہ تیری کہ ہے اور میں تجھے تیرے مالک کیلئے مبارکباد دیتا ہوں۔“

”شکریہ۔۔۔۔۔ اور یوں اس لڑکی کا سودا ہو گیا اور نادر نے اس مسئلے کو اپنی جان کہ کم از کم اور کچھ نہیں تو ایک کام کا آغاز تو ہوا دیکھنے والے ساکت تھے اور بری سے نادر کو دیکھ رہے تھے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ بھلا یہ شخص کیا حیثیت رکھتا ہے پھر سفید بھیڑیے نے کہا۔

”اور اب تو یہ بتا کہ تیری واپسی کب تک ہوگی۔“

”جلد از جلد کیونکہ میرا مالک میرا منتظر ہو گا۔“

”تو ایک رات تجھے یہاں قیام کرنا ہو گا تاکہ تو اس لڑکی کو اپنے مالک کے بارے میں ایسی تفصیلات بتا دے اور خیال رکھنا بدر جمال کی امانت میں خیانت کرنے کا کیا مطلب ہے۔“

”میرے آقا کے بارے میں یہ بات تم مجھے بتا رہے ہو نادر ناؤ۔“

”ہاں کیونکہ میرا اور اس کا قدیم ساتھ ہے۔“

”میں اپنے مالک کا وفادار ہوں اور ہونے والی مالکہ کے لئے جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔“ نادر ناؤ نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا کہ ان کے لئے بہتر جگہ قیام کا بندوبست کیا جائے اور انہیں اس جگہ پہنچا دیا جائے لیکن لڑکی کی آنکھوں میں نفرت کے آثار تھے پھر وہ ان جگہ پہنچا دیے گئے جہاں انہوں نے بڑی ہی عمدگی سے آرائش کی تھی اور نادر نے ہنس رہا تھا کہ عورت مجھ سے بھلا تیرا کیا تعلق تو تو ایک امانت ہے کسی کی اور لاکھ حسین سہیلیاں جس کا قیام میرے دل میں ہے وہ میں کبھی نہیں بھلا سکوں گا اور اس کی جگہ شاید اپنی زندگی کے آخری سانس تک کسی کو نہ دے سکوں۔ پھر انہیں تنہائی حاصل ہوئی اور کچھ عرصے کو ان پر متعین کر دیا گیا یعنی وہ جو سیاہ فام تھے اور قیدی نہیں تھے بلکہ نادر ناؤ کے لئے کام کرتے تھے اور ان میں سے بہت سوں کے سینوں پر مخصوص قسم کے نشان تھے جو ان کی حیثیت کے حامل اور انہیں وہی کرنا تھا جو ان کی ہدایت کر دی گئی تھی لیکن اس وسیع عرصے میں انہیں غار نما کمرے میں جہاں سجاوٹ کا ایک ایک سامان موجود تھا اور ایک عمدہ مسری لڑکی پر اس لڑکی کو بٹھا دیا گیا تھا جو چہرے سے متفکر اور مفہوم نظر آ رہی تھی اور نادر جب اس کے سامنے پہنچا تو لڑکی کی آنکھوں میں قہر و غضب کی جلیاں کوندنے لگیں اس نے

”میرا نام ہے تیرا۔۔۔۔۔“

”تیرا غلام تیرا خادم۔“

”تو جو کوئی بھی ہے کیا کوئی گھرانہ بھی رکھتا ہے اپنا۔۔۔۔۔“ نادر خاموش رہا تو وہ پھر

”بول کیا تیری ماں ہے۔“

”نہیں۔“

”بہن تو ہوگی۔“

”وہ بھی نہیں ہے۔“

”جہلا اس میں حیرانی کی کیا بات ہے تو سفید بھیڑیے کا ساتھی اور تجھے میرے بارے میں ساری معلومات حاصل ہوں گی۔“

”آہ میرا خیال تھا کہ میں اپنے ان الفاظ سے تیرے ذہن میں ایک تجسس جگا دوں گا لیکن ایسا ممکن نہیں ہو پا رہا۔“

”کہنا کیا چاہتا ہے۔“

”نہ میں کسی بدر جہال کا نمائندہ ہوں اور نہ ہی کسی اور سے میرا تعلق ہے میں ایک انہی آدمی ہوں اور تیری محبت کرنے والی بوڑھی پردر ش کنتہ یعنی کوہالہ مجھ تک پہنچی اور اس نے مجھ سے مدد مانگی، میں اور میرا ایک اور دوست فینٹ کوہالہ کے ساتھ تیری مدد کو پاں آئے اور کوہالہ یہاں سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے لیکن اگر تو مجھ سے تعاون کرے تو یہ سمجھ لے کہ ہم لوگ بہتر طریقے سے اپنے مقصد کی تکمیل کر پائیں گے اور جو وقت یہاں گزر رہا ہے وہاں تک اپنے آپ کو سنبھالے رکھ لیکن اپنے انداز میں کوئی تبدیلی نہ پیدا کر اگر تو واقعی خدا پر اتنا بھروسہ رکھتی ہے جس کا اظہار تو کر چکی ہے تو اسی حوالے سے میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تیرے لئے کوئی مشکل نہیں ہے میں تیری زندگی بچانے کیلئے اور ان لوگوں سے تجھے بچانے کیلئے اپنی آخری سانس تک صرف کر دوں گا اس کے بعد میرے پاس کتنے کیلئے کچھ نہیں ہے اگر تو اب بھی میری بات پر یقین نہ کرتی تو پھر تو جان اور تیرا کام“ اور نادر نے لڑکی کی آنکھوں میں شدید حیرت کے آثار دیکھے تھے۔



ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور ادھر ایک اور ہی کھیل کا آغاز ہو گیا تھا فینٹ جو اپنی کارڈوں میں مصروف تھا اور اس نے تقریباً اپنے انتظامات مکمل کر لیے تھے یعنی وہ چابیاں بھونٹان کو پہنچا دی گئیں تھیں جن سے وہ اپنی اور اپنے باڑے کے غلاموں کی زنجیریں کھول سکے اور اس کے علاوہ پھوٹان کے ساتھ ملکر ایک منصوبہ بندی کر لی گئی تھی یعنی یہ بتا دیا گیا تھا اسے کہ اسے کیا کرنا ہے اور اپنے جیسے غلاموں کو کس طرح کھولنا ہے یہ تمام کام تقریباً مکمل ہو چکے تھے اور وہ اس عورت سے بھی مل چکا تھا جس کا نام کوہالہ تھا اور جس بیجاری کو درخت پر ایسا چڑھایا گیا تھا کہ اب کوئی اسے وہاں سے اتارنے کیلئے تیار نہیں تھا لیکن فینٹ کو اب سب سے مشکل مرحلہ جو درپیش تھا وہ اس کی تلاش تھی جو اس کا آقا تھا اور جسے وہ اب دنیا میں سب سے زیادہ چاہتا تھا وہ اپنی کاوش میں مصروف رہا اور وہ جانتا تھا کہ نوٹیار نادر ضرور کسی ایسی کاروائی میں مصروف ہو گا جو اسے کامیابی سے ہٹکار کر دے اور

”آہ بے غیرت تو تو اس دنیا میں کیوں موجود ہے۔۔۔۔۔“ اس نے کہا اور نادر نے دیکھتا رہا۔۔۔۔۔ وہ بولی۔

”لیکن تو جس شکل و صورت کا مالک ہے اس کے بعد یہ سمجھ میں نہیں آتا صورتیں اتنا دھوکہ کیوں دیتی ہیں لوگ اندر سے اتنے برے ہوتے ہیں تو ان کے چہرے اتنے نرم ملائم کیوں ہوتے ہیں آہ تو نے کبھی غور سے اپنے آپ کو آئینے میں نہیں دیکھا جن لوگوں کی تو غلامی کر رہا ہے وہ برے لوگ ہیں تجھے انسانوں کی مدد کرنا چاہئے ہر شخص اپنی اپنی قبر نصیب ہوتی ہے تجھے بھی اپنی قبر میں جانا ہے کیا تو ایسی بے بس لڑکی کو اس طرح کسی کی تحویل میں پہنچائے گا کہ وہ اس کی زندگی کو پامال کر دیں دیکھ میرا یہ منصب مقام نہیں ہے میں تو ایک ایسے غریب شخص کی زندگی میں شامل ہونا چاہتی تھی جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو بس وہ محبت سے مجھے دیکھے لیکن تیرا مالک جو ہر خوبصورت چیز کو اپنی تحویل میں رکھتا ہے اور اس کے بعد اس تلف کر دیتا ہے کیا میرا مالک بننے کے قابل ہے۔۔۔۔۔“ نادر نے ادھر ادھر دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

”اور اس کے جواب میں صرف چند الفاظ کوں گا میں تجھ سے۔“

”کیا کسے گا کوئی جھوٹی سچی بات کوئی ایسی بات جو مجھے مطمئن کرنے کیلئے ہو۔“

”تو مجھ سے کیا چاہتی ہے میشل۔“

”صرف اتنا کہ مجھے میرے باپ تک پہنچا دے۔“

”اور اگر میں تجھ سے کوہالہ کا نام لوں تو۔“

”کیا۔“

”کوہالہ۔“

”یہ نام یہ نام۔“

”اور اگر میں ڈاکٹر آر تھر کی بات کروں تو۔“

”وہ میرے باپ ہیں۔“

”اور اگر میں موٹا کا تذکرہ کروں یا ہاتھی دانت کی تجارت کرنے والے اس شخص کو اپنی بیٹی کیلئے بہت پریشان ہو گا اور جو اس وقت موجود نہیں تھا۔“

”تیرا مطلب کیا ہے ان باتوں سے۔“

”کیا میری زبان سے یہ باتیں سن کر تجھے حیرانگی نہیں ہوئی۔“

اس کا اندازہ بالکل درست ہی نکلا تھا، فینٹ اپنی انھی کاوشوں میں مصروف رہا اور اس نے کوشش کی کہ جس طرح بھی بن پڑے سفید بھیرے کی قربت اختیار کرے تاکہ زیادہ سے زیادہ معلومات اسے حاصل ہوں اور وہ مناسب وقت پر اپنے عمل کا آغاز کرے تو پھر یہ ہوا کہ اس نے اس سائبان کے نیچے کسی خاص بات کا اہتمام محسوس کیا اور جب وقت کافی گذر گیا اور وہ خود بھی ایسے خادموں میں شامل ہو گیا کہ جن کے سینوں پر سرخ نشان تھے تو اس نے سفید بھیرے کو یعنی ٹورناڈو کو دیکھا جو اپنے کچھ بے تکلف ساتھیوں کے ہمراہ سائبان کے نیچے جا رہا تھا اور چونکہ یہاں بہت سے لوگ انتظامی کاروائیوں میں مصروف تھے تو خود فینٹ بھی ان میں شامل ہو گیا اور جب فینٹ نے آگے کے مناظر دیکھے تو وہ شدت سے حیران ہوا کیونکہ کچھ وقت کے بعد اس نے جس شخص کو وہاں دیکھا اسے دیکھ کر اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

”رب عظیم کی قسم یہ تو میرا آقا ہے اور بھلا میری آنکھیں اسے دیکھ کر بھلا دھوکے کا شکار ہو سکتی ہیں یہ تو سو فیصدی نادر ہے میرا دوست میری روح جس کے بغیر اب اس دنیا میں میرے لئے کچھ بھی نہیں ہے اور اب اس کے بعد بھلا فینٹ کو وہاں سے کون ہٹا سکتا تھا اس نے اپنے لباس میں پستول بھی چھپائے ہوئے تھے اور خنجر بھی کہ جب کوئی ایسا موقع آجائے جب اسے زندگی قربان کرنی پڑے تو وہ با آسانی اپنا فرض پورا کر دے پھر اس نے وہیں پر اس حسین لڑکی کو دیکھا جسے ایک نگاہ دیکھنے کے بعد ہی کوبالہ کے الفاظ کی تصدیق ہو جاتی تھی اور بھلا اس جیسی کوئی دوسری کہاں اور فینٹ پر جو کیفیت طاری ہوئی وہ ناقابل بیان تھی شاید زندگی میں پہلی بار اس نے اپنے کالے سینے کے اندر سفید دل میں کسی ایسے وجود کی تصویر پائی جو کبھی نہ مٹ سکے اور اس تصویر کو اپنے دل میں منعکس کر سکے وہ کچھ مستحضر سا ہو گیا لیکن فوراً ہی اسے خیال آیا کہ اس وقت کسی کیفیت یا جذبات میں ڈوبنے کی گنجائش نہیں ہے یہ تو ایک بہت ہی عجیب بات ہوئی یعنی اس کا آقا بھی اسے نظر آیا اور وہ لڑکی بھی اور اس کے بعد فینٹ نے ان سے زیادہ سے زیادہ قرب رہنے کی کوشش کی اس نے یہ معلوم کر لیا کہ سونے کی ان تھیلیوں کے عوض اس لڑکی یعنی میشل کو خرید لیا ہے اور خریدار نادر کے سوا کوئی نہیں ہے وہ دل ہی دل میں بولا۔

”آہ مسرتاں میرے عظیم آقا تم نے جو کچھ کر دکھایا ہے اس کی توقع انسانوں سے نہیں کی جاسکتی اور اگر میں اتنا عرصہ تمہارے ساتھ نہ گزارتا تو یہی سوچتا کہ تم دیوتاؤں کا کوئی نیا روپ ہو جو اس شکل میں دنیا میں آگیا ہے اور میں جانتا ہوں اور اسے بھی جانتا ہوں

”جسے میں نہیں جانتا لیکن ہم دونوں اپنے سفید آقا کے غلام ہیں یعنی ٹورناڈو کے“ تو نے سنا وہ لوگ کیا باتیں کر رہے تھے رب عظیم کی قسم دیوتاؤں کی قسم یہ شخص غلط آدمی ہے اور وہ نہیں ہے جو ہمارا آقا یعنی سفید بھیرا سمجھ رہا ہے یہ تو کوئی بہت ہی شاطر شخص ہے جس نے نجانے کہاں سے سونا حاصل کر کے اس حسین لڑکی کو خرید لیا ہے اور سن میرا ہم ڈلفو ہے تو مجھے جانتا ہی ہو گا میں اپنا فرض پورا کرنے جا رہا ہوں تو ان لوگوں پر نگاہ رکھ کچھ رہا ہے ناں ٹورناڈو کو یہ بتانا ضروری ہے کہ اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے اور یہ خطرناک آدمی اس سفید لڑکی کو لے کر نکل جانا چاہتا ہے آہ اس نے بے شک اس کی قیمت لڑکی ہے لیکن کون جانے سونا ہی نقلی ہو چنانچہ یہ سب کچھ بہت خطرناک ہے اور ایسا ہونا

اس کا اندازہ بالکل درست ہی نکلا تھا، فینٹ اپنی انھی کاوشوں میں مصروف رہا اور اس نے کوشش کی کہ جس طرح بھی بن پڑے سفید بھیرے کی قربت اختیار کرے تاکہ زیادہ سے زیادہ معلومات اسے حاصل ہوں اور وہ مناسب وقت پر اپنے عمل کا آغاز کرے تو پھر یہ ہوا کہ اس نے اس سائبان کے نیچے کسی خاص بات کا اہتمام محسوس کیا اور جب وقت کافی گذر گیا اور وہ خود بھی ایسے خادموں میں شامل ہو گیا کہ جن کے سینوں پر سرخ نشان تھے تو اس نے سفید بھیرے کو یعنی ٹورناڈو کو دیکھا جو اپنے کچھ بے تکلف ساتھیوں کے ہمراہ سائبان کے نیچے جا رہا تھا اور چونکہ یہاں بہت سے لوگ انتظامی کاروائیوں میں مصروف تھے تو خود فینٹ بھی ان میں شامل ہو گیا اور جب فینٹ نے آگے کے مناظر دیکھے تو وہ شدت سے حیران ہوا کیونکہ کچھ وقت کے بعد اس نے جس شخص کو وہاں دیکھا اسے دیکھ کر اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

”رب عظیم کی قسم یہ تو میرا آقا ہے اور بھلا میری آنکھیں اسے دیکھ کر بھلا دھوکے کا شکار ہو سکتی ہیں یہ تو سو فیصدی نادر ہے میرا دوست میری روح جس کے بغیر اب اس دنیا میں میرے لئے کچھ بھی نہیں ہے اور اب اس کے بعد بھلا فینٹ کو وہاں سے کون ہٹا سکتا تھا اس نے اپنے لباس میں پستول بھی چھپائے ہوئے تھے اور خنجر بھی کہ جب کوئی ایسا موقع آجائے جب اسے زندگی قربان کرنی پڑے تو وہ با آسانی اپنا فرض پورا کر دے پھر اس نے وہیں پر اس حسین لڑکی کو دیکھا جسے ایک نگاہ دیکھنے کے بعد ہی کوبالہ کے الفاظ کی تصدیق ہو جاتی تھی اور بھلا اس جیسی کوئی دوسری کہاں اور فینٹ پر جو کیفیت طاری ہوئی وہ ناقابل بیان تھی شاید زندگی میں پہلی بار اس نے اپنے کالے سینے کے اندر سفید دل میں کسی ایسے وجود کی تصویر پائی جو کبھی نہ مٹ سکے اور اس تصویر کو اپنے دل میں منعکس کر سکے وہ کچھ مستحضر سا ہو گیا لیکن فوراً ہی اسے خیال آیا کہ اس وقت کسی کیفیت یا جذبات میں ڈوبنے کی گنجائش نہیں ہے یہ تو ایک بہت ہی عجیب بات ہوئی یعنی اس کا آقا بھی اسے نظر آیا اور وہ لڑکی بھی اور اس کے بعد فینٹ نے ان سے زیادہ سے زیادہ قرب رہنے کی کوشش کی اس نے یہ معلوم کر لیا کہ سونے کی ان تھیلیوں کے عوض اس لڑکی یعنی میشل کو خرید لیا ہے اور خریدار نادر کے سوا کوئی نہیں ہے وہ دل ہی دل میں بولا۔

”آہ مسرتاں میرے عظیم آقا تم نے جو کچھ کر دکھایا ہے اس کی توقع انسانوں سے نہیں کی جاسکتی اور اگر میں اتنا عرصہ تمہارے ساتھ نہ گزارتا تو یہی سوچتا کہ تم دیوتاؤں کا کوئی نیا روپ ہو جو اس شکل میں دنیا میں آگیا ہے اور میں جانتا ہوں اور اسے بھی جانتا ہوں

نہیں چاہئے سمجھ رہا ہے نا تو۔“

”ہاں۔۔۔۔۔“ فینٹ نے خوفزدہ انداز میں گردن ہلائی اور جب وہاں سے چلا گیا تو فینٹ کے پورے بدن نے پسینہ اگل دیا آہ یہ تو عظیم آقا کیلئے سخت خطرہ پیدا ہو گیا اور اب اگر اس وقت عظیم آقا کو اس بارے میں خبر نہ کی گئی تو یہ سمجھ لیا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ حالات بہت زیادہ بگڑ گئے ہیں اور اب صورت حال کو سنبھالنا ممکن نہیں ہے چنانچہ بے چینی سے اس جگہ کے چاروں طرف گھومنے لگا کوئی ایسا موقع تلاش کر کے اندر داخل ہونا چاہتا تھا جب کسی بھی طرح جیسے ہی ممکن ہو وہ نادر کو اس صورت حال سے آگاہ کرے۔



میشل کچھ دیر حیران نگاہوں سے نادر کو دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔
”اے شخص سب سے زیادہ تو مجھے یہ تعجب ہے کہ تو جس کے بارے میں مجھے یہ اندازہ اور علم ہوا ہے کہ کسی ایسے شخص کا نمائندہ ہے جو میری خریداری سے دلچسپی رکھتا تھا لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ تیری زبان سے میں نے وہ نام سنے ہیں جو عام لوگوں کے علم میں نہیں اور میں حیران ہوں۔“

”نہ صرف تجھے حیران ہونا چاہئے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں تجھ سے کہ مجھ پر تو مکمل بھروسہ کر کیونکہ میں نے تیرے لئے جن مشکلات کا سامنا کیا ہے وہ کسی انسان کے بس میں نہیں ہے اور میں تو یہ بھی کہتا ہوں کہ کوہالہ بہت قریب موجود ہے اور جب ہم یہاں سے واپسی کا سفر کریں گے تو کوہالہ ہم سے الگ نہیں ہو گی وہ یہاں تک ہمارے ساتھ آئی ہے۔“

”آہ میری ماں وہ بے شک میری ماں کی مانند ہے جس نے ہمیشہ ہی میرے لئے مشکلات اٹھائی ہیں اور مجھے ہر مشکل سے دور رکھا لیکن تو مجھے جن حسرتوں میں مبتلا کر رہا ہے وہ میرے لئے بڑی تعجب خیز ہیں کیا واقعی ایسا ممکن ہو سکتا ہے کہ میری تقدیر کے ستارے اس طرح رخ تبدیل کر دیں۔“

”ایسا ہی ہوا ہے میں نے اب تک جو کچھ کیا ہے اس کی کہانی اس وقت تجھے تفصیل سے نہیں بتا سکتا لیکن آنے والے وقت میں تجھے ساری باتیں خود بخود معلوم ہو جائیں گی۔“

”اب تو مجھے بتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔“

”بہت جلد ہمیں یہاں سے روانہ ہونا ہے اور ایک موٹر بوٹ دریا پر لنگر انداز ہے بس ایک مشکل ہے۔۔۔۔۔“ نادر سوچ میں ڈوب گیا لیکن زیادہ وقت نہیں ہوا تھا کہ اس نے اس کمرے کے دروازے سے ایک شخص کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا جو مقامی لباس میں ملبوس تھا اور بہت عجیب نظر آ رہا تھا لیکن اسے دیکھ کر نادر کے حلق سے دبی دبی چیخ نکل گئی اور وہ خوشی کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوا۔

”آہ فینٹ میرے دوست میرے جانثار میرے وفادار۔“

”عظیم آقا محبت کے اظہار کیلئے بہت دقت پڑا ہے لیکن میں تمہیں بتا دوں کہ تم لوگوں کے درمیان جو گفتگو ہو رہی تھی وہ چھپ کر سن لی گئی ہے اور سننے والے سفید

بولاً۔

”اور اب کیا تو تیار ہے۔“

”ہاں۔“ ”تو پھر آ۔۔۔۔۔“ نادر اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا اور اس نے اپنے لباس

سے پتول نکال لئے پھر ایک پستول میشل کی طرف بڑھا کر بولا۔

”اس کا استعمال بہت زیادہ مشکل نہیں ہے کیا تو نے اس سے پہلے۔“

”ہاں میں پستول اور رائفل کا استعمال بخوبی جانتی ہوں۔“

”یہ بہت اچھی بات ہے تو پھر ہم آگے بڑھتے ہیں۔۔۔۔۔“ اور اس کے بعد نادر اللہ

کا نام لے کر اپنی اس کمین گاہ سے باہر نکل گیا اور اب اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں

تھا کہ وہ اندھا دھند اپنے راستے میں آنے والوں کا خاتمہ کرتا چلے، اگر کوئی اسے روکنے کی

کوشش کرے، لیکن اس وقت جب اس کے راستے میں مزاحمت کی جائے، لیکن جب وہ باہر

نکلا تو بے شک اس کے ارد گرد انتظام کرنے والوں نے اسے حیرت سے دیکھا لیکن یہ سوچ

کر خاموش ہو گئے کہ شاید وہ سیر کیلئے باہر نکلا ہے۔ نادر نے کافی فاصلہ اس انداز میں طے

کیا اور اس کے بعد وہاں سے آگے بڑھ گیا وہ جانتا تھا کہ اسے طویل و عریض راستے طے

کرنے ہیں کیونکہ یہاں پہنچنا ہی بہت مشکل کام ثابت ہوا تھا۔ پھر پہلا راستہ ایک ایسے

طویل القامت شخص نے روکا جس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کون ہے یہ

ایک دیوبند آدمی جو ایک طرف خاموش تھا انہیں جاتے دیکھ رہا تھا پھر وہ آگے بڑھا اور

اس نے نادر کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔

”میں جو اپنے دل میں تیرے لئے بہت سے منصوبے بنا رہا تھا اب جبکہ تو خود ہی باہر

نکل آیا ہے تو یہ کہے بغیر نہ رہ سکوں گا کہ میری اپنی ساری زندگی کا سرمایہ جو میں نے یہاں

سے حاصل کیا ہے بے شک اتنا نہیں ہے جتنا تو نے ٹورناڈو کو پیش کیا لیکن میں اسے

تیرے حوالے کر کے لڑکی کا ہاتھ اپنے لئے مانگتا ہوں۔۔۔۔۔“ نادر جو صورت حال سے

دائف تھا اور جلد از جلد نکل جانا چاہتا تھا کچھ سوچے سمجھے بغیر اس پر پل پڑا اس نے اپنے

دائیں ہاتھ کا گھونٹہ اس شخص کی ٹھوڑی کے نیچے لگایا اور گھونٹا اتنے زور سے پڑا تھا کہ وہ

لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹا اور پھر کئے ہوئے درخت کی طرح نیچے گر پڑا نادر نے میشل کا ہاتھ

پکڑا اور اس کے بعد دوڑنا شروع کر دیا وہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا لیکن عقب سے کچھ

لوگ ہنسنے لگے وہ اس شخص کا مذاق اڑا رہے تھے جو نادر کے گھونٹے سے نیچے گرا تھا ان

محل سے کسی نے کہا۔

بھڑیے کے ساتھی تھے اب ان میں سے ایک شخص جس کا نام ڈیفو ہے سفید بھڑیے کو اطلاع کرنے گیا ہے کہ جو لوگ اس کے مہمان ہیں وہ خطرناک لوگ ہیں اور تیرے لئے مشکلات کا باعث بننے والے ہیں، تو عظیم آقا یہ صورت حال بہت خوفناک ہے اور اب مشکل وقت ہے کہ ہاتھ میں ہتھیار اٹھالیں اور سن میں نے جو کیا ہے اس کی مختصر تفصیل میں تجھے بتائے دیتا ہوں میں نے غلاموں کے باڑوں میں چابیاں پہنچا دی ہیں جن سے اب تک وہ اپنی زنجیریں کھول چکے ہوں گے اور اس بات کے خطر کہ میں انہیں اطلاع دوں کہ اب وہ نکلنے کی کوشش کریں اور عظیم آقا ایسا ہو جائے گا اور پھر وہ نرسلوں میں چاروں طرف آگ لگا دیں گے اور جس قدر بھی ممکن ہو سکا قتل و غارت گری کریں گے اور اس کے بعد یہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش، اور شاید سفید بھڑیے کا آخری وقت آگیا ہے چونکہ بے شک اس کے ساتھ مسلح افراد موجود ہیں جو اس کا دفاع کریں گے لیکن شاید غلام اب ان پر قابو پالیں کیونکہ میں نے غلاموں تک ہتھیار بھی پہنچا دیئے ہیں لیکن اس افزائش سے پہلے ہمارا یہاں سے نکل جانا ضروری ہے تو میں تجھے خصوصی طور پر یہ ہدایت کرتا ہوں کہ اب صرف یہاں سے بھاگ جانے کی کوشش کر اور جیسا کہ اس شخص کے ساتھ میں نے بھی سنا کہ تیرے پاس ایسے انتظامات ہیں کہ تو یہاں سے نکل سکتا ہے“ نادر نے کہا۔

”فینٹ میں انتظام کر چکا ہوں اور سن تیرے لئے میں ایک ہدایت چھوڑتا ہوں میں جس بھی طرح بھی بن پڑا میشل کو لے کر یہاں سے نکلوں گا اور پھر دریائے سنگانیہ کے راستے راستے ایک طویل سفر اختیار کروں گا جو سیدھا سامنے کی سمت جاتا ہے اور پھر سیدھا موٹر بوٹ کے پاس پہنچوں گا جو دریا میں لنگر انداز ہے اور اس کے بعد جس طرح بھی بن پڑا ہم اسے لے کر روانہ ہو جائیں گے لیکن تو کوہالہ کو ساتھ لے کر آ اور خبردار جذباتی کیفیت کا شکار مت ہونا ہم نے ان لوگوں کیلئے یہ سامان پیدا کر دیا ہے لیکن بہر حال باقی کام کرنا تیرا فرض ہے۔“

”ٹھیک ہے عظیم آقا بس تو یہاں سے نکل اور میں اپنے کام کی تکمیل کیلئے نکلتا ہوں اور اسے خوبصورت عورت تو بھی میرے لئے دعا کرتا کہ آنے والے وقت میں ہم بہت اچھے دوست ثابت ہوں گے تو آقا مجھے اجازت اور اگر میں یہ کام نہ کر سکا تو پھر تجھے اختیار ہے کہ جس طرح بھی تو چاہے اپنے، اور اس حسین لڑکی کے تحفظ کا بندوبست کر۔۔۔۔۔“ فینٹ نے کہا اور انتظار کئے بغیر وہاں سے باہر نکل گیا تب نادر نے میشل کی طرف دیکھا اور

ہی دوڑ رہا تھا اور ایسے منتخب راستوں کی طرف جہاں سے وہ باہر نکل سکے پھر شدید خوفناک حالات میں وہ وہاں سے گذرنا کہ گولیاں ان کے آس پاس سے گذر رہی تھیں اور جگہ جگہ انہیں ان لوگوں پر فائر کرنے پڑ رہے تھے تب نادر کو وہ حصہ نظر آیا جہاں پہنچ کر وہ دریا کے کنارے کنارے دوڑ سکتا تھا اور چونکہ اب چاروں طرف افزائش مچ گئی تھی اور اس جہنم کدے میں رہنے والے اپنی جان بچانے کی فکر میں سرگرداں تھے۔ یہ تمام صورت حال نادر کے حق میں کچھ دیر کیلئے ایک بہتر شکل اختیار کر گئی تھی اور وہ آہستہ سے میشل سے ہلا۔

”دوڑتی رہو میں جانتا ہوں تم تازک طبع ہو لیکن اس وقت دوڑتے رہنا ہی ہمارے لئے کام کا ثابت ہو گا۔۔۔۔۔“ تبھی اچانک نادر نے دو سایوں کو اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے دیکھا اور پھر ایک آواز سنی۔

”میں آگیا ہوں عظیم آقا یہ تم ہی ہو اس لڑکی کو دیکھ کر میں نے دور سے پہچان لیا تھا۔۔۔۔۔“ اور ایک لمحے کیلئے نادر کے قدم ٹھٹھک گئے، اس نے کہاں کو دیکھا جو اس وقت بھی ہمت کے ساتھ دوڑ رہی تھی اور فینٹ واقعی ایک عظیم الشان کام سرانجام دے کر یہاں تک پہنچ گیا تھا لیکن قریب پہنچنے کے بعد کسی جذباتی منظر کا موقع اور وقت نہیں تھا چنانچہ وہ ایک بار پھر دوڑنے لگے اور برق رفتاری سے اپنے پیچھے آنے والوں پر فائرنگ کرتے رہے اور سب سے بڑا کام فینٹ نے یہ کیا تھا کہ وہ شاندار رائفلیں اٹھالایا تھا جو اب ان کے کام آ رہی تھیں اور پلٹ پلٹ کر ان لوگوں پر زبردست فائرنگ کر رہا تھا سفید بھیلو مصیبت میں گرفتار ہو گیا تھا اور شاید اسے احساس ہو گیا ہو کہ اب اس کے گناہوں کے حساب کا وقت آگیا ہے ہر طرف شور شرابا مچا ہوا تھا فینٹ نے دوڑتے ہوئے کہا۔

”آہ یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم ان لوگوں میں سے اور کافی عورتوں میں سے کسی ایک کو بچائیں لیکن ہم نے اس کے لئے موقع فراہم کر دیا ہے اب یہ ان پر منحصر ہے کہ وہ اپنے لئے زیادہ سے زیادہ کیا بہتری تلاش کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔“ غرضیکہ وہ لوگ دریا کے کنارے کنارے دوڑ رہے تھے اور اس وقت بڑی مشکل کا شکار تھے کہ ہر طرف گولیوں کی زبائیں لپک رہی تھی اور کئی بار یہ چمکدار چنگاریاں ان کے قریب سے گزری تھیں اور آنے والا کوئی بھی لمحہ ایسا ہو سکتا تھا جو ان کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ اس سنگین صورت حال سے نادر کچھ پریشان ہو گیا اور اس نے کہا۔

”فینٹ میرا خیال ہے ہمیں آگے کا راستہ ترک کر کے یہاں کوئی چھپنے کی جگہ تلاش

”واہ کیا زور دار ہاتھ مارتا ہے یہ باہر کی دنیا سے آنے والا تو زبردست ہے اور تو“ بالکل ہی بزدل نکلا لیکن وہ شخص جو نیچے گرا تھا رقابت اور غصے کی آگ میں بھڑکنا نادر کے پیچھے دوڑ پڑا تب وہ زور سے چیخا۔

”روکو اسے روکو۔۔۔۔۔“ اور پھر بہت سے لوگ نادر کے پیچھے دوڑ پڑے جس طرح کتے خرگوش کے پیچھے دوڑتے ہیں نادر خاصی تیز رفتاری سے بھاگ رہا تھا لیکن اسے ذرا سا سنبھلنا پڑ رہا تھا چونکہ تازک اندام میشل اس کا اس رفتار سے ساتھ نہیں دے سکتی تھی ابھی وہ کوئی سو قدم آگے بڑھا ہو گا کہ چند غلام اس کے سامنے پہنچے ان کے ہاتھوں میں چاقو چمک رہے تھے انہوں نے نادر کو مقابلے کیلئے لٹکرا اور اس کی آنکھوں کے سامنے چاقو لہرانے لگے تب مجبوری تھی، نادر نے پہلی بار اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کا استعمال کیا اور ان چھ کے سینوں میں چھ سوراخ کر کے وہاں سے آگ بڑھنے لگا تھوڑے فاصلے پر احاطے کا پل تھا اور نادر نے پل کو عبور کرنے کی کوشش شروع کر دیں اور برق رفتاری سے وہاں سے آگے دوڑ پڑا لیکن وہ دیکھ رہا تھا کہ ان کے پیچھے وہ آ رہے تھے جو نئے آئے تھے اور غالباً” ساتھیوں کی موت سے بری طرح بھر گئے تھے۔ نادر نے میشل کا پستول اپنے ہاتھوں میں لیا اور اسے کارٹوس دیتے ہوئے بولا۔

”اپنا پستول پھر سے بھرو جبکہ تم اس کے بارے میں جانتی ہو۔۔۔۔۔“ میشل نے فوراً ہی عمل شروع کر دیا اب چاروں طرف سے آوازیں ابھرنے لگیں تھیں اور نادر کو ہر سمت سے گھیرا جا رہا تھا وہ دوڑ رہا تھا اور شاید وہ لوگ میشل کی وجہ سے اس پر ہتھیاروں سے حملہ نہیں کر پا رہے تھے لیکن ان سب کی یہی کوشش تھی کہ کسی طرح انہیں گھیر کر پکڑ لیں پھر دفعتاً ہی نادر نے ایک اونچی جگہ سے چھلانگ لگائی اور میشل کو اپنے ہاتھوں میں سنبھال لیا میشل اسے پستول بھر بھر کر دے رہی تھی لیکن ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اچانک ہی فضا میں دھواں سا نکھرنے لگا اور اس دھوئیں کو دیکھ کر ان لوگوں نے کچھ دیر کیلئے نادر کو نظر انداز کر دیا وہ حیرانی سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے لیکن دھواں شعلوں کی زبان میں تبدیل ہو گیا اور پھر چاروں طرف سے آگ ابل پڑی اور پھر وہ شور قیامت مچا ہوا کہ کانوں کے پردے پھٹنے لگے غلاموں کے ہاتھوں میں ہتھیار آ گئے تھے اور ان کی زنجیریں کٹ گئی تھیں نادر اس وقت جن حالات سے گذر رہا تھا اس میں کہیں رک کر فینٹ کا انتظار بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس خوفناک جگہ کو جس طرح انسانوں نے ایسا نقصان پہنچایا تھا اس کی مثال شاید ہی روئے زمین پر ممکن ہو سکے نادر اب

ہم پہنچ گئے اب ان کے پیچھے چلے ہوئے نرسل اور جگہ جگہ اگلتا ہوا دھواں نظر آ رہا تھا
 ہاں تک کہ انہیں وہ موٹر بوٹ نظر آئی جسے وہ نگر انداز چھوڑ گئے تھے سفر کی رفتار کچھ
 اور بڑھائی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ موٹر بوٹ تک پہنچ گئے اس وقت یہاں کوئی بھی
 ایک انسان نہیں تھا اور موٹر بوٹ دریا کے پانی پر ہلکے ہلکے ہلکے کھلے کھلے کھلے کھلے
 کے بعد نادر نے کہا۔

”فینٹ اور کوہالہ اپنی آقا زادی کو آرام سے لٹا دو اور فینٹ تم میرے پاس آؤ اس
 موٹر بوٹ کو اشارت کرنے کی کوشش کرتے ہیں آہ کاش میں اسے چلانے کا طریقہ جانتا۔“
 ”ہر طریقہ سمجھ میں آ جاتا ہے آقا اور بہتر تو یہ ہے کہ تم انہیں دیکھو میں یہ کوشش
 کر سکتا ہوں۔“
 ”کیا تم۔“

”ہاں زیادہ تو نہیں جانتا لیکن جب میں اپنے آقا یعنی تم سمجھ رہے ہوں میں کس کی
 بات کر رہا ہوں کہ ساتھ سمندر پر جاتا تو اکثر میں ان کی موٹر بوٹ چلاتا تھا یعنی ان کے
 ساتھ مددگار کے طور پر رہتا تھا۔“ نادر خوشی سے کھل اٹھا اس نے کہا۔

”تم اسے اشارت کر کے تھوڑا سا آگے بڑھا لو تو بس میں یہ سمجھوں گا کہ ہم آگے
 بڑھ سکتے ہیں۔۔۔۔۔“ کوہالہ نے تو آقا زادی کو سنبھال لیا تھا اور میش اس کی آغوش میں
 اس طرح ساکت پڑی تھی جیسے اس کی روح پرواز کر گئی ہو اور فینٹ نے بڑا کام یہ کیا کہ
 موٹر بوٹ اشارت کر لی تھی اور اس کے بعد اس کا اسٹیرنگ بھی سنبھال لیا تھا تو موٹر بوٹ
 آگے بڑھتی چلی گئی اور انہیں یوں محسوس ہوا جیسے اپنے جس مشن کو انہوں نے ناممکن
 کہا تھا اس کی تکمیل آخری مرحلے میں پہنچ گئی ہے۔ موٹر بوٹ مناسب رفتار سے دریا کا
 رخ چرتی ہوئی ایک نامعلوم منزل کی طرف بڑھنے لگی یعنی ادھر جدھر اس کا رخ تھا پیچھے وہ
 لوگ ایک جلتا ہوا شہر چھوڑ آئے تھے جس کے نشانات اب بھی ان کے ساتھ سفر کر
 رہے تھے یعنی دھوئیں کے وہ بادل جو ہوا کے ساتھ اپنی رفتار بڑھاتے ہوئے ان کے سروں
 سے گزرنے لگے تھے ادھر میش اور کوہالہ ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی پڑی تھیں اور کوہالہ
 میش کو اپنی داستان سنا رہی تھی اس نے میش کو ساری تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ کسی
 طرح یہ دو جوان رہبر بنے اور کس طرح انہوں نے ایک خطرناک مہم سرانجام دے کر بالاخر
 اپنا وعدہ پورا کر دکھایا اور اسی گفتگو کے دوران کوہالہ نے میش سے کہا۔“

”اور آقا زادی اپنی دیوانگی میں میں ایک ایسے کھیل کا آغاز کر چکی ہوں جس کے

کرتی چاہئے کیونکہ گولیاں چاروں طرف سے برس رہی ہیں اور کچھ بھی ہو سکتا ہے۔“
 ”عظیم آقا میں اس کے لئے تیار ہوں“ اور پھر انہوں نے لپک پشتہ دیکھا جو خاصی کم
 جگہ تھی اور وہ اس کے قریب پہنچ گئے پھر وہ پٹے کی آڑ میں لیٹ گئے اور یہ ضروری تو
 ورنہ واقعی اس وقت جو سنگین صورت حال تھی اس کے پیش نگاہ زندگی موت کے قریب
 سے گزر رہی تھی لیکن یہاں پہنچ کر کوہالہ بے اختیار ہو گئی وہ گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی اپنی
 آقا زادی کو بے اختیار چوم رہی تھی اور اس پر نثار ہوئی جا رہی تھی وہ پاگل ہو گئی تھی اور
 اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح میش کو اپنے سینے میں چھپالے۔ بندوبست
 بڑبڑا رہی تھیں اور گولیاں اب بھی ان کے سروں کے اوپر سے گزر رہی تھیں وہ اگر
 خوفناک جنگ کو دیکھ رہے تھے لیکن اب انہیں یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ سفید بھیڑیے
 آخری وقت ہے اور پھرے ہوئے غلام جن کی باتیں کم از کم فینٹ سن چکا تھا، ان کے
 دلوں میں اپنی زندگی بچانے کا کوئی تصور نہیں تھا وہ تو بس اس شیطانی کارخانے کو روئے
 زمین سے لمبا میٹ کر دینا چاہتے تھے وہ مسلسل آگ برسا رہے تھے اور اب ان کی اپنی
 کوششیں بھی اس کے حصول میں شامل ہوں گی دھواں فضا میں بلند ہو رہا تھا اور بڑھتا تو
 جا رہا تھا چنانچہ فضا میں بڑی خوفناک آوازیں ابھر رہی تھیں اور انسانی چیخیں آسمان کو
 پھیرے دے رہی تھیں سائبان کے نیچے اور چاروں طرف آگ اپنا ڈیرہ بھاتی جا رہی تھی
 نرسلوں کا سنان جنگل جس میں بارہ بارہ اور پندرہ پندرہ اونچے نرسل تھے دھڑا دھڑا
 تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آگ کا ایک دریا نمودار ہو گیا ہو جو ٹھائیں مارتا ہوا اس
 خوفناک انسانی رہائش گاہ کی جانب بڑھ رہا ہو نرسلوں کے چننے کی آواز آرہی تھی اور اس
 کی گرج آہستہ آہستہ آگے بڑھتی جا رہی تھی جو ہوا اور آگ کی آمیزش سے پیدا ہو رہی
 تھی اور ہوائے بھی خوب کام دکھایا تھا وہ نرسلوں کو جلدی جلدی اپنی لپیٹ میں لے رہی
 تھی اور جب آگ نرسل جل کر سلگنے لگے تو کالے کالے بادل کے بل کھاتے ہوئے ستون
 آسمان کی نیلاہٹوں کی طرف ابھرتے ہوئے نظر آئے اور دھوئیں کے بادل چاروں طرف
 پھیلنے لگے اس طرح کچھ وقت کیلئے گولیاں چلنے کی آوازیں بند ہو گئیں بس فضا میں شعلے بلند
 ہو رہے تھے چنگاریاں بکھر رہی تھیں اور دھوئیں کے اندھیرے آسمان میں سرخ سرخ تارے
 چمک چمک کر بچھ رہے تھے اب وہ سب کچھ جل رہا تھا جو ان لوگوں نے بنایا تھا تب نادر
 نے کہا۔

”یہ بہتر وقت ہے آؤ اب ہم آگے بڑھیں۔۔۔۔۔“ وہ آگے بڑھنے لگے اور بہت دور

کے بعد ہی اس مہم کا آغاز ہو گا۔
 ”ہاں یقیناً“ ہو گا تو ایسا ہی۔

”جب میں انہیں بھی مجبور کروں گی کہ وہ اپنی بیٹی کے نجات دہندہ کیلئے وہ کام کریں جو
 ٹیپہ وہ پسند نہ کریں۔“ پھر اسی وقت انہیں نادر کی آواز سنائی دی۔

”کوہالہ اور میشل یہ کشتی اس جہاز تک جاتی ہے جس میں ایک شیخ جس کا نام بدر
 جال ہے اپنے ساتھیوں کا خطر ہے اور جب یہ کشتی کھلے سمندر میں پہنچے گی تو وہ اس کے
 استقبال کیلئے دوڑ پڑیں گے اور ہم ایک نئی مشکل کا شکار ہو جائیں گے سو میں نے اور
 بنٹ نے یہ طے کیا ہے کہ ہم اس کا سفر درمیان میں ہی ختم کئے دیتے ہیں یعنی اس جگہ
 وہ دیکھو وہ سامنے ایک کراں سا نظر آ رہا ہے ہم وہاں سے اپنے راستوں کا تعین کریں گے
 جو بے شک دشوار گزار ہیں لیکن وہی ہماری نجات کا باعث بن سکتے ہیں تو کوہالہ نے خوفزدہ
 لمحوں میں کہا۔

”آہ تو تم ایسا ہی کرو ورنہ ہم تو بڑی مشکل کا شکار ہو جائیں گے بر وقت سو جھی
 نہیں“ ورنہ اگر ہم اگر کھلے سمندر تک پہنچ گئے ہوتے تو ایک اور سفید بھڑیلے کے ہاتھ
 لگ جاتے۔ چنانچہ فینٹ اور نادر نے ملکر کشتی کا رخ تبدیل کیا اور کچھ دیر کے بعد بعد وہ
 سائبر پر اتر گئے گویا ایک نئی زندگی کا آغاز ہو گیا تھا اور اس نئی زندگی کے آغاز کا یہ پہلا
 قیام تھا۔



جیسا کہ کوہالہ نے اپنی آقا زادی کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا کہ رات کی تاریکی میں
 اس کا وجود روشنی کر دیتا ہے تو یہ بات دل سے تسلیم کی گئی تھی اور نادر خود بھی اس حسن
 بے مثال کا معترف تھا لیکن جس طرح اس کی زندگی بچالی گئی تھی اور جس طرح اسے تباہ و
 برباد ہونے سے روکا گیا تھا اس کی بناء پر نادر کے دل میں اس کے لئے ایک محبت کا مقام
 پیدا ہو گیا تھا لیکن صرف ایسی محبت جو یکاگت اور لگائے ہوئے کسی پودے سے ہوتی ہے
 البتہ اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ میشل نے کئی بار اسے بھرپور نگاہوں سے دیکھا ہے لیکن
 جس طرح جس وقت سے گذر کر وہ یہاں تک آئے تھے اس کے بعد یہ گنجائش نہیں تھی
 کہ ایک دوسرے کے معترف ہونے کا کوئی موقع ہو وہ اس کراں تک پہنچنا چاہتے تھے جب
 لاکھ کراں تک پہنچے تو وقت بہت مدہم تھا اور شام کے سنائے فضاؤں میں اترنے لگے
 شہر پورا دن انہیں گزر گیا تھا اور اب شام ہو رہی تھی لیکن وہ کراں ان کے لئے بہت

بارے میں اگر تجھے بتاؤں یا میرے آقا ڈاکٹر آر تھر کو معلوم ہو یا میرے شوہر مونٹا کو تو
 مجھے بہت ہی بری نگاہ سے دیکھیں۔“

”ایسی کوئی بات ہے جس کے بارے میں تو اس قدر فکر مند ہے کوہالہ۔“ اور
 کوہالہ مدہم مدہم آواز میں نادر اور فینٹ سے کئے ہوئے اس وعدے کے بارے میں بتائے
 لگی تو میشل نے تعجب سے کہا۔
 ”لیکن کیا تو نے انہیں فریب دیا تھا یعنی ایک ایسی بات کسی جس سے وہ اس کام کیلئے
 آمادہ ہو جائیں۔“

”نہیں یہ فریب نہیں تھا حقیقت یہ ہے کہ جہاں زمین اور آسمان آپس میں ملتے ہیں
 اور بلند و بالا پہاڑ آسمان کی بلندیوں کو چھوتے ہیں وہیں ان کے نیچے دوہری دنیا کا آغاز ہو
 جاتا ہے یعنی زمین کا دوسرا طبق جس کی گہرائیوں میں اترنے کے بعد نہیں کہا جاسکتا کہ
 انسانی زندگیوں کو کیا واقعات پیش آئیں اور وہ جو اندھیرے والے ہیں وہ اپنی روایت رکھتے
 ہیں ان میں بڑی سچائی ہے۔“

”مگر اس کے بارے میں تجھے کیسے معلوم اور اس سے پہلے کوہالہ، تو نے مجھ سے اس
 بارے میں تذکرہ کیوں نہ کیا۔“

”آہ اس کے پس منظر میں بھی ایک ایسی داستان ہے جو مجھے سنانے کیلئے منع کیا گیا
 ہے اور بہتر ہے میں اسے نہ سناؤں اور تو اسے نہ پوچھو میں نے زندگی میں کبھی کوئی بات
 نہیں چھپائی لیکن یہ ایک ایسا موقع ہے کہ میں اس کے لئے مجبور ہو گئی ہوں۔“ میشل
 تعجب سے اسے دیکھنے لگی پھر اس نے کہا۔

”اگر یہ تیرا کوئی عہد ہے تو میں اس کے لئے تجھے مجبور نہیں کروں گی لیکن ان لوگوں
 نے جس طرح ہمارے لئے جانشانی کی ہے اس کے بعد ہمیں ایسا تو نہیں چاہئے کہ اپنے
 ارادے سے پھر جائیں۔“

”آہ میں بھی یہی سوچتی ہوں اور یہ بھی سوچتی ہوں کہ میں نے یہ معاہدہ تیری طرف
 سے بھی کر لیا ہے لیکن کیا تو اسے پسند کرے گی۔“

”جس طرح میری عزت اور میری زندگی ان لوگوں نے بچائی ہے اس کے بعد میں اس
 کے لئے مجبور ہوں کہ تیرے کئے ہوئے وعدے کی پابندی کروں۔“

”آہ میری آقا زادی ممکن ہے میرے مالک ڈاکٹر آر تھر اسے پسند نہ کریں۔“
 ”لیکن ہم ڈیڈی کے پاس تو جائیں گے ناں ان سے ہماری ملاقات تو ہو گی ناں۔“

ہنٹ کو کہ ایک عورت کے دل میں کیا مقام پیدا ہوتا جا رہا ہے اور وہ یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھی کہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔ ہر حال وقت اسی طرح گزرتا رہا اور پھر سفر کچھ اور آگے بڑھا اور پھر وہ رفتہ رفتہ اس کراں کے نزدیک پہنچتے چلے گئے جس کے اطراف میں دہائی پھیلی ہوئی تھی اور نجانے کیوں اسے دیکھ کر کوبالہ کے دل کو ایک دھکا سا لگا وہاں جو خاموشی پھیلی ہوئی تھی وہ کسی اور ہی کہانی کا پتہ دیتی تھی اور کچھ ایسی خاموشی وہاں طاری نہ تھی جیسے کوئی انسان موجود نہ ہو اور یہ چاروں کے چاروں اس کراں میں داخل ہو گئے تبھی بے قرار میشل کی آواز ابھری۔

”ڈیڈی تم ڈیڈی تم کہاں ہو۔۔۔۔۔“ وہ زور زور سے چیخنے لگی تھی اور پھر کراں کے اندر دبی جیسے میں وہاں جہاں ان کی قیام گاہ تھی کوئی متحرک سایہ نظر آیا اور کوبالہ چیخ پڑی۔
”موننا۔۔۔۔۔“ وہ موننا ہی تھا جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا پھر اس کے حلق سے چیخ ہوئی آواز نکلی۔

”میرے آقا میرے مالک ڈاکٹر آر تھر آگنی وہ آگنی تمہاری بیٹی ڈاکٹر آر تھر خبردار ابھی تم کو گلے نہ لگانا موت سے کچھ وقت اور مانگ لو ڈاکٹر آر تھر میشل واپس آگنی ہے۔۔۔۔۔“ کوبالہ ساکت رہ گئی تھی اور پھر میشل کو دوڑتے دیکھ کر وہ خود بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑی نادر اور فینٹ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے تھے لیکن جو کچھ ان کے کانوں نے سنا تھا بڑا سنسنی خیز تھا کیا ڈاکٹر آر تھر کی حالت بہت زیادہ خراب ہے اور پھر وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کراں میں داخل ہو گئے اور اندر پہنچ کر ایک بڑے سے کمرے میں انہوں نے بستر پر ایک ہڈیوں کا ڈھانچہ دیکھا جس کی آنکھوں میں اگر روشنی نہ ہوتی تو وہ سمجھتے کہ ”اچھا ہے وہ ڈاکٹر آر تھر تھا جو اپنی بیٹی کے غم میں پاگل ہو چکا اور طویل عرصے سے اس نے کچھ کھایا تھا نہ پیا تھا۔ بس موننا تھا جو اس کی خدمت گاری کرتا تھا میشل دوڑ کر اپنے باپ سے لیٹ گئی اور پھر زارو قطار رونے لگی اس نے کہا۔

”آہ ڈیڈی یہ کیا حالت بنالی ہے آپ نے اپنی۔۔۔۔۔“ ڈھانچے میں تحریک پیدا ہوئی اور اس کے حلق سے ایک کھڑکھراتی ہوئی آواز نکلی۔

”تو زندہ ہے تو واپس آگنی ہے آہ شاید موت میری بہترین دوست ہے اس نے مجھے اتنا موقع دیا کہ میں اپنی آنکھوں سے تجھے دیکھ لوں تو آگنی میشل مجھے اس کی امید نہ تھی۔“

”مگر میرے آقا میرے مالک تم نے یہ اپنی حالت کیا بنالی ہے۔“ کوبالہ ڈاکٹر آر تھر

بستری کا باعث ہوا تھا چونکہ یہ بھی انہی لوگوں کا ایک مسکن تھا اور بھلا ان علاقوں میں کمرے اور کی کیا مجال تھی کہ اپنے لئے کوئی جگہ بناتا اور ان کے ہر مسکن میں ان کے لوگ سارا سامان موجود تھا یعنی ضروریات زندگی کی وہ ساری چیزیں جو کسی انسان کیلئے ضروری ہوتی ہیں، اور یہاں پہنچنے کے بعد وہ اپنے آپ کو بہت تھکا ہوا محسوس کر رہے تھے غالباً یہاں جو افراد موجود تھے، وہ شیطان کے ٹھکانے سے دھواں اٹھتا ہوا دیکھ کر صورت حال معلوم کرنے کیلئے دوڑ پڑے تھے اور ان کی واپسی آسانی سے ممکن نہیں تھی لیکن اپنے پیچھے جو اشیاء وہ چھوڑ گئے تھے یہ ایکبار پھر ان کی ضرورت کیلئے بہت بہتر ثابت ہوئیں کھانا پینے کا سامان لباس ہتھیار اور وہ تمام چیزیں جو سفر میں کام آ سکتی تھیں سوائے ذریعہ سفر یعنی وہاں نہ تو فخر موجود تھے اور نہ گھوڑے لیکن یہ بات سب سے آخر کی تھی اور جب رات بھر کے قیام کے بعد وہ وہاں سے آگے بڑھے تو انہیں کچھ نئے سفر کی مشکلات کا شکار تھا ضروریات زندگی کی تمام چیزیں ہونے کی بناء پر وہ زیادہ فکر مند نہیں تھے اور اب ان بات کی امید بھی نہیں تھی کہ وہ خوفناک لوگ ان کا تعاقب کریں گے چنانچہ سرفرازا مشک محسوس نہیں ہوا یہ الگ بات ہے کہ میشل جگہ جگہ خوف کا شکار نظر آرہی تھی اور نیز تو اپنے قومی ترانے گا رہا تھا اور رات کو جب خوب رات ہو جاتی تو وہ کسی مناسب با اپنے گیت شروع کر دیتا اور اس وقت میشل اور کوبالہ کے ہونٹوں پر بھی ہنسی آ جاتی نیز بہت خوش تھا لیکن ابھی تک ان دونوں نے کوبالہ سے اپنے مقصد کا اظہار نہیں کیا تھا۔ نہ ہی یہ کہا تھا کہ اب کوبالہ ان کے کام کا آغاز کر دے۔ یہ دونوں شریف آدمی جن بارے میں کوبالہ اپنی آقا زادی سے کتنی بھی رہتی تھی کہ آہ دیکھو کتنے اچھے انسان ہیں کہ اپنی طرف سے کوئی مطالبہ نہیں کرتے لیکن میشل کتنی کہ کیا ہم اپنے ٹھکانے کی طرف ہی واپس جا رہے ہیں آہ میرے باپ کا کیا حشر ہوا ہو گا میرے بغیر، لیکن قصور میرا بھی نہیں تھا اور پھر یہ سفر ہفتوں جاری رہا بس انہیں نشانات ملتے جا رہے تھے اور تقدیر ان رہبری کر رہی تھی چنانچہ بہت دن گزرنے کے بعد ایک دن پہاڑوں کی بلندی سے انہوں نے جگہ دیکھی جہاں بانسوں کے کراں بنے ہوئے تھے گویا دریائے سنگانیہ کا وہ سرا جس سارا لے کر وہ یہاں تک پہنچے میں کامیاب ہوئے تھے اور اس وقت کوبالہ سجدے میں گئی اور اس نے اپنے آسمانی دیوتاؤں کو پکارا جنہوں نے اس کی مدد کی تھی اور میشل بیٹھے ہوئے ان دو افراد کو دیکھ رہی تھی جن میں ایک سیاہ تھا اور ایک سفید اور اس آنکھوں میں نجانے کیوں محبت کی شمعیں روشن ہوئی جا رہی تھیں اور نہ نادر کو پتہ تھا

”نہیں آقا ہمارا اصل مقصد تو یہی ہے اور جو کچھ ہم نے کیا ہے۔“
 ”نہیں فینٹ اس کا تذکرہ نہ کر، جو کچھ ہم نے کیا اس کا ثواب ہمیں ہر حالت میں ملے گا۔ تو ذرا سوچ صحرائے اعظم میں بسنے والے ان لاتعداد معصوم انسانوں کی زندگی پر سے موت کے سائے اٹھ گئے اور یہ سفید بھیڑیے کے ظلم سے محفوظ ہو گئے کچھ وہ بھی ہوں گے جو وہاں اس کے چنگل سے بچ نکلے ہوں گے۔ وہ ایک الگ مسئلہ ہے اور بات صرف ہماری اپنی ذات کی ہے۔ دیکھ فینٹ میں اپنے دل میں آرزوں کا ایک طوفان لئے اس مہم پر نکلا ہوں اور تو بھی جانتا ہے کہ کتنی بار یہ زندگی موت سے ہٹکتا ہوئی ہے اور کون جانے آنے والے وقت میں کسی لمحے موت سے ہمارا پھر سامنا ہو جائے اور ہر بار تو یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم اس سے بچہ کشی میں جیت جائیں۔ انسانوں کی بھلائی کے لئے جو کچھ کر دیا اسے اپنے حساب میں درج نہ کیا جائے ہاں یہ الگ بات ہے کہ اگر یہ عورت جس کا نام کوبالہ ہے ہمیں صرف یہ توقف نہیں بناتی رہی ہے اور اس نے جو کما وہ سچ ہے تو پھر اگر یہ تیار ہو جائے تو ہم اپنے مقصد کے لئے آگے بڑھ جائیں گے۔ یہ نہ تیار ہوئی اور اس نے ہم سے روگردانی کی تو اب حالات ایسے ہیں کہ ہمیں ان سے کچھ کتنا بھی نہیں چاہئے۔ ہم یہاں سے آگے روانہ ہو جائیں گے۔“ فینٹ نے محبت بھری نگاہوں سے نادر کو دیکھا اور پھر بولا۔

”تم عظم ہو آقا اور تمہاری یہی عظمت بار بار مجھے تمہارے قدموں میں جھکنے پر مجبور کر دیتی ہے تم ٹھیک کہتے ہو۔ وہ میری نسل کے لوگ تھے اور خصوصاً مجھے ان سے ہمدردی ہونی چاہئے تھی لیکن یہ کام تم نے کیا۔۔۔۔۔ آہ۔۔۔۔۔ تم عظیم ہو۔“ پھر وہ خاموش ہو گئے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہاں آنے کے بعد کوبالہ اس کے شوہر مونا اور حسین چاند زادی نے ان کی بہت دیکھ بھال اور خدمت کی لیکن میشل اپنے باپ کے لئے بہت زیادہ فکر مند تھی اور یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ ڈاکٹر آرتھر ہوا کے روش پہ جتا ہوا چراغ ہے اور ہوا کا کوئی بھی جھونکا اس سے کسی بھی لمحے روشنی چھین سکتا ہے تو پھر ایک رات ایسا ہی ہوا اور آرتھر کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا پھر ظاہر ہے ان کے لئے یہاں کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ جو یہاں رہتے تھے بے مقصد ہی تھا۔ ان کا اس عظیم الشان کراں میں قیام اور ڈاکٹر آرتھر کی قبر اسی احاطے کے ایک گوشے میں بنائی گئی اور میشل پر ایک مکمل خاموشی طاری ہو گئی۔ وہ جیسے دنیا سے گم ہو گئی ہو۔ اس کے لئے اب اس کائنات میں کون کی منزل تھی۔ یہ کوئی نہیں جانتا تھا اور خاموشی سے دن گزرنے لگے۔ قرب و جوار سے

کے پیروں سے اپنی آنکھیں رگڑتی ہوئی بولی اور آرتھر نے اس کی طرف اشارہ کیا جیسے ”کوبالہ کو قریب بلانا چاہتا ہو۔“

”تیرا شکریہ کوبالہ مجھے بتا یہ کہاں سے آگئی مجھے یہ علم تو ہو چکا تھا کہ سفید بھیڑیا میری بیٹی کو لے گیا ہے اور تو جانتی ہے کہ اس کے سوا میری زندگی میں رکھا ہی کیا ہے آہ کاش میں اسے اس کی دنیا میں واپس بھیج دیتا وہ وہیں رہتی اور اس کی حالت یہ نہ ہوتی لیکن تو ٹھیک ہے نا میشل۔“

”ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں ڈیڈی اب تم بھی ٹھیک ہو جاؤ دیکھو ان دو فرشتوں نے کیا سلوک کیا تمہارے ساتھ یعنی تمہاری بیٹی کی زندگی بچالی اور اسے سفید بھیڑیے کے چنگل سے نکال لائے نہ صرف یہ بلکہ زرا جا کر دیکھو وہاں کیا ہوا ہے۔“

”کہاں۔“

”وہاں جہاں سفید بھیڑیا ہوتا تھا اب وہاں لاشوں کے انبار ہیں جلے ہوئے کراں ہیں اور سلگتی ہوئی لاشیں ہیں وہ سارے غلام آزاد ہو گئے جو اس نے گرفتار کر رکھے تھے اور انہوں نے اپنا انتقام لے لیا سفید بھیڑیے سے لیکن ان کی وجہ سے جو نجانے کون سی دنیا سے آئے ہیں اور یہاں رہنے والوں کیلئے فرشتہ بن گئے۔“

”آہ ان کی خاطر مدد کرتا کرو تمہارے جانے کے بعد مونا نے میری بڑی خدمت کی باقی سارے لوگوں کو میں نے یہاں سے بھگا دیا چونکہ مجھے تمہارے آنے کی امید نہیں تھی میں نے مونا سے بھی کہا کہ وہ چلا جائے کہیں بھی اپنا ٹھکانہ کر لے لیکن یہ وفادار شخص میرے پاس سے نہ گیا اور وہ لوگ ہیں جنہیں میں نے زبردستی اپنے پاس سے ہٹا دیا لیکن کچھ فاصلے پر جا کر بستیوں میں آباد ہو گئے اور روز آئے میری خبر گیری کیلئے آتے ہیں آہ جب انہیں پتہ چلے گا کہ تم آگئی ہو تو وہ کتنے خوش ہوں گے۔۔۔۔۔“ اور پھر اس کے بعد بڑے دلدوز مناظر دیکھنے میں آئے ڈاکٹر آرتھر واقعی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ فینٹ نے نادر سے کہا۔

”عظیم آقا یہ شخص تو مرجائے گا اب اس کے بعد کیا کرو گے۔“

”میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“

”پتہ نہیں بوڑھی عورت نے اس لڑکی کو اپنے معاہدے کے بارے میں بتایا۔“

”نہیں۔“

”یہ بعد کی بات ہے۔“

”ہاں یہ بات تو ہے۔۔۔۔۔“ فینٹ نے عجیب سی اداسی کے ساتھ کہا لیکن نادر اس کی اس اداس آواز پر غور نہیں کر سکا تو پھر نادر نے کہا۔

”اب بہت وقت ہم یہاں صرف کر چکے۔ اب تک کی تمام مشکلات کی تھکن دور ہو چکی تو کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ اب ہم ان سے آگے جانے کی اجازت مانگیں۔۔۔۔۔“

فینٹ نے عجیب سی نگاہوں سے نادر کو دیکھا پھر بولا۔

”تم آقا ہو۔۔۔۔۔ جیسا فیصلہ کرو۔۔۔۔۔“ اور اس کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔

”تو جانتا ہے فینٹ کہ میں تیرا آقا نہیں ہوں میں نے تجھے کبھی نہیں روکا اور تیرا جو دل چاہتا ہے مجھے کتنا رہتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ تو صرف میرا بہترین دوست ہے اور نئی دوستی میرے لئے سب سے قیمتی ہے۔“

”یہ تمہاری محبت ہے عظیم آقا ورنہ میں تمہارا کیا لگتا ہوں۔“ فینٹ نے کہا اس کے لئے میں ایک اداس کھلی ہوئی تھی۔

”تو اداس ہے فینٹ“ نادر نے کہا۔

”ارے نہیں میرے دوست تم ساتھ ہو اب میرا اس دنیا میں اور کون ہے بس تمہارے ساتھ ہی میری زندگی اور موت ہے اس کائنات میں صرف میری ماں تھی جو اب مرا ہے اور میں۔“

نادر سر جھکا کر خاموش ہو گیا تھا۔



پھر مزید کچھ وقت گذرا اس دوران بہت سے چھوٹے چھوٹے واقعات پیش آچکے تھے۔ ہر واقعے میں یوں محسوس ہوتا جیسے بیش اب نادر کی زندگی کا سہارا چاہتی ہے لیکن نادر کی اپنی جگہ اٹل تھا بھلا فیصلے بولنے کے لئے تو نہیں ہوتے۔ وہ اپنے بھائی کی قربانی دے گا۔ اس کے بعد بھلا اس بات کی کیا گنجائش تھی کہ وہ کسی اور الجھن میں پھنسے سو پھر بدین شام کے وقت جب وہ کراں کے بیرونی حصے میں بیٹھے خاص قسم کا قہوہ پی رہے تھے

نادر نے کہا۔

”محترم بزرگ خاتون۔۔۔۔۔ بہت وقت ہو گیا۔ ہمیں یہاں کیا اب آپ ہمیں یہاں سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیں گی ہم جانا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔“ بھئی نے چونک کر دیکھا کچھ لمحے کی خاموشی رہی کوہالہ کے چہرے پر عجیب سی ہچکچاہٹ کے آثار نظر آ

سیاہ فام اپنے دیوتا کے درشن کے لئے آتے تھے اور خاموشی سے اپنی رسومات کے مطابق اس کے گرد حلقہ بنا لیتے تھے لیکن ان میں سے بے شمار ایسے بھی تھے جو اس کراں کے گرد اپنے چھوٹے چھوٹے کراں بنانے لگے تھے اور انہوں نے مونٹا سے کہا تھا۔

”اس سے نے ہمیشہ ہماری خبر گیری کی اور ہم نے اس کا خیال نہ کیا لیکن اب یہ کراں ایک یادگار ہے اور ہم اس کے محافظ و پجاری ہیں۔۔۔۔۔ کاش وہ ہمارے درمیان ہوتا اور اس وقت ہم یہ عمل کرتے۔۔۔۔۔“ گویا انہوں نے اپنی خدمات یہاں رہنے والوں کے لئے پیش کر دی تھیں اور ڈاکٹر آر تھر کی موت کے بعد اس کراں کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے شانوں پہ قبول کی تھی۔ سو حالات ہی ایسے ہو گئے تھے کہ اب بھلا اس بات کے کیا امکانات تھے کہ نادر ان لوگوں سے کہے کہ وہ اپنا مقصد پورا کریں۔ ہاں اسے ایک الجھن ضرور ہوا کرتی تھی۔ وہ یہ کہ بیش کی نگاہیں اس کی جانب اٹھیں۔ ان میں محبت کا ایک پیغام ہوتا بار بار یوں لگا جیسے وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی ہو لیکن نادر نے اس کی پذیرائی نہیں کی وہ جو کچھ کہنا چاہتی تھی۔ نادر اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ زندگی میں ایک دھاکہ باندھا تھا اس نے اپنے دل سے ایک دل تک اور یہ دھاکہ اتنا مضبوط تھا کہ دل ہی ٹوٹ جائے تو بات ہو ورنہ جب تک فرخندہ کی آنکھیں اسے اپنے تصور میں خنجر نظر آتی تھیں۔ وہ کسی اور آنکھوں میں اپنے لئے گھر نہیں بنا سکتا تھا اور پھر ایک دن فینٹ نے اس سے کہا۔

”عظیم آقا ایک بات کہوں اگر برا نہ مانو۔۔۔۔۔“

”کیا بات ہے فینٹ۔“

”آقا یہ لڑکی اب تنہا ہے بے شک وہ عورت یعنی کوہالہ اس کی نگراں اور ایک طرح سے اس کی ماں کی مانند ہے اور وہ مونٹا جو عمر رسیدہ ہونے کے باوجود بے حدود و ادارہ ہے اس کی نگراں کرتے ہیں لیکن آقا تمہاری دنیا کی ایک لڑکی جس کا اب یہاں کوئی ٹھکانہ نہیں ہے کیا وہ ہمیں رہے گی۔“

”مطلب۔۔۔۔۔؟“

”آقا۔۔۔۔۔ اس کی نگاہوں میں تمہارے لئے محبت کا پیغام ہے۔“

”فینٹ اپنے بارے میں مختصر الفاظ میں تجھے بتا چکا ہوں۔ میرے دل میں یا میری آنکھوں میں کوئی جگہ باقی نہیں ہے۔ یہ سب کچھ کسی کے لئے مخصوص ہو چکا ہے اور بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں کسی کی جگہ کسی اور کو دے دوں ناممکن ہی ہے فینٹ بالکل ناممکن

رہے تھے لیکن اس کی یہ ہچکچاہٹ نادر نے خود ہی دور کر دی۔

”نہیں۔۔۔۔۔ ہمیں ہماری محنت کا معاوضہ مل گیا اور اس سے اچھی بات کیا ہے۔“
میشل ان وحشی ورنندوں کے چنگل سے نکل آئی اور جو معاہدہ ہمارے درمیان ہوا تھا وہ
خود اسے منسوخ کرتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں اب حالات ایسے نہیں کہ کوہالہ تم اپنے
وعدے کو پورا کرنے کی کوشش کرو تمہیں اور مونٹا کو میشل کی نگرانی کرنی ہے بلکہ
تمہیں ایک بہتر مشورہ دیتا ہوں یہاں جو قیمتی سامان موجود ہے اسے سمیٹو اور سمیٹنے کے
بہتر ہے کہ دریائے سنگانیہ کے راستے انہی آبادیوں کا رخ کرو جہاں میشل کے عزیز
اقارب رہتے ہیں اور اس کے بعد میشل کو تہذیب کی زندگی دو کیونکہ ڈاکٹر آر تھر کے
اب یہاں میشل کا قیام ناممکن ہے۔“ تب میشل نے نگاہیں اٹھا کر نادر کو دیکھا اور بولا۔
”مسٹر نادر کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ایک معاہدے ایک مقصد کے لئے ہی آپ
میری رہائی کے لئے جدوجہد کی تھی اور اس معاہدے میں جہاں تک کوہالہ سے مجھے علم
ہے۔ میری شمولیت بھی درج کی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ میں آپ لوگوں کا ساتھ دوں
اور کوہالہ نے اس کے لئے آپ سے بھرپور وعدہ کیا تھا۔“

”بات پرانی ہو گئی جب میں خود اس معاہدے سے کوہالہ کو آزاد کر رہا ہوں۔“
میشل تو پھر اس کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔“
”معاہدے پورے کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور اب یہاں سے رواجی کا فیصلہ
ہم لوگ بخوشی اس مہم کو سرانجام دینے کے لئے تیار ہیں جس کا وعدہ آپ سے کوہالہ
کیا تھا۔۔۔۔۔“ مونٹا خوشی کا نعرہ لگا کر بولا۔

”اور میرے مالک کی بیٹی اتنی ہی پروقار اور شریف ہے کہ وہ کسی معاہدے کو
نہیں چاہتی اور ویسے بھی مالک کے بغیر ہم یہاں اپنے آپ کو بالکل بے کل سمجھتے ہیں
میں اپنی بیوی کی طرف سے پیش کش کرتا ہوں کہ ہمیں آگے بڑھنے میں کوئی اعتراض
ہے اور مقدس آقا تم ذہنی طور پر اپنے آپ کو تیار کر لو وعدے کی تکمیل ہوگی۔ معاہدہ
طرح زیر عمل آئے گا۔ جس طرح وہ کیا گیا ہے۔۔۔۔۔“ پھر ان دونوں کی ایک
حالانکہ ڈھکے پھیلے الفاظ میں فینٹ نے بھی یہی کہا تھا کہ اب کوہالہ کو میشل کی نگرانی
چاہئے لیکن نہ تو کوہالہ اور نہ میشل اس بات کے لئے تیار ہوئے بلکہ میشل اس لئے
زیادہ مستعد نظر آ رہی تھی۔ اس کے چہرے کی پراسرار خاموشی بتاتی تھی کہ وہ اپنے
میں کوئی چلک پیدا کرنے میں تیار نہیں ہے تب ساری باتیں ختم ہو گئیں اور مونٹا

داری سوچنی مگنی کہ وہ سنگانیہ میں سفر کا انتظام کرے کہ اسی کے راستے سفر زیادہ موثر ہو سکتا
تھا اور مونٹا ان سیاہ فاموں کے ساتھ مصروف عمل ہو گیا اور چودہ دن کی سخت جدوجہد کے
بعد اس نے وہ تمام انتظامات کر لئے اور یہ حقیقت تھی کہ ڈاکٹر آر تھر کا دست راست تھا
اور تمام انتظامی امور اس نے سنبھالے ہوئے تھے اور انہی کی وجہ سے ڈاکٹر آر تھر کی
آنکھوں کا تار تھا اور وہ اس کے بغیر کوئی عمل نہیں کرتا تھا چنانچہ مونٹا نے جو انتظامات
کئے وہ ناقابل یقین تھے۔ بہترین کشتی بنائی تھی اس نے اور اس نے پندرہ ایسے آدمیوں کو
منتخب کیا تھا جو بہترین کارکردگی کے مالک تھے۔ سیاہ فام جو بندوقیں چلانا بھی جانتے تھے اور
دوسرے ہتھیار بھی۔ گویا ایک مضبوط فوج بنالی تھی اس نے اور پھر یہ چھوٹا سا قافلہ وہاں
سے چل پڑا اور کچھ اور کشتیاں بھی ان لوگوں کے لئے مخصوص کی گئی تھیں اور کیا ہی عمدہ
انتظامات کئے تھے کہ وہ کشتیاں قریب بھی رہیں اور جب چاہیں دور ہو جائیں اس کے بعد وہ
کشتی جس میں آرام کا تمام بندوبست کر دیا گیا تھا اور دوسری کشتیاں جن میں کھانے پینے کی
اشیاء وافر مقدار میں موجود تھیں دریائے سنگانیہ کی لہروں پر آگے بڑھنے لگیں اور وہ لوگ
خاموشی سے سفر کرتے رہے لیکن وہ کہانی آج بھی نہیں کھل سکی تھی یعنی یہ کہ کوہالہ زمین
کے دوسرے طبق کی جانب سفر کرنے کی کیا واقفیت رکھتی تھی اور وہ جگہ جو رات والی
کھلاتی تھی یعنی اندھیرے کی سر زمین۔ اس کے بارے میں صرف بقول کوہالہ کے اس کے
دادا جان کی راہنمائی تھی لیکن کوہالہ اتنی ذمہ داری کے ساتھ ادھر کا سفر کیسے کرتی تھی۔ بہر
حال کشتیوں کا سفر جاری رہا اور وہ بہاؤ کے ساتھ ساتھ بہتی رہیں پھر کوہالہ کے اشارے پر
سنگانیہ کی ایک شاخ جو اب تک انسانی نگاہوں سے محفوظ رہی تھی ان کی توجہ کا مرکز بنی
اور وہ اس شاخ میں داخل ہو گئے۔ تین ہفتے تک یہ سفر جاری رہا اور وہ ایک سلسلہ کوہ کے
ساتھ ساتھ آگے بڑھتے چلے گئے اس شاخ میں اتنی رفتار اور اتنی تیزی نہیں تھی کیونکہ
اس کے پانی کا بہاؤ زیادہ تیز نہیں تھا۔ پھر جگہ جگہ بڑے بڑے پتھر سطح آب پر ابھرے
ہوئے تھے اور اکثر پانی کی گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جن میں کبھی کبھی ان کی کشتیاں
پھنس جاتیں بالآخر وہ لوگ دریا کے اوپر پہنچ گئے لیکن یہ اتنا خطرناک اور پانی کا بہاؤ اتنا
تیز تھا اور اتنی دور تک چلا گیا تھا کہ مجبوراً انہیں کشتیاں چھوڑ کر پیدل سفر کرنے کا فیصلہ
کرنا پڑا۔ اس پانی کے سفر میں خطرات بہت زیادہ تھے۔ جن سے ان مسافروں کا سابقہ پڑنے
والا تھا لیکن وہ خطرات خشکی کے سفر کے خطرات کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتے
تھے سفر کی اصل منزل اب شروع ہوئی تھی کیونکہ پہلے کشتیوں میں سفر کرتے ہوئے انہیں

اپنے جسموں کو جنبش نہیں دینا پڑتی تھی لیکن وہ جگہ ایسی ہی تھی کہ اگر وہ اس کا سارا لیتے تو یقینی طور پر ان میں سے کچھ ضرور پانی کی گھرائیوں میں چلے جاتے۔ پھر ہر شخص اپنی ذمہ داری پوری کرنے لگا کالے غلاموں نے سامان کے تھیلے اپنی پشت پر باندھ دیے تھے اور اب وہ جس خطے کو عبور کر رہے تھے اس میں انسان نام کی کسی شے کا وجود نہیں تھا۔ جبکہ جنگلی جانوروں کے ریوڑ کے ریوڑ بھٹکتے نظر آتے تھے وہ اس غیر آباد خطے میں آگے بڑھ رہے۔ ایک کے بعد دوسرا میدان سامنے آتا رہا۔ ایک میدان کے بعد دوسرا ویرانہ اور دوسرے ویرانے کے بعد تیسرا میدان۔۔۔۔۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دنیا کا اختتام اسی علاقہ پر آ کے ہو جائے گا۔ پھر جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے گئے آب و ہوا خشک اور پھر سرد ہوتی گئی اب وہ ایک ایسے خطے میں تھے جہاں اس سے پہلے شاید کسی انسان کا گذر نہیں ہوا ہو گا اور جو جنوبی افریقہ کو وسطی افریقہ سے جدا کرتا تھا۔ اس خطے کی ویرانی اس قدر خطرناک اور رہشت ناک تھی کہ ان کے دونگھٹنے کھڑے ہو جاتے تھے اور اکثر کالے غلاموں کا کہنا تھا کہ وہ دنیا کے آخری سرے پر پہنچ گئے ہیں البتہ اس خطے میں کچھ ایسی خاص باتیں بھی تھیں جو سمجھ میں آتی تھیں وہ سطح سمندر سے اتنا بلند تھا کہ افریقہ کا مشہور بخار ان پر حملہ نہ کر سکا اور نہ ہی یہاں حشرات الارض اور وہ خوفناک چیزیں یعنی زہریلی مکھی یہ زہریلی چیونٹیاں یہاں موجود نہیں تھیں۔ اب اگر کوہالہ کا کہنا درست مان لیا جائے تو اس کے بعد وہ پہاڑی سلسلہ آنے والا تھا جس کی گھرائیوں میں پہنچنے کے بعد وہ اندھیرے کے شر میں داخل ہو جاتے۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سفر ایک ناقابل تہیہ حیثیت رکھتا تھا اور میشل کو رہائی دلانے کے سلسلے میں انہیں جیسی جیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا وہ اس سفر کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھیں۔ یہ سفر ان سے کہیں زیادہ خوفناک تھا۔ بس اس میں آسانی یہ تھی کہ کسی سفید بھیڑیے کا کوئی خطرہ یا اس سے پوشیدہ رہنے کی کوئی کیفیت نہیں تھی لیکن یہ سلسلہ بھی اس وقت ختم ہو گیا جب انہوں نے آگے چلنے کے بعد انسانوں کے نشانات محسوس کئے اور پھر جنگل کے کھدائیوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان پر زہریلے تیر برساتے نتیجہ یہ ہوا کہ غلاموں میں سے دو افراد مارے گئے۔ ہاں اگر ان کے پاس آتشیں ہتھیار نہ ہوتے تو یقینی طور پر ان میں سے کسی کی زندگی بچ نہیں تھی لیکن ان کا معقول بندوبست کیا گیا تھا اور اس کا انتظام بھی مونٹا نے کیا تھا کیونکہ مونٹا ہر طرح کے علاقوں کا ماہر تھا اور اس نے وہاں سے چلتے ہوئے یہی کہا تھا۔

”عظیم آقا! ہمارے پاس بارود کا جادو ہے اور یہ جنگل کے لوگ ہر طرح کے جادو۔“

”جس دنیا کا میں باشندہ ہوں وہاں اقدار کی رسومات کو زندگی پر سب سے زیادہ اولیت ملتی ہے اور ہم قول پر مرنے والوں میں سے ہیں۔ تو میں یہ چاہتا ہوں کہ ہر شخص اپنے کاراز کھول دے میں دولت کا خواہشمند نہیں ہوں اور مجھے معاف کرنا پیش نہ یہ تم پر رہے نہ احسان جتانے کی کوشش کہ جب اس موٹر بوٹ پر سونے کی لاتعداد تھیلیاں سکوں غسل میں مجھے ملی تھیں تو ایک لمحے کے لئے میرے دل میں شیطان نے گھریا تھا اور میں نے یہ سوچا تھا کہ یہ سونا اتنی قیمت ضرور رکھتا ہے کہ اگر میں اس موٹر بوٹ کو لے کر اندر میں نکل جاؤں یعنی اپنے رفیق اور خود سے محبت کرنے والے فریٹ کے ساتھ تو اپنی بائیں واپس پہنچ کر میں اپنا وہ مقصد پورا کر سکتا ہوں جو میں نے منتخب کیا تھا اور اپنی اس بائیں حویلی کو واپس خرید سکتا ہوں یہاں میرے دل میں انسان اور شیطان کے درمیان کشیدگی ہوتی اور شیطان یہی کہتا تھا کہ دوسروں کے چکر میں پڑنے سے کوئی فائدہ نہیں کچھ مل نہ ہو گا لیکن میرے اندر کا انسان نفی کر رہا تھا اس نے کہا کہ وہ خوبصورت لڑکی کی آبرو درندوں کی بھیٹ چڑھنے والی ہے اور وہ کالے غلام جو زندگی کی مصیبتیں بھگت رہا ہے ایسے نہیں، کہ انہیں نظر انداز کر دیا جائے یہاں تو ایک ہی شخص کی زندگی کا لالچہ یعنی میں یعنی اگر میں یہ نہ کر سکا تو زیادہ سے زیادہ مرا جاؤں گا اور موت کے بعد مارے جھگڑے خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ سو میں نے شیطان کو مار دیا اور اس کے بعد بے مضروبے کے لئے سونے کے سکوں سے بھری ہوئی وہ تھیلیاں سفید بھٹیڑیے کی نذر کر دیا۔ حالانکہ وہ اس کے کام بھی نہ آسکا لیکن مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی اور اللہ نے میری نیک نیتی کا صلہ دیا کہ شیطان فنا ہو گیا اور انسانوں کو اس کے شر سے نجات مل گئی جس حد تک بھی سہی اور اس کے بعد ہم واپس آگئے پھر جو کچھ ہوا اس کا تذکرہ تم سے کرنا ہے مقصد ہے۔۔۔۔۔ لیکن یہاں اس جگہ کی گمراہیوں تک پہنچنے کے بعد یہ محسوس کرتا ہوں کہ آگے مشکلات ہی مشکلات ہیں اور ایک بار پھر میں پیش کش کرتا ہوں اس علاقے کو دیکھ کر اور یہاں کے ماحول کو دیکھ کر کہ اگر تم لوگ واپس جانا چاہو تو واپس چلے جاؤ میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ تم نے اپنا فرض پورا کر دیا میں گمراہ اور موٹا اور تم سب جنہوں نے اب تک بڑی ثابت قدمی سے میرا ساتھ دیا۔ میں اتنا احسان کافی سمجھتا ہوں اور بعد کے لئے کوہالہ تجھے اس معاہدے کے لئے آزاد رکھتا ہوں جو میرے اور تیرے درمیان ہوا یعنی اب اس کے بعد پیش کو بھی یہ اختیار ہے کہ تجھے مجبور کرے۔ ہم اپنی آگ میں جل رہے ہیں اور میں تو اپنے دوست

زندگی کا آخری سفر طے کر رہے ہوں یہاں تک کہ وہ عظیم انسان پہاڑی دیوار نظر آگئی جس کی گمراہیاں کھلی ہوئی تھیں یعنی ایک عجیب و غریب راستہ یعنی یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی گھر کا گیراج یا پھر کوئی ایسی جگہ جس کے بارے میں صحیح الفاظ نہ ادا کئے جائیں۔ یعنی یہاں سے زمین گمراہیوں میں چلی گئی تھی اور پہاڑ بلندیوں تک لیکن یہ نہ پتا چلتا تھا کہ ان گمراہیوں میں داخل ہونے کے بعد کھلے آسمان کی کیا کیفیت ہوگی آیا کیا یہ گمراہیاں ایک طویل و عریض غار ہیں جس پر پتھروں کی چھت ہے یا پھر آگے جا کر ان کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور آسمان پھر اسی طرح نظر آتا ہے کیونکہ جیسا کہ کوہالہ نے بتایا تھا کہ یہاں آبادیاں ہیں اور انسانی شہر آباد ہیں۔ تو کیا آسمان کے بغیر لیکن یہ تصور ابھی صرف ذہنوں ہی میں تھا اور انہوں نے ایک ایسی جگہ قیام کے لئے منتخب کی جو ان پہاڑیوں میں ایک چوڑے ستون کی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن اتنا چوڑا ستون جس کی آڑ میں پوری فوج سا جائے اس کے پیچھے انہوں نے اپنے قیام کے لئے صاف ستھری جگہ کا انتخاب کر لیا کہ گمراہیوں میں داخل ہونے سے پہلے وہ اپنے اس طویل سفر کی تھکن دور کرنا چاہتے تھے کیونکہ کوہالہ بتا چکی تھی کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ گئے ہیں اور اس سے آگے اندھیرے کا شہر ہے۔ جہاں انسان آباد ہیں اور اب یہ مناسب وقت تھا کہ اس سلسلے میں کوہالہ سے تمام تفصیلات معلوم کر لی جائیں۔ غلام کھانے پینے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے اور پوری طرح مستعد تھے اور خصوصی طور پر انہوں نے بارود کو سنبھال کر رکھا تھا کیونکہ یہ نہایت کار آمد چیز تھی اور طے یہ کیا گیا تھا کہ یہاں بارود کے اور بہت سے گولے بنائے جائیں تاکہ اندھیرے کے شہر میں اگر کوئی دقت پیش آئے تو ان کا استعمال بہتر رہے اور اس کا ٹھکانا موٹا تھا۔ پھر جب آسمان پر تارے کھل اٹھے اور وہ لوگ صحرا میں اس طرح بیٹھ گئے جیسے ان کا تعلق انسانی زندگی سے نہ ہو تو نادر نے ہی سلسلہ گفتگو شریعہ کیا۔ وہ کہنے لگا۔

”اور اب یہ ضروری ہے کہ ایک بار پھر ہم اس شہر کی کہانیاں دہرا لیں اور میرے ذہن میں کچھ سوالات آتے ہیں اور پیش ایک پروکار لڑکی تم نے جس طرح ہمارے ساتھ اس سفر کی صعوبتوں کو برداشت کیا ہے اس نے میرے دل میں تمہارے لئے ایک بہت ہی مقدس مقام پیدا کر دیا ہے تم بے شک ایک بڑے باپ کی بیٹی ہو اور یقینی طور پر مرحوم ڈاکٹر آرتھر اپنے قول کا سچا ہو گا۔ جس نے ایسی بیٹی کے باپ ہونے کا فخر حاصل کیا، تو سنو میں تمہیں آج تک اپنے بارے میں کوئی تفصیل نہیں بتا سکا آج میں تمہیں اپنی زندگی کی مختصر سی کہانی سنانا ہوں۔“ وہ سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے اور نادر نے کہا۔

”بار بار تم ہمیں واپسی کے لئے کہتے ہو کوہالہ اور میرا بہت اچھا سرپرست مونثا اور یہ اب لوگ جو اپنے آقا کے بے حد وفادار رہے قابل احترام ہیں میرے لئے اور میں بھی انہیں اجازت دیتی ہوں کہ یہ واپس چلے جائیں لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے چونکہ میرا باپ بھی احسان فراموش نہیں تھا اور میں بھی۔ میں اس وقت تک تم لوگوں کا ساتھ دوں گی جب تک تم اپنا مقصد نہ پا لو ایک مقصد تم نے یہ بتایا تھا اپنا کہ زندگی کی بازی لگا کر مجھ تک پہنچے تھے اور مجھے سفید بھیڑیے سے آزاد کرایا تھا تو میرا بھی یہ مقصد ہے کہ میں تم لوگوں کو اس خزانے تک پہنچاؤں جس کی خبر تمہیں کوہالہ نے دی ہے اور میں اس سے کسی بھی قیمت پہ پیچھے نہیں ہٹوں گی۔ چاہے تم پیچھے ہٹنے کی کوشش کرو۔۔۔۔۔۔ یہ عجیب الفاظ تھے جنہوں نے سب کے دلوں پر اثر کیا تھا اور تعجب ہوا تھا فینٹ کو بھی اور نادر کو بھی کہ ایک معصوم سی حسین سی لڑکی اپنے اندر اقدار کا اتنا بڑا مقام رکھتی ہو گی وہ سب ہی اس سے متاثر ہوئے تھے اور کوہالہ نے کہا۔

”نہیں چاند زادی۔۔۔۔۔۔ نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تو نے اپنے آپ کو اپنے وجود میں تنہا سمجھا ہے۔۔۔۔۔۔ ابتدا ہی سے کوہالہ تیرے وجود سے عشق کرتی تھی اور تجھ سے محبت، تیرے بغیر تو زندگی کا ایک ایک لمحہ عذاب بن کر گذرتا ہے اور بھلا یہ کیسے ممکن ہے میں ہی تو تمہاری راہبری کروں گی اور عظیم انسان، میں نے تجھے ایک مختصر کمائی سنائی تھی اس وقت اور سچ جان کہ وہ جھوٹی نہیں تھی اور آج میں اس کو مکمل کئے دیتی ہوں تاکہ آگے کے حالات تیری سمجھ میں آجائیں اور مونثا ایک بات کی درخواست کرتی ہوں تجھ سے میرا اور تیرا زندگی کا طویل ساتھ رہا ہے اور میں نے ہمیشہ تجھ سے محبت کی ہے اور تو نے مجھ سے اور تو جس طرح کا انسان ہے میں نے اپنی زندگی کا ہر راز تیرے سامنے پیش کر دیا سوائے ایک ایسے اہم راز کے جو آج تک میں تجھ سے چھپائے رہی۔“

”مجھ سے۔۔۔۔۔۔“ مونثا نے حیرت سے کہا۔

”ہاں۔۔۔۔۔۔“

”مگر کیوں کوہالہ۔۔۔۔۔۔“

”اس لئے کہ وہ راز ایک مقدس امانت تھا اور میں اسے ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔“

”مگر وہ کیا راز تھا۔۔۔۔۔۔؟“ مونثا نے سوال کیا۔

”ان لوگوں کو میں نے اندھیرے کے شر کے بارے میں مختصر الفاظ میں بتایا تھا اور اس

فینٹ سے بھی یہ ہی کہنا چاہتا تھا کہ اب وہ مجھے تنہا چھوڑ دے اور موت کے اس سزمیر میرا ساتھ نہ دے لیکن میں جانتا ہوں وہ کبھی مجھے نہیں چھوڑے گا سو اس سے میں کہ نہیں کہوں گا لیکن تم سب۔۔۔۔۔۔“

”ایک منٹ۔۔۔۔۔۔“ میشل نے بڑی سنجیدگی سے انگلی اٹھاتے ہوئے کہا اور سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔“

”ہاں۔۔۔۔۔۔ میشل تم کچھ کہنا چاہتی ہو۔“

”ہاں۔۔۔۔۔۔“

”کیا کہنا چاہتی ہو۔۔۔۔۔۔؟“

”یہ کہ میں تمہاری بہت عزت کرتی ہوں۔ تم قابل احترام شخصیت کے مالک اور درحقیقت مجھے اس مشکل سے نجات دلانے والے ہو لیکن اس کے باوجود اگر کوئی انسان کسی کے لئے دل میں محبت رکھتا ہو اور نیک نیت رکھتا ہو تو اس کی تذلیل مناسب نہیں ہے۔“

”کیا مطلب۔۔۔۔۔۔؟“ نادر چونک کر بولا۔

”تم ہماری مسلسل تذلیل کر رہے ہو۔“

”میں۔۔۔۔۔۔؟“ نادر نے حیرت سے کہا۔

”ہاں۔۔۔۔۔۔“

”آہ۔۔۔۔۔۔ کیا میری زبان سے ایسی بات نکل گئی۔“

”مسلسل۔۔۔۔۔۔ تم مسلسل یہ کئے جا رہے ہو۔“

”خدا ارے مجھے سمجھا دو ہو سکتا ہے میں نے نادر فتنی میں کچھ ایسے الفاظ کہہ دیے ہوں جنہیں تم نے اپنی توہین سمجھا ہو۔۔۔۔۔۔“ نادر نے سنجیدگی سے کہا۔

”اگر تم نادر فتنی میں وہ الفاظ کہہ دیتے تو مجھے اعتراض نہ ہوتا۔“

”مگر مجھے بتاؤ تو سہی میشل۔۔۔۔۔۔“ نادر نے عجیب سے انداز میں کہا اور پاس بیٹھ

ہوئے فینٹ نے ایک بار پھر محسوس کیا کہ میشل کی نگاہوں میں محبت کی مشعل روشن ہے۔ میشل کہنے لگی۔

”آخر تم کیوں یہ سمجھتے ہو کہ ہم کسی بھی طرح احسان ادا کرنے میں تم سے

ہیں۔۔۔۔۔۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”کیا تو میری اس خاموشی کو معاف کر دے گا۔“

”وقت تو بہت آگے بڑھ گیا ہے اب بھلا میں کیا کر سکتا ہوں۔ ٹھیک ہے میں نے نئے کوہالہ کی حیثیت ہی سے قبول کیا تھا اور میں اپنے ذہن سے اب اس کمائی کو نکال دوں گا جو تو نے مجھے سنائی۔“

”آہ گویا تو نے مجھے معاف کر دیا۔۔۔۔۔“ کوہالہ نے اپنی آنکھیں اس کے قدموں میں رگڑتے ہوئے کہا لیکن باقی سب پر سکتہ طاری تھا۔ البتہ یہ بات بڑی تعجب خیز تھی، پھر مونٹا نے کہا۔

”اور اب جب تو مطمئن ہو گئی ہے کہ میری طرف سے تجھ پر کوئی باز پرس نہیں ہے زاب ہمیں اندھیرے شہر کی کمائی سنا۔۔۔۔۔“ کوہالہ نے ان سب کو دیکھا سب کے چروں پر تجسس اور اشتیاق بھڑک رہا تھا اور وہ اس انوکھے شہر کو جاننے کے خواہشمند تھے تو کوہالہ نے کہا۔

”اور ہوا یوں کہ جب لازارا کے اشارے پر زمین کے اس دوسرے طبق میں اپنے لئے پناہ گاہ بنائی گئی تو بہت سے انکشافات ہوئے اور یہ انکشافات نہایت انوکھے تھے۔ مثلاً نئی دنیا کے رہنے والو اور ان کے جو میرے اپنے ہیں دوستو اور ساتھیو، یعنی میں جو اب اپنے شوہر مونٹا کے ساتھ زندگی کا آخری دور گزار رہی ہوں، کیا میں یہ کہوں کہ میرا تعلق اندھیرے کے شہر سے ہے۔ نہیں میں تو تم میں سے ایک ہوں، زمین کے اس دوسرے طبق میں پہنچنے کے بعد جو چیزیں سب لوگوں کو معلوم ہوئیں وہ بہت عجیب تھیں اور اس وقت دنیا یہ نہیں جانتی تھی کہ زمین کی گہرائیوں میں یہ پاتال کیا ہے۔ ہم وہاں پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ ہمارے اوپر پتھروں کی چھت ہے لیکن اتنی بلند جیسے آسمان، اور وہاں چاند نہیں لٹکا۔ اور وہاں ستارے نہیں چمکتے۔ لیکن جب رات ہوتی ہے، جب باہر کی دنیا میں سورج نہج جاتا ہے اور چاند بلند ہوتا ہے تو آسمان کی یہ چھت یعنی پتھروں کی بنی ہوئی جس تک ہمارے ہاتھ پہنچ سکتے ہیں اگر ہم ناقابل یقین بلندیاں طے کر لیں تو وہاں ہمیں روشنیاں نظر آتی ہیں۔ اور یہ روشنیاں ان گڑھوں میں چمکتی ہیں جن میں نجانے کیا موجود ہے۔ اور وہاں دریا، پہاڑ، پانی، سبزہ زار، سب کچھ موجود ہے۔ لیکن چونکہ آسمان کی چھت ان پر دبی ہوئی ہے اور کچھ ایسے موسمی حالات ہیں کہ ان کے قد بہت زیادہ بلند نہیں لیکن تھوڑے سے الجھوٹے۔ یعنی ہمارے شانوں تک۔ یا کہیں کہیں اس سے نیچے۔ اور شاید تم میرے ندرت سے یہ اندازہ لگا سکو۔ لیکن چونکہ میں نے زندگی کا ایک طویل حصہ تمہاری دنیا

لوکائیہ تھا۔ لوکائیہ قبیلے میں ہم ایک آبشار کے کنارے ایسی جگہ موجود تھے جہاں آبشار بلندیوں سے گرتا تھا اور ایک تیز رفتار ندی کی شکل میں بہتا ہوا نہ جانے کہاں سے کہاں نکل جاتا تھا اور یہیں ہمیں وہ لڑکی ملی جس کا نام کوہالہ تھا اور حیران کن بات یہ تھی کہ لڑکی میری ہم شکل تھی۔ اس کی آواز بھی مجھ جیسی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر حیران ہوئی اور ہم نے اس سے بہت سی باتیں کیں اور یوں ہمیں اندازہ ہوا کہ وہ لوکائیہ میں کس کی بیٹی اور کس کی پوتی ہے۔ منت کی نیت خراب ہو گئی اور تو یقین کر مونٹا میرے علم میں نہیں تھا لیکن پھر منت نے یوں کیا کہ اچانک ہی اس لڑکی کو لات مار کر آبشار میں گرا دیا اور اس معصوم کو زندگی سے محروم کر دیا۔ اس کی لاش بہتی ہوئی نہ جانے کہاں سے کہاں نکل گئی لیکن منت نے کہا کہ اب میں کوہالہ ہوں اور چونکہ وہ شدید بیمار ہے اور وہ جانتا ہے کہ زندگی چند لمحوں کی مسمان ہے میں کوہالہ کی حیثیت سے اپنے لئے جگہ حاصل کروں یہ کہہ کر منت نے خود بھی آبشار میں کود کر اپنی زندگی قربان کر دی اور میں خوف و حیرت سے کھڑی چاروں طرف دیکھتی رہی پھر مجھے احساس ہوا کہ اب دنیا میرے لئے بہت مشکل ہو گئی ہے نہ مجھے اپنے آپ کو کوہالہ ہی کہنا چاہئے اور اس کے بعد میں بہتی میں پہنچ گئی۔ میں نے لوگوں سے کہا کہ میں راستہ بھٹک گئی ہوں۔ مجھے میرے گھر پہنچا دیا جائے اور میں اسی کے گھر میں پرورش پانے لگی اور کوہالہ کی حیثیت سے لوکائیہ کی باشندہ ہی قرار پائی تو سمجھ رہا ہے نامور پھر میری باقی زندگی وہیں گزری اور میں جوان ہوئی۔ پھر مجھے تو حاصل ہو گیا یہ ہے میری کمائی، جو بات میں نے کسی تھی اپنی یادداشت کی بناء پر کہیں تھی اور میں اصل میں اندھیرے کے شہر کی باشندہ ہوں اور ان لوگوں کے بارے میں میں اچھی طرح سے جانتی ہوں اور تو یاد کر فینٹ اور مقدس مالک کہ جب میں نے فینٹ کو پہلی بار دیکھا تھا تو میں اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گئی تھی اور جانتے ہو کیوں۔۔۔۔۔؟ اس لئے کہ فینٹ سو فیصدی لازارا کا ہم شکل ہے۔ وہی تدو قامت وہی بدن کی چوڑائی وہی پیشانی کا نور وہی چہرہ ہوئی آنکھیں، لیکن بعد میں مجھے علم ہوا کہ وہ لازارا نہیں بلکہ فینٹ نامی کوئی شخص ہے۔ بہت دن تک تو میں اسی سوچ میں ڈوبی رہی کہ ہو سکتا ہے مقدس دیوتا خود میری تلاش میں یہاں تک آگیا ہو لیکن بعد میں مجھے یقین ہو گیا کہ وہ لازارا نہیں بلکہ اس کا ہم شکل ہے یہ ہے وہ کمائی جو مونٹا میں نے تجھے بھی نہیں سنائی تھی اور کسی کو بھی نہیں سمجھ رہا ہے ناں تو۔۔۔۔۔“ سب شدت حیرت سے گم تھے اور کیا ہی عجیب کمائی تھی تو سب سے پہلے کوہالہ نے اٹھ کر مونٹا کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

میں گزارا ہے اس لیے میرا قد ان سے بڑا ہے۔“ بوڑھی کو ہالہ ساری مشقتیں بتاتے گئے اور وہ لوگ تعجب سے آنکھیں پھاڑے اس کی باتیں سنتے رہے۔

”اور اب ضروری ہے کہ میری آقا زادی۔ جس کے لیے میں اپنی سو زندگیاں قربان کرنے کو تیار ہوں اس بات کی خواہشمند ہے۔ اور تم لوگوں سے بہت محبت کرتی ہے وہ اگر یہ تمہارے افسانوں کا احساس ہے اور تم نے اسے پیش کش بھی کی کہ وہ واپس چلا جائے لیکن وہ جانے پر آمادہ نہیں تو بھلا کو ہالہ کیسے یہ پسند کر سکتی ہے کہ اپنی آقا زادی کو چھوڑ دے۔ اور اے آقا زادی، مونٹا نے میری اس کہانی کو قبول کیا تو اب بھلا میرے لیے اور کون ہے۔ تو سنو۔ عظیم آقا تم بھی، اور دیوتاؤں کے ہم شکل تو بھی، بڑی عقل سے کام لے ہو گا ہمیں۔ اور تمہاری دنیا میں رہ کر جو عقل میں نے سیکھی۔ وہ مجھے بتاتی ہے کہ ہر طور اندھیرے والے تم سے زیادہ عقل مند نہیں ہیں۔ اور اس وقت بارود کا جادو تمہارے لیے سب سے بہتر ہے۔ لیکن آہ۔ میری قوم کو اس وقت تک کوئی نقصان نہ پہنچانا کہ جیسے سبز بھیڑیے کو فکا کر دیا تو نے۔ عظیم آقا جب تک کہ وہ تیرے لیے بڑی مشکل نہ بن جائے اور میں بہتر طور ان کے لیے دل میں درد رکھتی ہوں۔ تو اب یہ فیصلہ کرنا ہے تجھے کہ آگ کا کیا کام ہو۔“

”سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ سیاہ رو جو ہمارے ساتھ ہیں کیا مکمل طور سے ہمارا ساتھ دیں گے۔ میرا خیال ہے اب جب کہ تم نے یہ فیصلہ کر ہی لیا ہے میشل، کہ ہر قیمت پر ہمارا ساتھ دو گی تو اس سلسلے میں بھی تم ہی کوشش کرو اور ان سے معلومات حاصل کرو۔ ہمارا پہلا قدم یہ ہونا چاہئے۔ اور یہ بات تو بتائے گی کو ہالہ، کہ کیا وہ لوگ ان گمراہیوں سے بلندیوں تک آتے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ کیا ہمیں یہاں محتاط رہنا ہوگا۔“

”وہ تصور بھی نہیں کر سکتے، ابھی ان بلندیوں تک آنے کا۔ بلکہ وہ راستے بھول چکے ہیں۔ اور اب اس طرف نہیں آتے۔ جب تم ان گمراہیوں سے اندر داخل ہو گے۔ تو طویل عرصے تک تمہیں ان کی رہائش گاہوں کا بھی علم نہیں ہوگا۔ اور یہ تو بہتر ہے کہ آگے بڑھنے کے بعد میں تمہیں بتاؤں۔ کیونکہ ممکن ہے یہاں بہت سی تبدیلیاں ہو چکی ہوں۔ میری تو عمر ہی گزر گئی۔ باہر کی دنیا میں۔ اور بہت چھوٹی سی تھی میں اس وقت۔ جب یہاں سے نکل کر بھاگی تھی۔

ہونہ۔ تو سب سے پہلے میشل ان لوگوں سے سوال کرو۔ اور وہ جو پندرہ تھے لیکن

اب ان میں سے تیرہ باقی رہ گئے تھے۔ انہیں سامنے جمع کر کے کو ہالہ کے ذریعے ان سے سوالات کیے گئے تو انہوں نے غناک نگاہوں سے انہیں دیکھا اور ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

”مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں سب کی زبان ہوں۔ یعنی جو میں کہوں، وہ میرے ان باقی ساتھیوں کی زبان سمجھی جائے۔ تو بات اصل میں یوں ہے کہ ہمارا مقدس آقا یعنی وہ جو ہمیں بیماریوں سے بچاتا تھا۔ اور ہمارا ہر طرح خیال رکھتا تھا۔ ہم پر اتنا مہربان تھا کہ شاید کوئی دیوتا بھی کسی پر اتنا مہربان نہ ہوتا ہو۔ اور اس نے ہماری اور ہمارے قبیلوں کی زندگیاں بچانے کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا۔ تو کیا ہم چند افراد اس کے لیے اپنی زندگیاں قربان نہیں کر سکتے۔ اور ہم یہ مقدس قسم کھاتے ہیں جس کے بعد ہر تصور ختم ہو جاتا ہے کہ ہم زندگی کی آخری سانس تک اپنے آقاؤں کی خدمت کریں گے۔ اور کبھی اس سے منہ نہ موڑیں گے۔“ اس قسم نے ان لوگوں کو مطمئن کر دیا۔ تو نادر نے فیٹ سے مشورہ کیا۔ اور کہنے لگا۔

”فیٹ۔ اب ہمیں پوری ذہانت کے ساتھ اپنا کام کرنا ہوگا۔ کہانی ہمارے علم میں آچکی ہے۔ بیشک ابھی ہم نے ان حالات کا تجزیہ نہیں کیا جو آگے پیش آنے والے ہیں لیکن بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ آگے کے حالات بڑے سنسنی خیز ہوں گے۔ اور اتنا تو ہم جان چکے ہیں۔ یہاں کے ماحول کا اچھی طرح اندازہ لگانے کے بعد، کہ یہ سادہ لوح اور معصوم لوگ ہیں۔ ہر چند کہ بہت خوشخوار اور وحشی بھی ہیں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ تعلیم کی کمی اور ہر طرح کی ناواقفیت نے انہیں ایک الگ ہی مذاج بخش دیا ہے۔ نہ ہم ان کے مذاج کو تبدیل کر سکتے ہیں نہ ان کی اصلاح کر سکتے ہیں لیکن یہ اس قابل بھی نہیں ہیں کہ انہیں فوراً ہی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اور نہ ہی ہم ان کے ہاتھوں مرنا پسند کریں گے۔ سو اصل میں ہمیں کوشش کرنی چاہئے کسی ایسی تدبیر کی، جو ان کے لیے حیران کن ثابت ہو۔ اور ہم ان کے درمیان اپنا مقام بنا لیں۔“

”اس سلسلے میں کو ہالہ سے مدد لینا ہوگی عظیم آقا۔ یعنی وہ ہمیں ان کی کہانیاں سنائے گی۔ اور اس کے بعد جلدی نہیں ہے کہ ہم گمراہیوں میں اتر جائیں۔ بلکہ اس سے پہلے کو ہالہ سے سوالات کر لینا ضروری ہے۔“ اور یہ گفتگو کرنے کے بعد سوالات طے ہوئے اور فیٹ نے جو، نئی دنیا کا نیا باشندہ اور ذہن ان لوگوں سے بہت مختلف رکھتا تھا، نادر کے ساتھ مل کر بہت سے مشورے کی باتیں کیں۔ اور اس کے بعد ایک فیصلہ کر لیا گیا۔ چنانچہ

مہرائیوں میں ہم اتریں گے۔ وہاں نیچے جانے میں ہمیں کیا دقتیں پیش آسکتی ہیں۔“
 ”وہ اسی طرح کے ڈھلان ہیں جیسے پہاڑوں کی گہرائیاں ہوا کرتی ہیں۔ ان پر چٹانیں
 بھی ہیں۔ گھاس بھی ابھری ہوئی ہے۔ اور کہیں کہیں ایسی چٹنی جگہیں بھی، جہاں نیچے
 اڑتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔“
 ”تو اس کے لیے ہمیں کیا طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے۔“

”تیرہ یہ افراد ہیں اور باقی ہم۔ راہبری کے لیے سب سے پہلے ایک شخص منتخب کیا
 جائے۔ یعنی میں۔ میرے بعد مونٹا، مونٹا کے پیچھے دیوتاؤں کا ہم شکل۔ دیوتاؤں کے ہم
 شکل کے پیچھے عظیم آقا۔ عظیم آقا کے پیچھے میری آقا زادی۔ یعنی میشل۔ اور میشل کے
 عقب میں بقیہ سارے غلام۔ ہم سب کو ایک قطار کی شکل میں رسیوں سے بندھ کر ایک
 دوسرے سے منسلک ہو جانا ہو گا۔ اور اس طرح ہم گہرائیوں میں اتریں گے۔ میرے ہاتھوں
 میں یہ دو لکڑیاں ہوں گی۔ جنہیں میں آگے کے لئے سہارا بناتاؤں گی۔ اور باقی لوگ بھی
 اپنے لئے ایسی ہی لکڑیاں منتخب کریں گے۔ جنہیں پتھروں پر ٹکا کر وہ اپنا وزن سنبھال سکیں۔
 اس طرح یہ قافلہ روانہ ہو گا۔ اور ہم گہرائیوں میں پہنچ جائیں گے۔“
 ”کیا گہرائیوں کے بعد کوئی سطح زمین ہے؟“

”بالکل۔ جیسے تمہاری اپنی یہ زمین، پہاڑ، ندی نالے، سبزہ زار، ہر چیز اسی طرح جیسے
 تمہاری دنیا میں۔ لیکن بس بلندیوں پر آسمان نہیں ہو گا۔ بلکہ وہ پتھروں کا آسمان ہے جو ان
 پہاڑوں کی جڑ ہے۔“ کوہالہ نے جواب دیا اور نادر سوچ میں ڈوب گیا۔ اس میں کوئی شک
 نہیں تھا کہ زندگی کا سب سے کٹھن مرحلہ آگیا تھا۔ اور نہیں کہا جاسکتا تھا کہ ہر جگہ
 کامیابی ہی ساتھ رہے گی۔ کوئی بھی ایسا نازک مرحلہ آسکتا تھا جس میں صورتحال ان کی
 فلاح سے خلاف ہو جاتی۔ لیکن کوشش یہی کی گئی تھی۔ اور اسی پر سب نے اتفاق کیا تھا کہ
 اگر اندھیرے والے فینٹ کی وجہ سے موم ہو سکیں تو زیادہ بہتر ہے۔ اور جیسا کہ کوہالہ نے
 کہا کہ ان کی عبادت گاہ میں دیوتا کا جو مجسمہ نصب ہے وہ فینٹ کا ہم شکل ہے تو حسن و
 نعل کو کہاں پسند نہیں کیا جاتا اور اس بات کے مکمل امکانات تھے کہ فینٹ کی دیوتاؤں کی
 لکھت اور میشل کا حسن بے مثال ان لوگوں کو متاثر کر سکے تو اس سے بہتر بات اور کوئی
 نہ ہو گی۔

پھر آخری مرحلہ طے کر لیا گیا۔ اور مضبوط رسیوں سے ایک دوسرے کو منسلک کر
 لیا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آگیا جب انہیں گہرائیوں میں اترنا تھا۔ اور مقدس گہرائیوں کا

ابھی وہ دن کی روشنی میں ہی تھے۔ یعنی رات گزرنے کے بعد سورج کے نیچے۔ جبکہ
 کوہالہ کے الفاظ سے انہیں علم ہوا تھا کہ نیچے سورج نہیں چمکتا۔ انہوں نے کوہالہ سے کچھ
 سوالات کرنے کا فیصلہ کیا۔ جن کی ترتیب کر لی گئی تھی۔ اور اپنی ضروریات سے فارغ
 ہوئے۔ ویسے یہ تو اندازہ ہو چکا تھا کہ قرب و جوار میں اب کسی انسانی وجود کا تصور بھی
 نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ درندے، جانور وہاں بکثرت پائے جاتے تھے۔ اور آزادانہ طور پر
 گھومتے پھرتے۔ یعنی اگر وہ اس بات پر قائل ہوں کہ اپنی مملکت میں آدم زادوں کو پسند نہ
 کریں تو لہجوں میں انہیں ختم کر دیں۔ لیکن بہر حال آدم زاد کو قدرت نے یہ قوت دی ہے
 کہ ہر قسم کے درندے چاہے وہ کتنے ہی وحشی کیوں نہ ہوں۔ اور چاہے اپنی مملکت ہی میں
 کیوں نہ ہوں، انسان سے ڈرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایسا کچھ نہ ہوا اور وہ لوگ اب وہاں
 بڑے سکون سے وقت گزارنے لگے کہ پہاڑوں کے نیچے کی دنیا میں نجانے ان کے ساتھ کیا
 واقعات پیش آئیں۔ اس لیے نیچے اترتے ہوئے ذرا ہمت سے کام لیتا تھا۔ جب تمام
 معمولات سے فراغت حاصل ہو گئی تو کوہالہ کو دربار میں طلب کر لیا گیا۔ اور پتھروں پر بیٹھ
 کر کوہالہ سے سوالات کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ پہلے اسے اس بارے میں بتایا۔ اور مونٹا جو ہر
 طرح سے اپنی آقا زادی کا ساتھی تھا، اور آرتھر کا وفادار نمک خوار۔ اس نے کوہالہ کو معاف
 کر دیا تھا۔ صرف اس لیے کہ اب وہ اس کی آقا زادی کی مدد پر آمادہ تھی۔ اور شاید ان کے
 درمیان کوئی گفتگو بھی ہوئی تھی۔ تو اس نے کہا۔

”کوہالہ۔ چونکہ اب ہم لوگ گہرائیوں کا سفر کر رہے ہیں اس لیے عظیم آقا تجھ سے
 جو سوالات کریں، اپنی یادداشت کی بناء پر اور معمول کے مطابق ان کے بالکل صحیح جوابات
 دے تاکہ آگے کے سلسلے میں مناسب فیصلہ کیا جائے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ
 یہ بڑی عقل والے ہیں اور بڑی عقل والوں کے سامنے خبردار کسی قسم کی ذہانت کا مظاہرہ
 کرنے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ ان کا ہر سوال اس وقت نیچے جانے کے لیے انتہائی اہمیت کا
 حامل ہو گا۔“

کوہالہ نے کہا۔

”ٹھیک ہے مونٹ۔ میرے مالک۔ میری زندگی کے سب سے بڑے ساتھی۔ میں
 تیرے ہر حکم کی تعمیل کروں گی۔ اور مقدس آقا، اب تو یہ بات طے ہو چکی ہے کہ میں تجھے
 تیرے ہر سوال کا بالکل درست اور سمجھداری کے ساتھ جواب دوں گی۔“
 ”تو میں اپنے سوالات کا آغاز یہاں سے کرتا ہوں کہ پہلے تو مجھے یہ بتا کہ جن

سفر کیا ہی خوفناک تھا کہ اس پر رکھنے والا پہلا قدم ہی بڑا عجیب و غریب تھا۔ اور دیکھ والے دیکھ رہے تھے کہ وہ جس کا نام نادر تھا، اور جو تھوڑے فاصلے پر عزم و ہمت کے ساتھ عزم کا یہ سفر کر رہا تھا اور کیا ہی حسین اور کڑیل نوجوان تھا وہ جس کے چہرے پر پتھر کو پانی کر دینے والا عزم عیاں تھا۔ جس کا سینہ چوڑا اور جس کی تھوڑی اور گالوں پر کم ڈاڑھی، گویا مردانہ حسن کا مکمل ترین نمونہ اور جسے دیکھ کر میش کی آنکھوں میں نجل کیسے تاثرات پیدا ہو جاتے تھے۔ کہ یہ محسوس کیا تھا دوسروں نے، لیکن حالات ایسے نہ تھے کہ اس کا تذکرہ کیا جاتا۔ اور سب نے خاموشی قائم کر رکھی تھی۔ اور بس ڈھلان پر اتر رہے تھے۔ انہیں احساس ہو رہا تھا کہ اگر ذرا سی غلطی ہوئی تو زندگی کا کیس پتا نہ چلے گا۔ اور جب درمیان وہ میں پہنچے تو ان کی حالت قابل رحم ہو رہی تھی۔ اور سب ایک دوسرے کا بوجھ سنبھالے ہوئے تھے۔ لیکن وہ جو عزم و ہمت کا پیکر تھے، اپنے مقصد کو زور سے زیادہ قیمتی سمجھتے تھے۔ اور سر جھکائے ان خوفناک گمراہیوں میں آگے اتر رہے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ سلسلہ کب تک ختم ہو گا۔ اور پاتال کا یہ سفر نجانے کہاں تک پہنچے گا۔ وہ اترتے رہے اور وقت آگے بڑھتا رہا۔ ان خوفناک گمراہیوں میں اترتے ہوئے دل پر آکٹا ہٹ طاری ہو گئی تھی۔ پھر اندھیرے کا یہ سفر ختم ہوا۔ اور انہوں نے پہلی بار روشنی دیکھی۔ اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اب وہ ایک وسیع الشان پہاڑ کے دامن میں جا کر ختم ہوا تھا۔ جس کی چوٹیوں پر برف جمی ہوئی تھی۔ پہاڑوں کا یہ سلسلہ نیم دائرے کی شکل میں پھیلا ہوا تھا۔ اور انتہائی طویل و عریض تھا۔ تاحد نظر پہاڑ ہی پہاڑ، جن میں کبھی کوئی درہ یا کہیں کوئی شکاف نظر نہیں آتا تھا۔ اس کے آگے کا میدان بخر تھا۔ جس میں بڑے بڑے پتھر اور چٹانیں نظر آرہی تھیں۔ اور ان پتھروں اور چٹانوں کے درمیان موٹیوں کے ریوڑ گھاس کی تلاش میں گھومتے نظر آ رہے تھے۔ پہاڑوں کے نسبتاً ”نیچے ڈھلانوں“ گھنے جنگلات تھے۔ اور ان جنگلات میں چھوٹے چھوٹے میدان بکھرے ہوئے تھے۔ جو دور سے دیکھنے پر واضح نہیں تھے لیکن غور کرنے پر اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کھیت ہیں۔ وہ سب وہاں رکے اور سب سے پہلے انہوں نے ان رسیوں سے نجات پائی۔ اور اپنی تیز نگاہوں سے اس ماحول کا جائزہ لیتے رہے۔ وہ جگہ ان کے سامنے تھی۔ جیسے دیکھ کر کوہالہ نے کہا۔ ”اور مجھے امید نہ تھی۔ آہ مجھے یقین نہیں تھا کہ کوئی ایسا بھی دن آئے گا، جب شہ زندہ سلامت اس آبادی میں واپس پہنچوں گی۔ میں تو سوچتی تھی کہ جب میں مری جاؤں گی تو میری روح یقیناً“ بھٹکتی ہوئی ایک بار یہاں آئے گی۔ اور یہی سوچا تھا میں نے ان لوگوں

سے بارے میں۔ لیکن دیکھ، اب تو یہ مجھے جانتے بھی نہ ہوں گے۔“ پھر انہوں نے پہاڑ کے
 قدموں میں بھورے پتھروں کو دیکھا اور کوہالہ نے کہا۔
 ”کیا تم انہیں پتھر سمجھتے ہو۔“

”یہ مکانات ہیں۔ دیکھ یہ بھورے پتھروں سے بنے ہوئے ہیں۔ اور ان کی چھتوں پر جو بلاٹ نظر آ رہی ہے، یہ یہاں کی گھاس کا رنگ ہے۔ وہ سب حیرت بھری آنکھوں سے ان چھتوں کو دیکھنے لگے۔ اور انہوں نے جرائنی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھی۔ پھر کہا۔

”کیا یہاں آپس کی رقابتیں بھی چلتی ہیں؟“ یہ سوال فینٹ نے کیا تھا۔

”مطلب -----؟“

”کیا یہاں ایسے قبائل بھی ہیں جو ایک دوسرے سے جنگ کرتے ہیں؟“

”ہاں۔ کیوں نہیں۔ یہ ایک وسیع و عریض دنیا ہے بالکل تمہاری اوپر کی دنیا کی طرح۔ اور یہ نہ سمجھتا کہ یہ بالکل محدود ہے۔ لیکن آبادیاں اس میں کیسی کیسی ہیں۔ اور زیادہ آبادیاں نہیں ہیں۔“

”تو پھر اب کیا ارادہ ہے۔ کیا ہم لوگ آگے بڑھیں؟“

”ہاں ہمیں آگے کا سفر اختیار کرنا ہوگا۔“ چنانچہ وہ چل پڑے۔ اب یہ شرانیں صاف نظر آ رہا تھا۔ اندھیرے والوں کا شر عظیم تھا۔ جیسے پتھروں کی دیواریں اپنی آغوش میں لپے ہوئے تھیں۔ اور اس کے چاروں طرف دریا بہہ رہا تھا۔ اور قدرتی خندقیں بھی بے شمار تھیں۔ دیوار کے اس طرف کے مکانات مختلف محلوں میں بٹے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ اور اس مکان سے ملتے جلتے تھے جو سب سے پہلے نظر آ رہا تھا۔ چھتوں پر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے چراگاہیں ہوں۔ شر ایک ڈھلان پر بسا ہوا تھا۔ اور اس ڈھلان کے آخری سرے پر بڑے عمارتیں نظر آ رہی تھیں جو کہ شہر کی دوسری عمارتوں سے زیادہ بڑی اور عظیم الشان تھیں۔ ان میں سے ایک تو ایسے مکانوں کی ہم شکل تھی لیکن دوسری عمارت جو نسبتاً بلند مقام پر بنی ہوئی تھی۔ اس کی کوئی چھت نہیں تھی۔ گویا یہ ایک وسیع و عریض جگہ تھی جس کے اندر کھیل کا میدان بنایا گیا تھا۔ اور تعجب ہے کہ یہاں ایسی قدرتی چیز کہاں سے لگن ہوئی۔ وہ جگہ چمکدار چٹان کی مانند تھی۔ اور اس چٹان پر نبھانے کیسی مقبرے نما رات بنی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ تو اس کے بارے میں فینٹ نے کوالہ سے پوچھا۔

”اور معزز عورت۔ وہ جگہ کیا ہے؟“

اور ان کے درمیان پہنچ رہے ہیں۔“ پھر یہ لوگ آگے بڑھنے لگے۔ اور غلام سر ہٹائے ان کے عقب میں چل رہے تھے۔ لیکن بیشل کے چہرے پر اس وقت جو تاثرات تھے وہ سمجھ میں نہ آنے والے تھے۔ فینٹ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ اور اس کے چہرے کی سرخی ایک عجیب و غریب شکل اختیار کر چکی تھی۔ آنے والے ایک جگہ رک گئے۔ اور برہنہ افراد ان سے آگے نکل آئے۔ ان کے جسموں پر شیر کی کھال، یعنی نچلے حصے پر لباس کی شکل میں تھی اوپر کا بدن برہنہ اور ان کے سر بالکل صاف شفاف اور عجیب و غریب تھے۔ اور پھر ایک اور شخص ان کے عقب سے نمودار ہوا یہ ان دوسرے لوگوں کی بت ذرا زیادہ قامت کا مالک تھا۔ اور شاید یہی بادشاہ تھا۔ کیونکہ اس کے جسم پر لباس پہنچا ہوا تھا۔ اور سر کسی خاص پرندے کے پروں کے تاج سے محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کسی بڑی شخصیت کا مالک ہے۔ لیکن دو قامت میں وہ ان لوگوں سے بہت چھوٹے تھے۔ اور ان کی نسبت فینٹ ایک جیم جیسے کی مانند نظر آتا تھا۔ وہ تین افراد جو آگے آئے تھے۔ ان کے سامنے پہنچ کر رک گئے جبکہ عقب سے آنے والا وہ سردار نما شخص نمودار ہوا تھا۔ اور ایک عجیب شان بے نیازی سے ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ اسے جو ان کے سامنے آئے تھے اب بغور ان کا جائزہ لے رہے تھے۔ تب درمیان والے شخص نے کہا۔

”کون ہو تم؟ کہاں سے آئے ہو؟ اندھیرے کے شرم میں تمہارا داخلہ کیا معنی رکھتا ہے۔“ تو فینٹ سے ہمیشہ ہی بڑی توقعات وابستہ کی جا سکتی تھیں یعنی اب تک یہ ہوا تھا کہ ایک بے کار اور بے مقصد شخص کی حیثیت سے اپنا کام کرتا تھا۔ لیکن جب ایک ذمہ دار اس کے سپرد کی جاتی تو وہ اسے اس طرح سر انجام دیتا کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے۔ فینٹ نے اپنے منہ سے جو مگر جدار آواز نکالی وہ قابل یقین تھی۔ اس کی غرائی ہوئی ان فضا میں گونجی۔

”اندھیرے کے شر والو! کیا تمہاری آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں۔ کیا تم اس قابل بھی نہیں ہو کہ اپنی ان اندھی آنکھوں سے دیوتاؤں کو پہچانو۔ کیا میں وہ نہیں ہوں جو مقدس لائوں والوں کا پیروکار ہوں۔ کیا میں اس کی تصویر نہیں ہوں جو زمین کی گہرائیوں میں رہتا ہے۔ اور کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہارے لیے اجنبی ہوں۔ اور کیا یہ عورت اسے لیے شناسا نہیں ہے۔ دیوتاؤں کی دلہن، آسمانوں میں رہنے والی جس نے زمین کی لائوں کو اس لیے قبول کیا کہ وہ تمہارے درمیان برکتیں لاتی ہے۔ دیکھو اس کے حسن

”نیچے والی عمارت یہاں کے مالک کا محل ہے۔ اور وہ دوسری عمارت وہ مندر ہے۔ اسی جگہ سے یہ دریا زمین سے باہر نکل کر آیا ہے۔ گویا دنیا کے تیسرے طبق سے۔“ اور وہ کیا ہے جو اس کے پیچھے نظر آ رہا ہے؟“

”یہاں کے لوگوں کی عبادت گاہ جس میں وہ بت موجود ہے۔ جو تیرا ہم شکل ہے۔“ کیا وہ بت عظیم ہے؟“

”ہاں۔ لیکن حیرت ناک۔“ پھر وہ لوگ دور ہی سے ان جگہوں کو دیکھ رہے تھے کہ اچانک ہی پہلی بار وہاں ایک بڑے پتھر کی چوٹی پر انہیں ایک انسان نظر آیا۔ یہ بھیڑ کی کھال اپنے بدن پر لیے ہوئے اور تیر کمان سنبھالے ہوئے تھا۔ اور انہوں نے غور ہی نہ کیا کہ وہ شخص ان کا نشانہ لے رہا ہے۔ پھر اس نے پستل تیر چلایا جو ان کے سامنے زمین میں گرہ گیا۔ انہوں نے تیر اٹھا کر دیکھا۔ ایک مخصوص رنگ کا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس شخص کی عجیب سی چیخیں سنائی دیں۔ اور اس کے بعد وہ کود کر اچھلتا ہوا نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اور ایسا مختلف پتھروں پر ہوا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ چٹانوں پر سے لوگ کود کود کر بھاگ رہے ہیں۔ غالباً وہ اپنے ساتھیوں کو غلط فہمی دینے گئے تھے۔ اور تھوڑی ہی دیر کے بعد بے شمار افراد جو تیروں اور بھالوں سے مسلح تھے ایک دائرے کی شکل میں آگے بڑھ کر ہوئے نظر آئے۔ گویا وہاں کے انسانوں نے ان سے اپنی نفرت کا اظہار کیا تھا۔ اور یقینی طور پر انہیں نقصان پہنچانے کے لیے آرہے تھے۔ اس وقت نادر کو نجانے کیا سوچھی، اس نے بیشل کو آگے بلایا۔ اور بیشل جو ایک سفید لباس پہنے ہوئی تھی۔ اور انتہائی حسین نظر آ رہی تھی۔ اور اس نے اپنے گہرے سیاہ بال جوڑے کی شکل میں باندھے ہوئے تھے۔ نادر نے آگے بڑھ کر کہا۔

”معزز عورت۔ تیری عزت، تیرا مقام ہمارے دلوں میں ہے لیکن یوں کر کہ اپنے بے کالے بال کھول لے اور ذرا آگے آ جا۔“ جب نادر نے بیشل کے جسم کو ہاتھ لگایا تو وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ لیکن بہر حال اس نے نادر کی ہدایت پر عمل کیا تو پھر نادر نے فینٹ کو آگے بلایا اور اس کے ہمراہ کھڑا کر دیا۔ اور پھر اس نے کوبالہ سے کہا۔

”اور وہ مقدس الفاظ تو تجھے یاد ہوں گے جو یہاں کے معبد کے لیے ہوتے ہیں۔“

”آہ۔“ تو وہی کر رہا ہے جو میرے ذہن میں تھا۔ ذرا دیکھ، وہ لوگ کتنے ہیں۔ اور کس

رفتار سے اس طرف بڑھ رہے ہیں۔“

”تو؟ تو آگے آ۔ اور ان لوگوں کو بتا کہ دیوی اور دیوتا آسمانوں سے زمین پر آئے

پھر جب وہ بوڑھے اس سردار سے بات کر رہے تھے تو کوبالہ نے ان سے کہا۔
”واہ کیا عجیب بات ہے۔ اور مجھے تو اب شک ہوئے لگا ہے کہ کیس در حقیقت ایسا
نہیں ہے۔“

”کیسا؟“ نادر نے سوال کیا۔

”وہ جو میں نے پہلی بار سوچا تھا۔“

”کیا یہ وقت ایسا ہے کہ تو ہمیں کمائیاں سنائے۔“ نادر نے سخت لہجے میں کہا۔

”نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص کیس واقعی پوشیدہ دیوتا نہیں ہے۔“

”کون۔۔۔۔۔؟“

”فینٹ کی بات کر رہی ہوں۔“

”مطلب۔۔۔۔۔؟“

”اس کا لہجہ اس کا انداز گفتگو دیکھا۔ آہ اگر میں وہاں اس جنگل میں جہاں پہلی بار
میں اس کا یہ لہجہ سنتی تو یقین نہ کرتی کہ یہ ہمارا مقدس دیوتا نہیں ہے۔“ نادر نے مسکرا
ہٹنے کی طرف دیکھا اور بولا۔

”یہ دیوتا ہے یا نہیں ہے لیکن یہ ایک ذہین انسان ہے۔ جس کی ذہانت پوشیدہ ہے۔
اور کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اصل میں وہ کیا سوچتا ہے۔ اور کیا کرتا ہے۔“ تب میشل
نے نگاہیں اٹھا کر فینٹ کو دیکھا اور ان آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ جو فینٹ
نے بھی محسوس کی۔ اور اسے شرارت سمجھا۔ تو وہ خوشی سے بولا۔

”اور اس میں کوئی شک نہیں ہے بڑی عقل والے کہ باقی اور جو کچھ ہے یا نہیں
ہے لیکن آقا زادی یعنی ڈاکٹر آر تھر کی بیٹی کم از کم ایک باہمت دل رکھتی ہے۔ اور میں
بیشہ ہی یہ محسوس کیا کہ وہ ایک عام لڑکی کی مانند کمزور دل کی مالک نہیں ہے بلکہ ہر
حال کے حالات میں مسکراتا جانتی ہے۔“ سردار جس کا نام ان لوگوں نے الہا لیا تھا۔
زیر ہوا کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ اور اس کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت تھی۔ پھر زیادہ
نہیں گزری تھی کہ چند افراد ایک بہت زیادہ لاغر بوڑھے کو لیے ہوئے آگے بڑھے۔
”غالباً“ عبادت گاہ سے لایا گیا تھا۔ اور ایک چوڑا سا تخت تھا۔ جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا۔
والہذا لوگ اس تخت کو اپنے کاندھے پر اٹھائے ہوئے تھے۔ اور ان کے انداز میں بڑی
نیت بڑا احترام تھا۔ اسے لوگوں کے درمیان سے گزار کر آگے لایا گیا۔ اور پھر اس جگہ
پر پہنچے وہ جہاں یہ سب موجود تھے۔ اس تخت کو نیچے رکھا گیا۔ سہارا لے کر اپنی جگہ سے

کی شعاعوں سے تمہارا یہ اندھیرے کا شہر کس طرح منور ہو گیا ہے۔ اور اے کم نصیب
تمہاری کم نصیبی تمہیں آواز دے رہی ہے کہ تم اپنے دیوتا کو نہیں پہچان سکتے۔ اور ایسا
ہوتا ہے جب آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں تو وہ نہیں جانتے کہ برکتیں کس طرح ان تک
پہنچتی ہیں۔ اور اے لوگو! ٹھیک ہے، مجھے یہاں آکر مایوسی ہوئی۔ اور پوچھو مقدس گہرائیوں
والے سے کہ اب تمہارے سروں پر موت کی آندھی منڈلا رہی ہے۔ پھریوں ہو گا کہ
زلزلے سے زمین ہلے گی۔ اور اس کے بعد یہ پہاڑ زمین سے آگلیں گے۔ اور تم ان کے
درمیان پس کر رہ جاؤ گے۔ ہاں۔ یہ ہی ہونا چاہئے۔ اور یہ ہی تمہارا مقدر ہے۔ آؤ مقدس
دیوی ہمارے نہ جاننے والے یہاں موجود ہیں۔“ ان تینوں بوڑھوں کے چروں پر خوف کے
ایسے آثار نمودار ہوئے کہ جیسے شدت خوف سے ان کی جان نکلی جائے گی۔ اور وہ اس طرح
کانپنے لگے جیسے در حقیقت ان کے وجود میں زلزلہ آ رہا ہو۔ اور بڑی عجیب کیفیت ہو گئی ان
کی تب وہ الٹے پاؤں واپس بھاگے اور اپنے شہنشاہ یا سردار کے پاس پہنچ گئے۔ ان میں سے
ایک نے کہا۔

”مقدس الہا۔ یہ ہم سے کیا ہوا۔ ہم تو بڑے نادان تھے۔ اور ہماری آنکھیں ہمارا
ساتھ نہ دے سکیں۔ اور ہم نے دیوی دیوتاؤں کو نہ پہچانا۔ آہ غور سے دیکھو وہ سچ کہتا
ہے۔ وہ تو مقدس دیوتا ہے۔ وہ جس کا بت ہماری عبادت گاہ میں نصب ہے۔ اور یقیناً یہ
وہی ہے۔ اور اس کے ساتھ برکتوں کی دیوی۔ آہ ہم نے انہیں ناراض کر دیا۔ ہم نے
انہیں بہت ہی ناراض کر دیا۔ اور اب یہ سمجھو کہ ہم پر مصیبتوں کا نڈول ہونے والا ہے۔“
تب اس شیر جیسی شخصیت رکھنے والے کے وجود میں بھی قہر قہری پیدا ہوئی۔ اور اس نے
کہا۔

”اے بوڑھو! اے یو تو فو! اندھے تم ہو میں نہیں۔ اور جو ذمہ داری تمہارے پر
کی گئی تھی کیا تم نے اسے پورا کیا۔ آہ بلاؤ اس مقدس پجاری کو جو حقیقتوں کا شناسا ہے۔
اور شناخت کر لو ان کی۔ اور اس سے زیادہ بھلا کون جان سکتا ہے۔ یہ تو بہت برا ہوا اگر یہ
واقعی دیوی دیوتا ہیں۔ اور وہ جو آسمانوں سے ہمارے لیے زمین تک آئے تو پھر تو ان کی
عبادت ان کی تعظیم ضروری ہے۔ اور جس طرح بھی بن پڑے ان کی ناراضگی دور کرو۔“
”ہاں، ہم انہیں بلاتے ہیں۔“ اور الفاظ بے شک ان کے کانوں تک تو نہ پہنچے تھے
لیکن کچھ امید بن گئی تھی اس بات کی کہ شاید ان کی تقدیر کے ستارے بدل جائیں۔

اٹھا اور اس کے ہاتھ میں عجیب سی لکڑی کا ایک عصا دیا ہوا تھا جسے زمین پر ٹکا کر اس نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ چند لمحات دیکھتا رہا۔ اور پھر دھنسا ہی اس کے چہرے پر عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھا۔ گھٹنوں کے مل بیٹھا۔ اور پھر سجدہ ریز ہو گیا۔ وہ اپنی زبان میں کچھ بڑبڑاتا جا رہا تھا۔

نادر نے کہا

”میرا خیال ہے ہماری مشکل حل ہو گئی۔“

”ہاں۔ بوڑھا سجدہ ریز ہو گیا۔“

”آہ۔ دیکھو۔ میں ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں تم سے۔“ کوہالہ نے کہا

”کیا“

”میرا تعلق بھی اسی قبیلے سے ہے اور میں ہر اس چیز کو اپنے ماضی سے منسلک کرتی ہوں۔ جس کا میرے ماضی سے تعلق ہے۔ تو یوں کرو کہ تم لوگ کوئی ایسا لفظ اپنے منہ سے ادا نہ کرو۔ اور ہو سکتا ہے کل کا دن مجھے یہ بتائے کہ فینٹ جس کی میں نے وہ عزت نہیں کی، جس عزت کا وہ مستحق ہے۔ درحقیقت ہمارا دیوتا ہی ثابت ہو۔“ بوڑھی کوہالہ کے ان الفاظ پر سب کو لمحے کے لیے حیرت ہوئی لیکن بہر حال وہ جانتے تھے کہ وہ یہیں کی رہنے والی ہے اور ممکن ہے اس کے جذبات اس بات سے مجروح ہوتے ہوں۔ بوڑھا اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے کہا۔

”اور روشنی کی دیوی! نجانے کتنی صدیاں گزر گئیں کہ ہم تیری آمد کے منتظر تھے۔ اور یہی کہا تھا مقدس دیوتاؤں نے۔ اور بلندیوں پر رہنے والوں نے یعنی وہ جو اس چھت کے اوپر وہاں رہتے ہیں جہاں روشنیاں چمکتی ہیں۔ دن کو سفید اور رات کو سنہری۔ اور انہی روشنیوں میں رہنے والوں نے اس بات کی بشارت دی تھی ہمیں کہ ایک دن دیوتا دیوی کے ساتھ واپس لوٹے گا۔ اور یہی وقت تو ہوگا جب ہمارے اوپر برکتیں نازل ہوں گی۔ اور اندھیرے والوں کو روشنیاں نصیب ہوں گی۔ ہماری تاریکیاں چھٹ جائیں گی۔ اور ہم ایک دن مقدس روشنیوں میں سانس لیں گے۔ تعظیم کرو اس کی۔ تعظیم کرو۔“ اس نے پلٹ کر دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے۔ اور سب سے پہلے الہا زمین پر جھکا۔ دو زانو ہو گیا۔ اور اس کے بعد پیچھے والے تمام لوگ جو صف کھڑے ہوئے تھے۔ اور لوگوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میش نے خوشی سے قہقہہ لگایا اور اور بولی۔

”لیجئے ہم تو یہاں کے دیوی دیوتا مقرر ہو گئے۔ اب آپ لوگوں کی باری ہے۔“

”ہم میں سے بھلا کون ہے۔ سوائے میرے تم تو دیوی مقرر ہو گئیں۔ اور یہ کالا بدشاہ دیوتا۔ باقی جہاں تک تعلق کوہالہ کا ہے تو وہ تو بہر حال، ہے ہی الگ شخصیت کا الگ، میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔“

”اور اب ہماری عزت ہو گی۔ ہمارا احترام ہو گا۔“

”مجھے تو خوشی ہے کہ ان کے درمیان ہمیں ایک جگہ حاصل ہو گئی۔“ کوہالہ نے کہا۔ اور پھر کچھ تبدیلیاں رونما ہو گئیں۔ بوڑھے شخص کو اسی انداز میں تخت پر بٹھا کر واپس لے جایا گیا۔ اور الہا اپنے پیچھے کھڑے ہوئے لوگوں کو ہدایت جاری کرنے لگا۔ جو دور ہونے کی وجہ سے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں لیکن انہوں نے ان سب کو بھاگتے ہوئے دیکھا۔ اور الہا اسی طرح دو زانو بیٹھا ہوا تھا۔ بہر حال اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ اندھیرے والوں نے انہیں قبول کر لیا ہے۔ اور اب یقینی طور پر ان کے لیے مشکل وقت ٹل گیا ہے۔ اور انتظار کرنے لگے کہ دیکھو آگے کیا ہوتا ہے۔ پھر وقت تھوڑا سا آگے بڑھا اور اس کے بعد انہوں نے دیکھا کہ بت سے لوگ بڑی بڑی پالکیاں اٹھائے ہوئے آ رہے ہیں۔ نادر نے آہستہ سے کہا۔

”اگر ایک بات تم لوگ بھی محسوس کر رہے ہو تو ٹھیک ہے۔ ورنہ میں تم سے کہوں کہ ان لوگوں کا طرز زندگی زیادہ بہتر ہے اوپر والوں سے۔“

”مطلب۔“ فینٹ نے سوال کیا

”یعنی ان سے جو افریقہ کے اندرونی علاقوں میں رہتے ہیں۔ اور ان کے بدن بے لباس ہوتے ہیں۔ گویا یہاں یہ لوگ زیادہ بہتر طریقے سے زندگی گزارتے ہیں۔ اور بے شک ان کے جسموں پر لباس موجود ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ یہاں ایسے درندے بھی موجود ہیں جن کی کھالوں سے یہ لباس بنائے جاتے ہیں۔ اور ہم گھروں کے اس انداز کو دیکھ رہے ہیں۔ دیکھو آگے کیا ہوتا ہے۔ بات اگر اس شخص کی ہے جو سفید بھیڑیا تھا تو وہ ظاہر ہے مذہب دنیا کا ایک فرد تھا اور اس نے جو کچھ وہاں بتایا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تادمہ، لیکن تعجب خیز نہیں تھا۔ بس اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان لوگوں کا طرز زندگی کیا ہے۔ کچھ رہے ہو۔ اور خیال رکھنا اب تم دونوں یعنی فینٹ اور میش دیوی دیوتا ہو۔“

”عظیم آقا۔ ہمارے دیوتا تو تم ہو۔ اور ہم تمہاری زیر ہدایت کام کریں گے۔“

”خبردار۔ دیکھو وہ آ رہے ہیں۔“ پالکیاں ان کے قریب آ گئیں۔ اور بت سے ایسے لہانے انہیں ان میں سوار ہونے کے لیے کہا، لیکن کالے غلاموں کو نہیں جو ان کے

ساتھ تھے۔ گویا وہ آقا اور غلام کا فرق جانتے تھے۔ اور ان کے چروں پر بھی وہ سب کچھ نہیں تھا جن سے انہیں معصوم اور سادہ لوح سمجھا جائے۔ غرض یہ کہ یہ بالکیاں ان لوگوں کے کندھوں پر سوار ہو کر چل پڑیں۔ اور بے چارے دوسرے جو خود بھی تھکے ہوئے تھے اور یقیناً ”سوچ رہے ہوں گے کہ انہیں بھی یہ بالکیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن انہیں پیدل ہی چلنا پڑا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ انہیں بھی احترام دیا جا رہا تھا کہ وہ دیوی اور دیوتا کے ساتھ آنے والے تھے۔ اس طرح وہ لوگ اس آبادی کی جانب چل پڑے جس کے بارے میں نجانے کیسی کیسی کہانیاں ہوں گی۔ لیکن ان میں سے کچھ وہ جو تا عمری میں نکل آنے والی کوہالہ نے انہیں سنائی تھیں۔ اور اس وقت یوں تھا کہ کوہالہ کے چرے پر عجیب سے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ جیسے اپنے شہر میں آنے کے بعد وہ ماضی کو یاد کر رہی ہو۔

سب سے آگے والی بالکی میں فینٹ اور میشل بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے نادر اور کوہالہ اور پھر بعد میں سب آنے والے۔ انہیں ایک طویل سفر طے کرنا پڑا۔ جس کا اندازہ اتنے فاصلے سے نہیں ہوتا تھا لیکن اس کے بعد اس سفر کا اختتام دریا پر ہوا۔ دریا اس شہر کے آخری سرے اور ڈھلان کی چوٹی پر سے دو شاخوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ اور یہ دونوں شاخیں شہر کے چاروں طرف اس طرح گھوم گئی تھیں کہ ان کے درمیان ایک قدرتی خندق بن گئی تھی۔ دریا کی دو شاخیں شہر کا چکر لگا کر اور سامنے سے آگے آکر پھر مل گئی تھیں۔ اور اس طرح وہ دریا ایک ہو کر کسی نامعلوم منزل کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اس جگہ جہاں دریا کی دونوں شاخیں ملی تھیں بڑی بڑی کشتیاں تیار تھیں۔ کہ ان کے ذریعے سفر کے شہر تک پہنچا جاسکے۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ کہ یہ عمارتیں نہیں، جو ابتدا میں تھیں اور جن کے بارے میں کوہالہ نے بتایا تھا کہ یہ ہی شاہ کا محل اور عبادت گاہ ہے۔ تو پھر ان لوگوں کو کہاں لے جایا جا رہا تھا۔ پھر دریا کے دوسرے کنارے پر ان کا استقبال کرنے والے موجود ملے۔ اور یہ عجیب و غریب شکلوں کے پادری نما لوگ تھے۔ جنہوں نے اپنے جسموں پر بڑے بڑے لمبے چننے پنے ہوئے تھے۔ اور ان کے چرے کھڑے سے ڈھکے ہوئے تھے۔ وہ ایک قطار میں خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ اور اس کے بعد انہوں نے دیکھا کہ اندھیرے والے دوڑتے چلے آ رہے ہیں۔ ان میں عورتیں، مرد، بچے سبھی تھے۔ اور شاید انہیں یہ بات بتا دی گئی تھی کہ دیوی اور دیوتا کا نزول ہوا ہے۔ وہ اپنی آواز میں کچھ گارہے تھے جو ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا۔ یہاں تک کہ دوسری جانب سے پھر ڈولیاں لائی گئیں۔ اور ان پر کھالوں کے پردے ڈال دیے گئے۔ اور ایک بار پھر ویسے ہی لوگ ان

ڈولیاں کو لے کر چل پڑے اور ابھی تک صحیح معنوں میں ان لوگوں کو اس شہر کی کیفیت کا جائزہ لینے کا موقعہ نہیں مل سکا تھا۔ لیکن سب متنبی تھے کہ انہیں یکجا ہی رکھا جائے تاکہ وہ سب ایک دوسرے سے گفتگو بھی کر سکیں۔ اور یہ کام یا تو کوہالہ کر سکتی تھی یا پھر فینٹ۔ اور اگر ان دو افراد کی بات کی جائے جن میں سے ایک مونٹا تھا اور دوسری میشل۔ تو ابھی یہ اس کیفیت میں نہیں تھے کہ یہاں کے حالات سمجھ کر اس کے بارے میں کچھ کر سکیں۔ بلکہ کوہالہ ان لوگوں کی صحیح رہنمائی کر سکتی تھی۔ کیونکہ وہ اس شہر کی واقف کار تھی۔ لیکن اب اس بات کا انتظار تھا کہ انہیں کسی بہتر جگہ قیام کرایا جائے تاکہ وہ آگے کے حالات جاننے کے لیے غور کر سکیں اور جہاں تک وہ غور کر رہے تھے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک عجیب و غریب دنیا ان کے سامنے تھی۔ وہ آسمان کی جانب نگاہ اٹھاتے تو لا انتہا بلندیوں پر انہیں پتھر کے تودے نظر آتے جو ناہموار تھے۔ اور ان ناہموار تودوں میں بڑے بڑے پتھر لٹکے ہوئے تھے۔ اور انہیں دیکھ کر نادر کی آنکھوں میں جو روشنی ابھر رہی تھی اسے فینٹ نے بھی محسوس کر لیا۔ اور نادر کے کان میں سرگوشی کر کے بولا۔

”شاید تم یہ سوچ رہے ہو عظیم آقا کہ یہ ہی وہ میرے ہیں جن کے حصول کے لیے ہم نے یہاں تک کا سفر کیا۔“ نادر نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”آہ۔ کاش فینٹ۔ تقدیر مجھے اس طرح رسوا نہ کرتی کہ ایک مناسب زندگی گزاروں۔ اور جیسا کہ فینٹ میں نے اپنا ماضی تمہیں بتایا۔ میرا باپ ایک خاندانی رئیس فانیکن افسوس اس نے اپنی ریاست کا خیال نہ رکھا اور عیاشی میں مصروف ہو گیا۔ میں بچے مرحوم باپ کو کسی بھی طور برا نہیں کہوں گا کیونکہ اب وہ میرے درمیان نہیں ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ ماحول ہمارے لیے ہمارے باپ ہی کا پیدا کیا ہوا تھا۔ اور انہوں نے اپنی پسند کی زندگی گزار دی۔ لیکن اس پسند کی زندگی گزارنے میں وہ اپنا بہت کچھ کھو بیٹے۔ اور مجھ پر تو یہ انکھا انکشاف بعد میں ہی ہوا کہ ہم تلاش ہو گئے ہیں۔ تب میرا والد، آہ قیصر حیات کو یاد کر کے اب بھی دل ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور زمین کو فینٹ دنیا کے کسی گوشے میں دل نہیں لگتا۔ اور دوسری شخصیت۔“ وہ خاموش رہا۔ کیونکہ سامنے سے کچھ پادری نما لوگ آ رہے تھے۔ وہی لمبے لمبے چننے اور وہی ان کا نواز۔ اور میشل زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ اور شاید اس نے وہ الفاظ بھی سنے تھے جو نادر نے کہے تھے۔ پھر انہیں جس جگہ لے جایا گیا وہ پتھروں کے درمیان بنی ہوئی تھی۔ اور اس ران انہوں نے راستہ طے کرتے ہوئے اس شہر کا جائزہ بھی لیا تھا تو مکانات بے ترتیب

بت سے لے چنے والے پادری بتوں کی طرح بے حس و حرکت کھڑے تھے۔ انہوں نے ان کے درمیان سے گذر کر ان دونوں کے پاس جانے کی کوشش کی۔ لیکن لمبے پادریوں نے اپنے بھالے ان کی طرف جھکا کر انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔

”کیا ہمیں اندر جانا منع ہے؟“ کوہالہ نے سوال کیا۔

”ہاں۔ دیوی اور دیوتا کے پاس عام لوگ نہیں جاسکتے۔“

”لیکن ہم عام لوگ نہیں ہیں کیونکہ ان کے ساتھ ہی میاں آئے ہیں۔“

”تم قابل احترام ہو۔ لیکن مقدس پجاری کے حکم کا پاس کرو۔“

”کون مقدس پجاری؟“

”آہ۔ کیا تم اسے نہیں جانتے؟“

”ہم اس قدر واقف نہیں ہیں۔ جس قدر دیوی اور دیوتا۔“

”وہ بزرگ جو ہمارا رہنما ہے۔ اور وہی ہمیں سب کچھ بتاتا ہے۔ اور اسی نے تمہیں

شناخت کیا اور اندھیرے والوں کو بتایا کہ ہم دیوی دیوتا کے درمیان ہیں۔“

”لیکن تم لوگ یہاں کیوں کھڑے ہو۔“

”ہم اس کے خادم ہیں۔ جو اوپر کی بلندیوں سے زمین کی گمراہیوں تک آئے ہیں۔“

”مگر ہم ان کے پاس جانا چاہتے ہیں۔“

”یہ دیوی اور دیوتا کی اجازت کے بغیر ممکن نہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ ہم دوبارہ ان سے ملنے کی کوشش کریں گے۔“ پھر کوہالہ، وہاں سے نادر

اور مونٹا کو لیے ہوئے واپس مڑی اور اپنے کمرے میں آگئی۔ یہ صورتحال ان لوگوں کے

لے ذرا غور کرنے کا مقام نمایاں کرتی تھی۔ اور اس کے بعد وہ تینوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

اور اس بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ نادر نے کہا۔

”ہمیں سب سے پہلی کوشش یہ ہی کرنی ہے کہ اگر ہم ان کے ساتھ نہ بھی رہ

سکیں تو کم از کم ان سے ملاقات تو کر سکیں۔“ کوہالہ پریشان لمبے میں بولی۔

”اور آقا زادی۔ بھلا اس بد صورت، سیاہ فام سے کیا باتیں کرے گی۔ اور اس کے

ساتھ کیسے مطمئن رہ سکے گی۔ وہ تو پریشان ہو جائے گی۔ آہ، میں اس کے لیے سخت پریشان

ہوں۔“

”تو بڑی بی! پھر یہ بتاؤ ہمیں کرنا کیا چاہئے۔“

”میں سمجھتی ہوں ایک بار ان سے ملاقات ہو جائے تو بہتر ہے۔“

بڑا سا برآمدہ تھا۔ برآمدے میں پانی کا ایک چھوٹا سا حوض بنا ہوا تھا۔ اور قرب و جوار میں پتھر کا سازو سامان جنہیں بیٹھنے اور لیٹنے کے لیے استعمال کیا جائے کہ ان پر جانوروں کی کھالیں منڈھی ہوئی تھیں۔ اور ان میں سے کچھ کھالیں تو ایسی تھیں جن کے اوپر موجود بال تین تین اور چار چار فٹ لمبے تھے۔ یعنی نرم اور ایک ایسے قیمتی قالین کے مانند جو انتہائی اعلیٰ درجے کا بنایا گیا ہو۔ غرض یہ کہ یہ تمام چیزیں ضرورت کے لیے فراہم کر دی گئی تھیں۔ برآمدے میں ایک طرف ایک تخت رکھا ہوا تھا۔ یہ تخت سیاہ ہاتھی دانت کا بنا ہوا تھا۔ اور اس کے پائے بالکل انسانی ٹانگوں کی مانند تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے چار آدمی اس تخت کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں۔ اور تخت پر ایک بڑا سا تانبا تھا جو نیلے رنگ کی گھاس کا بنا ہوا تھا۔ بعد میں یہ معلوم ہوا کہ یہ بادشاہ کے محل خاص کا ایک حصہ ہے۔ اور بادشاہ کو دیوی دیوتاؤں پر فوقیت حاصل نہیں تھی۔ اور ان کے لیے عبادت گزاروں نے اسے محل سے نکال باہر کیا تھا تاکہ دیوی دیوتا اس کے محل میں ٹھہریں۔ اور میشل کو پہنچا دیا گیا اور اس کے برابر ایک دوسری جگہ میں نادر کوہالہ اور مونٹا کو، گویا ان لوگوں نے انہیں الگ الگ کر دیا تھا۔ لیکن یہ ہی شکر تھا کہ وہ سب ایک چھت کے نیچے یکجا تھے۔ اور اس پر انہیں خاصا اعتراض تھا چونکہ ابھی وہ اس شہر کے بارے میں مکمل طور سے نہیں جانتے تھے۔ اور کم از کم ایک دوسرے سے باتیں کر کے وہ اپنا مقصد ایک دوسرے کو سمجھا سکتے تھے۔ لیکن عارضی طور پر انہوں نے یہ خاموشی اختیار کی۔ نادر نے کوہالہ اور مونٹا سے کہا۔

”دیکھو اب کیا ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے میشل اس صور حال سے گھبرا جائے۔“ کوہالہ نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ میرا شہر ہے اور میری آبادی، تم فکر نہ کرو کہ میں ہر صورتحال سے تمہیں آگاہ کرتی رہوں گی۔ آہ بے شک میں نے بچپن میں ان لوگوں کو دیکھا ہے۔ لیکن پھر بھی یوں لگتا ہے جیسے میرا آج بھی ان سے گمراہی ہے۔“ تھوڑی دیر کے بعد بہت سے عورتیں ان کا کھانا لے کر آگئیں۔ جو ابلے ہوئے چاول، بھنے ہوئے گوشت اور دودھ پر مشتمل تھا۔ کھانے کے بعد ٹہلنے کی غرض سے باہر نکلے۔ مونٹا نے کہا۔

”ایسا نہ ہو عظیم آقا! کہ یہ لوگ ہمارا باہر نکلتا پسند نہ کریں۔“

”دیکھا جائے گا۔“ نادر نے جواب دیا۔ باہر جھانکا تو انہوں نے دیکھا کہ ہر دروازے پر مسلح افراد کھڑے ہوئے ہیں۔ اور اس کمرے کے سامنے جن میں فینٹ اور میشل

”بات تو وہیں آ جاتی ہے کہ ان سے ملاقات کیسے ہو۔“
 ”ہاں۔ یہ تو سوچنے کا مقام ہے۔“ سب کے چہرے پریشانی کی تصویر بن گئے تھے۔



ادھر فینٹ اور میشل کا بھی یہ ہی حال تھا۔ میشل تو کچھ زیادہ ہی خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ فینٹ بھی متفکر بیٹھا ہوا تھا۔ میشل نے کہا۔
 ”اور یہ تو بہتر نہیں مسٹر فینٹ کہ ہم لوگ الگ الگ ہو جائیں۔ مسٹر نادر کو ہالہ اور ہونا اگر ہمارے ساتھ ہی ہوتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔“ فینٹ نے پر خیال لہجے میں کہا۔
 ”آقا ذاری! یہ شاید ممکن نہ ہو سکے۔ اور میں کیا کموں اپنے بارے میں۔ مجھ جیسا بد صورت، بد شکل جسے آپ نے عزت کا مقام دے کر مسٹر فینٹ کے نام سے پکارا، درحقیقت یہاں جو بنا دیا گیا ہے نہ تو وہ مجھے پسند ہے اور نہ ہی میں اس کا اہل ہوں۔ بہتر تو یہ ہوتا کہ عظیم آقا جو خوبصورت جسم اور خوبصورت چہرے کے مالک ہیں۔ اس منصب کے اہل قرار پاتے۔ اور آپ کے ساتھ درحقیقت وہی ایک دیوتا کی حالت میں بہتر نظر آتے۔ اہل قرار پاتے۔ اور آپ کے ساتھ درحقیقت وہی ایک دیوتا کی حالت میں بہتر نظر آتے۔ مگر یہ بے عقل لوگ ایک معمولی سے شخص کو جس کی کوئی عزت کوئی مقام نہیں ہے۔“
 فینٹ نے ابھی اتنا ہی کیا تھا کہ میشل نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور

”اس کے بعد تم اپنے آپ کو اس نام سے مخاطب نہ کرنا۔ سمجھ رہے ہو ناں تم۔“
 اس ایک بار ایسا ہوتا کہ ہم لوگ مل بیٹھتے اور یہ طے کر لیتے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ تو وہ زیادہ مناسب ہوتا۔ ویسے میں غیر مطمئن نہیں ہوں۔ بس ذرا یہاں کے حالات دل پر خوف غاری کرتے ہیں۔ اور نجانے آگے کیا ہوگا۔ یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ ویسے ہمارا مالک یا تمہارا دوست نجانے کس حال میں ہوگا۔ تاہم وہ ایک عظیم انسان ہے۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔ اور پھریوں ہوا کہ کچھ بیماری جو سیاہ چنے پنے ہوئے تھے اپنے ہاتھوں میں ہٹا کے پھول لیے ہوئے ان کے سامنے پہنچے اور ان دونوں کے قدموں میں یہ پھول سجانے

لگے تو فینٹ نے ایک ٹھوکر سے پھولوں کا ڈھیر دور لڑھکا دیا۔ اور کرخت لہجے میں بولا۔

”یہ تو فو! میری پوجا اور میری عبادت کرنے والا وہ سفید چہرے والا آدمی ہے۔ اور اس کے ساتھ بوڑھی عورت، اور بوڑھی عورت کے ساتھ بوڑھا مرد اور اس سے پہلے کبھی کسی اور نے میری پوجا نہیں کی تو یہ پھول اٹھاؤ یہاں سے۔ اور ہم اس وقت تک کسی کی عبادت قبول نہیں کریں گے جب تک کہ ہمارے قدموں میں پھول چڑھانے والے ہمارے سامنے نہ ہوں۔“ اور پجاری خوف سے کانپ اٹھے۔ انہوں نے گردنیں خم کیں۔

ایک پجاری نے دوسرے سے کہا۔

”پھول اٹھا لو۔ اور مقدس کال کو اس بارے میں اطلاع دو۔ اور اس سے کہو کہ دیوتا کیا چاہتا ہے۔“ انہوں نے پھول سیٹے۔ اور یہ ایک نیا نام ان کے علم میں آیا۔ تو وہ باہر نکل گئے۔ اور جب وہ باہر نکلے تو پہلی بار میشل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کئی بار مسٹر نادر نے کہا کہ فینٹ تم ایک ذہین آدمی ہو۔ اور ایسے موقعوں پر جب دوسروں کی کوئی رائے تم پر مسلط نہیں ہوتی تو تم بہترین فیصلے کرتے ہو۔ اور ایسا ہی سفید بھیڑیے کے کراں میں کیا۔ اور اس وقت بھی تمہاری ذہانت صاف ظاہر ہے۔“

”بس میں خاموشی کا خادم ہوں۔ اور آقا زادی میں نے بھی مذہب دنیا میں پرورش پائی ہے۔ اور تھوڑا تھوڑا وہاں کے رسم و رواج کو سیکھ لیا ہے۔ بس یہ ہی کچھ باتیں کام آ جاتی ہیں۔ ورنہ بد صورت فینٹ۔“

”مجھے تم سے اختلاف ہے فینٹ بار بار تم اپنے آپ کو بد صورت کہتے ہو۔ اور مجھے آقا زادی۔ بھلا میں تمہاری آقا زادی کہاں سے ہو گئی۔“ فینٹ نے مسکراتے ہوئے گردن خم کر لی۔ پھر آہستہ سے بولا۔

”مجھے اس میں سکون ملتا ہے۔“ اور میشل کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت لرانے لگی۔ لیکن پھر اس کی محویت کا ظلم اس وقت ٹوٹ گیا جب وہی مقدس پجاری ہاتھوں میں پھولوں کی تھالیاں لیے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ اور ان کے ساتھ نادر کوہالہ اور مونٹا اندر آ گئے۔ تو فینٹ نے کہا۔

”اور پجاریو! تم واپس جاؤ۔ اور انہیں ہماری پوجا کرنے دو۔“ پجاری باہر نکل گئے۔ اور نادر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”بہت خوب کیا تو نے فینٹ۔ اور مجھے امید یہی تھی تجھ سے، واقعی کمال کیا لگتا ایسے ہوا کیسے۔“ جواب میں فینٹ نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”دروازہ تو بند کر دو۔“ اور نادر ہنس پڑا پھر بولا۔

”تو کیا تیرے خیال میں یہ لوگ انگریزی جانتے ہوں گے۔ کی ناں موئی عقل والی بات۔“ یوں سب لوگ ہنس پڑے تھے۔ کوہالہ اور مونٹا نے پھول فینٹ کے قدموں میں جانے شروع کر دیے۔ اور نادر نے بھی، تو فینٹ ہنس کر بولا۔

”کیا ہی عمدہ موقع ملا ہے مجھے لیکن میرے دوست۔ میرے سب سے پیارے آقا۔ مجھے معاف کر دینا کہ تجھے ایسا کام کرنا پڑ رہا ہے۔ اور ایک ایک پھول میرے سامنے رکھو۔ تاکہ ہمارے درمیان گفتگو ہو سکے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کرنا کیا ہے۔

”ہاں۔ میں تجھ سے یہ باتیں کرنے کے لیے بے چین تھا۔ فینٹ۔ پہلا کام تو، تو یہ کر کہ اگر ممکن ہو سکے تو ان لوگوں سے یہ کہہ کہ ہم عقیدت مندوں کو تیرے قدموں میں ہی رہنے دیا جائے۔ اور اس طرح یوں ہو گا کہ ہم آپس میں بات کر سکیں گے۔“

”تمہاری عقل بڑی ہے، عظیم آقا۔ لیکن میری مانو تو ایسا نہ کریں۔ اگر ہم سب ایک جگہ جمع ہو گئے تو ان بے چارے سیاہ فاموں کا کون خیال رکھے گا جو ہمارے ساتھ آئے ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس یوں کیا جائے کہ ان لوگوں کے رسم و رواج کے مطابق تمہاری ہر خدمت سونپی جائے۔ یعنی وہ جو ان کے لیے ممکن ہو۔“ نادر نے کہا۔

”تو ٹھیک کہتا ہے فینٹ۔ اور میں تیری عقل کو بڑا مانتا ہوں۔ خاص طور سے یہاں کرنے کے بعد تو نے ثابت کر دیا کہ تو ہم سے عظیم ہے۔“

”آقا۔ مجھے شرمندہ کر رہے ہو۔ بہر حال تم ان لوگوں کا بھی خیال رکھو۔“ اور پھر جب پجاری اندر آئے تو یہ بات فینٹ نے ان سے کہی۔

”سنو۔ کال سے کہو کہ پوجا کے جتنے پھول ہم پر چڑھائے جائیں ان کا ذمہ دار ان لوگوں کو قرار دیا جائے۔ اور انہیں وقفے وقفے سے ہمارے پاس بھیجا جائے کہ ہم اپنی ضرورتیں انہی سے بیان کرتے ہیں۔ تب ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

”ٹھیک ہے کال نے اس کی اجازت دی ہے۔ اور ایسا مناسب ہے۔“

”دوسری بات جن لوگوں نے ہماری خدمت کی اور جو ہمیں یہاں تک لائے۔ ان کی عزت اور بڑا مقام حاصل ہے انہیں۔ اور انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دی جائے۔“

”ایسا ہی ہو گا مقدس دیوتا۔ ایسا ہی ہو گا۔ جو تو نے کہا۔“ اور پھر وہ لوگ چلے گئے۔

اور ساتھ میں نادر اور اس کے ساتھ کوہالہ اور مونٹا بھی۔ تو میشل نے کہا۔

”اور اب کچھ سکون حاصل ہوا۔“ پھر یہ رات گزر گئی۔ اور دوسرے دن پھر ان

لوگوں کی ملاقات ہوئی۔ جس میں نادر نے بتایا کہ کالے غلام بہت خوش ہیں۔ اور ان کی خوب خاطر مدارت کی جا رہی ہے۔ ہر طرح کی اشیاء ان کے پاس موجود ہیں۔ تب اسی شام کال نے ان سے ملاقات کی۔ اور اس نے عجیب و غریب رسومات کے بعد 'جو فینٹ کے اور میشل کے قدموں میں بیٹھ کر ادا کی گئی تھیں کہا۔

”کل تجھے تیسرا دن ہوگا۔ مقدس زام‘ اور عظیم سوالہ‘ کیا یہ تم دونوں کے نام ہیں۔ اور یہ نام ہمیں درحقیقت بڑے پجاری جن کا نام ہومان ہے‘ بھیجے ہیں۔ اور کہا ہے کہ نئے دیوی دیوتا آسمانوں میں اسی نام سے پکارے جاتے ہیں۔ سو انہیں یہ ہی نام دیا جائے۔ کل ہم جشن کا دن منا رہے ہیں۔ اور شام کو پجاری اور پجارنیں تمہیں اس جشن میں شرکت کے لیے سنوارنے پہنچ جائیں گے۔ اور معزز دیوتا اور وہ جو دیوتا کے ساتھ آسمانوں سے زمین تک پہنچی ہے۔ تم اس کے لیے تیار رہنا۔“ اور یہ سب کچھ کہنے کے بعد ان لوگوں نے ان کے سامنے دو زانو ہو کر سجدے کیے۔ اور اس کے بعد یہاں سے باہر نکل گئے۔

اب تک جو کچھ ہوتا رہا تھا وہ ایک خواب کی مانند تھا اور سبھی کے دلوں میں نجانے کیسے کیسے تاثرات تھے کبھی کبھی نادر اس بات پر شرمندہ ہو جاتا تھا کہ اس کی اپنی ایک ذات کی تسکین کیلئے کیسے کیسے لوگوں کو مشکلات کا شکار ہونا پڑ رہا ہے اگر یوں ہوتا تو کیا برا رہتا کہ نادر بھی ان کوششوں میں ناکام رہ کر اپنے بھائی کی طرح زندگی سے نجات حاصل کر لیتا اور اس طرح موت کے بعد تو خود بخود ساری کمائیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ لیکن تقدیر ایک کے بعد ایک فیصلے کرتی رہی تھی اور نادر ان فیصلوں کا شکار ہوتا رہا تھا یہاں تک کہ وہ اس وحشت ناک جگہ پہنچ گئے تھے جہاں رہتے تو انسان ہی تھے لیکن یہ کون سی دنیا کے انسان تھے یہ بات مذہب دنیا کے رہنے والوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچی ہوگی۔ کوئی بھی اگر اس کمائی کو سنے گا تو یقین نہیں کرے گا اور یہی کہا جائے گا کہ یہ ایک بہت خوبصورت افسانہ ہے اور اس میں ہولناک واقعات شامل کیے گئے ہیں لیکن جو ان ہولناک واقعات سے گزر رہے تھے اصل حقیقت وہی جانتے تھے۔ پے در پے واقعات پیش آ رہے تھے۔ اور انہیں سوچنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ پھر سردار الہا ان کے پاس پہنچا یہ ایک نیاز مند آدمی تھا ویسے بھی جوان آدمی تھا اور دوسروں کی نسبت اس کے چہرے پر نرمی نظر آتی تھی اور اس نے اصولوں کے مطابق ان لوگوں کا احترام کیا اور پھر کہا۔

”عظیم دیوتا مقدس زام اور دیوی شہوان میں تیرا غلام‘ تجھ پر اپنی اطاعت ظاہر کرنے آیا ہوں اور کبھی ایسا نہ ہو گا کہ میرا سر تیرے سامنے اٹھے اور میں تیرے قدموں میں ہمیشہ سر جھکائے رہوں گا اور تو حکم دے گی تو میں اپنی سرداری کا تاج اپنے سر پر رکھوں گا ورنہ جب بھی تیرا حکم ہو گا میں اسے اتار کر کسی اور کے حوالے کر دوں گا۔ مقدس دیوی اور مقدس دیوتا میں یہی عرض کرنے کیلئے تیرے پاس حاضر ہوا تھا کہ اگر وقت کوئی ایسی بات تیرے کانوں تک پہنچائے جو میرے خلاف ہو تو کم از کم میری اس اطاعت کو ذہن میں رکھنا اور میرے لیے کوئی ایسا حکم نہ دینا جو میری زندگی کا چراغ گل کر دے‘ کہ میں نے ابھی اپنی زندگی کو بہت کم دیکھا ہے بس یہی کہنے کیلئے میں حاضر ہوا تھا۔“ اور جس طرح وہ آیا تھا اسی طرح چلا گیا لیکن نہ تو فینٹ اور نہ ہی میشل اس کی بات سمجھ سکے تھے یہاں تک کہ نادر کی سمجھ میں بھی کچھ نہیں آیا تھا اور وہ بھی حیران تھا۔ اور اس کے ساتھ کوہالہ اور فوننا بھی‘ اور وہ اس صورت حال کو جاننے کی فکر میں سرگرداں تھے کہ اصل واقعہ کیا ہے اور یہ بتا دیا گیا تھا انہیں کہ مقررہ وقت پر انہیں اندھیرے والوں کے سامنے زیارت کیلئے بلے جایا جائے گا اور اس کے لیے تیاریاں ہونی بھی ضروری ہیں۔۔۔۔۔ وہ انتظار کرتے رہے اور پھر

وقت کچھ اور گذرا، سردار الہا کے الفاظ نے انہیں حیران کر دیا تھا لیکن پھر بات آہستہ آہستہ ان کی سمجھ میں آگئی اور اس وقت انہیں احساس ہوا کہ اصل واقعہ کیا ہے تو ہوا یوں کہ جس جگہ وہ فروکش تھے، یہ ایک بڑا سا کمرہ تھا کمرہ کا زمانہ قدیم میں کوئی عمارت تھانے انسانی ہاتھوں کی تراش نے سپاٹ اور سیدھی دیواروں کی شکل میں چکنا کیا تھا اور اسے خوبصورت ترین بنا دیا تھا، اور اس میں انتہائی قیمتی اشیاء سجائے کے طور پر لگی ہوئی تھیں اور کہیں سے بھی کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا یعنی وہ جگہ جہاں خاص قسم کے جنگلی پودوں کی بیلوں سے سجانے کی کوشش کی گئی تھی اور جو عجیب و غریب معلوم ہوتی تھی جب یہ لوگ آپس میں بیٹھے مشورے میں مصروف تھے اور سردار الہا جا چکا تھا اور بہت وقت ہو گیا تھا اسے گئے ہوئے تو اچانک، انہوں نے کچھ سرسراہٹیں محسوس کیں اور حیران ہو کر اس دیوار کی جانب دیکھنے لگے جہاں کچھ سرسراہٹیں نمودار ہوئی تھیں اور ان سرسراہٹوں کے نمودار ہونے کے بعد وہاں ایک دیوار شق ہو گئی اور اس میں ایک گول دروازہ پیدا ہو گیا جیسے کوئی چیز اس کی جگہ سے ہٹا دی گئی ہو غالباً یہ کوئی خاص طریقے سے بنائی گئی دیوار تھی اور جس میں جو چٹان پتھر کی تھی اور جس کے رخنے ان جنگلی بیلوں میں چبے ہوئے تھے اپنی جگہ سے گھوم گئی تھی اور درمیان سے دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی تھی گویا اسے گھمانے کیلئے پتھروں میں سوراخ کر کے اس طرح سے اس چٹان کو پھنسایا گیا تھا کہ اگر کوئی دوسری جانب سے ہی اسے گھمائے تو یہ گھوم سکتی تھی ورنہ نئے آنے والے اجنبیوں کو تو پتہ بھی نہیں چل سکتا تھا کہ اس دیوار کے پیچھے کوئی اور بھی دیوار ہے اور یہ لوگ حیران ہو کر اس طرف دیکھنے لگے تھے جو سوراخ پیدا ہوا تھا وہ تاریک تھا اور اس سے کوئی روشنی نہیں آ رہی تھی وہ حیران نگاہوں سے ادھر دیکھتے رہے پھر لمحہ لمحہ سوراخ آہستہ آہستہ روشن ہونے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے ایک روشنی مٹھک ہے اور کوئی آ رہا ہے تو پھر انہوں نے حیرانی سے دو مشعلیں دیکھیں جو انسانی ہاتھوں میں تھیں اور ان مشعلوں کو جو اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ بیس کے مقامی باشندے تھے۔ اور ان کے چروں پر خوف چھایا ہوا تھا ان کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں وہ مشعل لیے ہوئے آ رہے تھے۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور یہ لوگ ساکت نگاہوں سے انہیں دیکھ رہے تھے کہ یہ ایک حیرتناک واقعہ تھا اور دیکھنا یہ تھا کہ ان مشعل برداروں کو جو اس جگہ سے نمودار ہوئے ہیں ان سے کیا کام ہے یا وہ کس مقصد کے تحت یہاں آئے ہیں تب وہ دونوں سمت کے دروازے سے نکل کر اس کے کنارے پر کھڑے ہو گئے اور پھر کوئی اور نظر آیا جو آہستہ آہستہ ادھر آ رہا تھا جگہ

اپنی بڑی تھی کہ ایک آدمی باسانی وہاں سے گذر سکے۔ تو جو شخص وہاں سے گذر کر اندر آیا اسے دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں وہ بڑا پجاری اور دیوتاؤں کا چیتا ہومان تھا جو بہت ضعیف اور بوڑھا تھا لیکن اس وقت جب وہ انسانوں کے شانوں پر سوار ہو کر وہاں پہنچا تھا اور اس نے ان کی تصدیق کی تھی نجانے کیوں اس وقت بھی نادر کو محسوس ہوا تھا کہ بوڑھے شخص کی آنکھوں میں ایک شدید مکاری چھپی ہوئی ہے اور وہ کوئی ذرا مختلف قسم کا آدمی نظر آتا ہے لیکن وہ ان کا محسن بھی تھا کہ اس نے ان کے دیوی دیوتا ہونے کی تصدیق کی تھی بات اگر وہیں سے خراب ہو جاتی تو صورت حال مشکل ہو جاتی کیونکہ اس وقت بہت تھوڑے افراد تھے جو ان کے عقیدت مند اس وقت تک نہیں تھے جب تک کہ بوڑھے نے ان کی تصدیق نہیں کر دی تھی اور اس وقت بھی بوڑھا ہومان اپنے قدموں سے چل کر آ رہا تھا اور اس قدر لاغر نہیں نظر آ رہا تھا جتنا وہ اس وقت نظر آیا تھا، اور جب وہ ان کے درمیان پہنچا تو وہ دونوں مشعل بردار کھڑے ہوئے تھے واپس اس سوراخ سے اندر داخل ہوئے اور چٹان ایک بار پھر اپنی جگہ سے گھوم کر ہموار ہو گئی اور تعجب کی بات تھی کہ اس عجیب و غریب جگہ یعنی مذہب انسانوں کی سیاہ فاموں کی اس بستی میں ایسی کوئی جگہ بھی بنائی گئی تھی جسے بڑی شان کے ساتھ یہ کہا جاسکتا تھا کہ وہ جدید ترین تھا اور ایسی جگہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہومان نیچے اترا اور آہستہ سے چلا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا پھر اس نے دونوں ہاتھ آگے کر کے اپنی گردن خم کی اور خاصا نیچے تک جھٹکا چلا گیا اس کے بعد بیدھا ہو گیا اور اس نے کہا۔

”یہ وہ وقت ہے کہ اب یہاں میرے سوا اور کوئی نہیں آئے گا اور میں جانتا ہوں کہ ایسا ہی ہو گا اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگ میرے آنے سے حیران ہو لیکن بہتر ہے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کرو میں تمہارے سامنے کی اونچی جگہ نہیں بیٹھ سکتا بلکہ نیچے زمین پر بیٹھ کر تمہاری تعظیم کرنا چاہتا ہوں۔“ پھر وہ خود ہی ایک جگہ منتخب کر کے بیٹھ گیا ان سب پر سکتہ طاری تھا۔ ہومان کا اس طرح آجانا ان کے لیے تعجب کی بات تھی لیکن بہر حال وہ ہوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے تب ہومان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی اور اس نے کہا۔

”تم۔ اس نے اٹھی اٹھا کر میشل کی جانب اشارہ کیا تھا میں سب سے پہلے تم سے مخاطب ہوں اور تم اگر یہ کہتی ہو کہ تم شیوالا ہو تو بتاؤ زمین کی تیسری تہ میں کیا ہے۔“ نادر کو ایک لمحے کے اندر یہ احساس ہو گیا تھا کہ بوڑھا پجاری ہومان شیطانی قوتوں کا مالک

”نہیں مقدس دیوی اور مقدس دیوتا ایسی بات نہیں ہے میں تمہارا احترام کرتا ہوں اور ہمیشہ ہی تمہارا احترام کرتا رہوں گا لیکن سنو، جو آسمانوں سے اترتے ہیں اور زمین کا گمراہیوں میں گھنچتے ہیں وہ اپنے ساتھ معلومات کے بہت سے خزانے لاتے ہیں اور جو

یہی اس وقت میں پہنچی تھی اور اب میں سوچتی تھی شاید اس عمر میں آنے کے بعد یہ
بنا پہچان سکے گا اور اسی خوف کا اس وقت مجھے احساس تھا کہ کس وہ میری شناخت
لے لیکن اگر وہ قوت والا ہوتا تب ایسا ہوتا اب میرا دل بہت زیادہ مطمئن ہو گیا ہے
کہ میں سوچتی رہی ہوں وہ غلط ہے اور وہ نہیں ہو سکتا جو میں نے سوچا تھا۔
”نیک ہے وہ تجھے نہیں پہچان سکا لیکن وہ جو کچھ کہہ گیا ہے اس کے بارے میں تم
کہتے ہو؟“

”اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو عظیم آقا کہ جو کچھ اس نے کہا وہ سچ ہے
۔۔۔“ فینٹ نے کہا۔

”ہاں۔“

”اور کیا یہ بات ہمارے لیے پریشان کن نہیں ہے کہ یہاں ایک ایسا صاحب اقتدار
ہو رہے جو ہمارے بارے میں جانتا ہے۔“ میشل نے کہا۔
”لیکن ہم اس بات کا اقرار نہیں کرتے میشل، اور اگر ہم نے اس بات کا اقرار کر
کا مقصد ہے کہ ہم اس کی مٹھی میں چلے جائیں گے۔“
”تو پھر۔“

”میں سمجھتا ہوں کہ حالات کا تھوڑا سا جائزہ لو یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرو کہ وہ
ہے اور اگر کوئی بات چاہتا ہے وہ جو ہمارے لیے ممکن ہو تو میرے خیال میں ہمیں
تو مان لینی چاہئے۔“

”کیا اس طرح کہ ہم اس کی برتری قبول کر لیں؟“ میشل نے سوال کیا۔

”میں پہلے عملی کوشش کرتے ہیں وہ جو، اپنی زبان سے ادا کرے وہ اندھیرے والوں
نے آجائے اور ہومان کی طرف سے اختلاف نہ ہو اور اس کے بعد جب ہمیں یہاں
اصل ہو جائے گا تو ہم اس بات کو ذہن میں رکھیں گے کہ ہومان ہمارا دشمن ہو
۔۔۔“

”یہ بات تو ہے۔“

”عظیم آقا اگر ہم اس سے تعاون کر بھی لیں تو کیا حرج ہے؟“ فینٹ نے کہا۔
”نیک تو یہی ہو گا کہ وہ کیا تعاون چاہتا ہے ہم سے۔“ اور پھر اس کے بعد سب
خاص ڈوب گئے تھے یہ بڑا مشکل مرحلہ آگیا تھا اور حیرانی کی بات تھی کہ ایسے
کہ ہوتے ہیں جو اقتدار کو قبضے میں رکھنے کے لیے نجانے کیا کیا سواگت رچا لیتے

مطابق ہو اور اس سے زیادہ تو میں کچھ چاہتا بھی نہیں ہوں اور وہ بھی نہیں جو تمہارے
لیے ناقابل عمل ہو۔“

”ہومان تو کچھ کہہ رہا ہے جانتا ہے، اگر ہم اندھیرے والوں کے سامنے وہ دہرا دیں
تو تیرے ساتھ کیا سلوک ہو گا؟“ جواب میں ہومان ہنسنے لگا اور کہنے لگا۔

”لیکن حالات ماحول اور وقت میں تم سے بھی سوالات کر سکتا ہوں اور ایسی باتیں
پوچھ سکتا ہوں تم سے جن کا تم جواب نہ دے پاؤ اسی کو میں بنیاد بنا سکتا ہوں۔“

”تو جو کچھ کہہ رہا ہے وہ ناقابل یقین ہے لیکن پھر بھی وہ کہہ جو تیری خواہش ہے
اور جو کچھ تو چاہتا ہے۔“

”میری خواہش اور میری چاہت تو سنو میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ دیوتا نام
ہے، اور تو دیوتا شیوا! لیکن ہومان کے تعاون کے ساتھ، اور یہ تعاون جب بھی ختم ہوا
یوں سمجھ لے کہ صورت حال خراب ہو جائے گی مجھ سے منحرف نہ ہونا اور وہ نہ کرنا جو
میں نہیں چاہتا میرا خیال ہے اتنا کہنا میرے لیے کافی ہے میں تم سے کسی بات کا انکار یا
اقرار نہیں لیتا لیکن ابھی میں تمہارا دوست ہوں اور جو کچھ تمہیں سمجھانے آیا ہوں اسے
یہ سمجھنے کی کوشش کرنا تمہارے حق میں بھی بہتر ہو گا اور میرے حق میں بھی۔“ پھر وہ اپنی
جگہ سے خود بخود اٹھ گیا اور آہستہ سے چلتا ہوا دیوار کے پاس پہنچا اور جیسے ہی وہ دیوار کے
قریب پہنچا وہ چٹان پھر اپنی جگہ سے ہلی اور اس میں دروازہ نمودار ہو گیا تب وہ اس
دروازے سے اندر داخل ہو گیا اور چٹان اپنی جگہ برابر ہو گئی اور یہ سب سحر زدہ نگاہوں
سے اسے دیکھتے رہ گئے اور یہ سحر نجانے کب تک ان پر طاری رہا اور وقت گزرتا چلا گیا
بہت دیر کے بعد کوہالہ نے لرزتی آواز میں کہا۔

”آہ سارا تصور ہی بدل گیا سارا خیال ہی بدل گیا اور جو علم ہمیں حاصل ہوا شاید
یہاں موجود کسی ایک انسان کو بھی حاصل نہ ہو اور میں خوفزدہ تھی کہ یہ شیطان بوڑھا ہے
اب میں شیطان کہنے سے گریز نہیں کرتی لیکن اب سے کچھ وقت پہلے اگر کوئی میری گردن
بھی کاٹ دیتا تو میں یہ لفظ اس کے لیے اپنے منہ سے ادا کرنے کے لیے تیار نہ ہوتی کیونکہ
بچپن سے میں نے اس کے تقدس کی عبادت کی ہے اور اسے بہت بڑا مانا ہے اور اس وقت
بھی تم لوگ یقین کرو مونا اور تم عظیم آقا اور تو آقا زادی، اے کالے شخص، جو اس وقت
ہمارا دیوتا بنا ہوا ہے کہ جب یہ شخص تصدیق کرنے آیا تھا اس وقت ہی میرا وجود پھرا گیا تو
چونکہ یہ ہی تو وہ تھا جو مجھے دیوتا کے قدموں میں قربان کرنا چاہتا تھا اور میں تو اسے پہچانتی

ہیں لیکن ہر حال یہ فکر کے لمحات تھے۔ اور وہ ان پر غور کر رہے تھے۔ فینٹ ہم وقوف نہیں تھا۔ بیشتر مواقع پر اس نے ناقابل یقین ذہانت کا ثبوت دیا تھا لیکن یہ ہر آگیا تھا کہ وہ بھی کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ پھر وہ الجھ کر بولا۔

”مجھے اجازت دو عظیم آقا۔ میں اسے ختم کر دوں۔ اگر وہ ہماری کامیابی میں رہا ہے تو اس کی زندگی خطرناک ہے۔“

نادر مسکرا دیا۔ پھر اس نے کہا ”نہیں فینٹ۔ بیشک تم زندگی کی بازی لگا کر سکتے ہو۔ کیا ہم ایسا نہیں کریں گے۔ وہ جو موت کے ہم آغوش ہو گیا ہمارے لیے قیمتی تھا جتنا دوسرے۔ میں سب کے ساتھ واپس جاؤں گا۔ یہ میرا عہد ہے۔“

اور ایک عجیب سی وحشت کا شکار تھا یہ ماحول اس کے سر میں ہتھوڑے کی طرح رہا تھا وہ باہر نکلا اور قرب و جوار کے ماحول کا جائزہ لینے لگا تھوڑے فاصلے پر اس کا بڑا دروازہ تھا دروازے کے دونوں طرف نہایت عظیم الشان اور مضبوط کوئی پچاس فٹ تک بلند ہوتی چلی گئی تھیں اور ان لوگوں کی زبردست کارکردگی دیکھ کر دروازہ ہوتا تھا کہ کسی بہت بڑے مذہبی رسم یا جشن کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی ہیں کے گردہ کے گردہ چاروں طرف مصروف عمل نظر آ رہے تھے اس میں وہ پجاری لے تھے جو لمبے لمبے چوغوں والے تھے وہ ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے اور انتظامی لے لوگ بھی جن کے ہاتھوں میں چوڑے بھالے اور پیشانی پر سیاہ رنگ کی پٹیاں ہوئی تھیں یہ انہیں انتظامی امور کے ذمہ دار قرار دیتی تھیں۔ دروازے کی دوسری مٹی پرہ تھا وہ اس وقت سامنے کھڑا دیکھ رہا تھا اور آہستہ آہستہ سورج غروب ہو رہا یہ وقت آگیا تھا کہ انہیں یا پھر دیوی شیوالا یا زام دیوتا کو اندھیرے والوں کے زیارت کیلئے جانا تھا اور پھر وہ واپس اس جگہ آگیا جہاں باقی لوگ موجود تھے ابھی وہ ان کو باہر کی تیاریوں کے بارے میں بتا ہی رہا تھا کہ دروازے پر پڑا ہوا پردہ ہٹا اور اکا ایک گردہ کمرے میں داخل ہوا یہ تقریباً ”بارہ یا تیرہ افراد تھے اور ہر پجاری کے ایک لمبی سی موم بتی تھی اور حیرت کی بات یہ تھی کہ ان سب کے پیچھے ہومان بھی اس وقت وہ تندرست و توانا آدمی لگ رہا تھا حالانکہ اس کا بدن بہت دیرپا تھا اور مٹی اور بکھرے ہوئے بالوں کی وجہ سے وہ ایک آسیب کی مانند نظر آتا تھا۔ ہر حال اندر آئے اور میشل اور فینٹ کے سامنے سجدے میں گر گئے پھر دیر تک وہ اس آغوش پرے رہے جیسے پتھر کے بت ہوں یہی کیفیت خود ہومان کی تھی اور یہ لوگ بچے تھے کہ ہومان کتنا بڑا اداکار ہے اور کیا ہی عمدہ اداکاری کرنا جانتا ہے جبکہ نجانے

ہیں اپنی ضرورت کی چیزیں تیار مل جائیں میش خود ہی فیصلے کر رہی تھی اور یہ بات اس نے اس لئے کسی تھی کہ خود کو ہالہ نے خوف کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا کہ اس کا عبادت گاہ میں جانا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی اس سلسلے میں کسی کو کوئی اعتراض ہو سکتا تھا خصوصاً "نادر" کو، کیونکہ نادر نے بھی میش کی ذہانت سے پورا پورا اتفاق کیا تھا اور واقعی اس وقت کوالہ کی کیفیت خاصی خراب تھی تو ہومان نے پر ادب لہجے میں کہا۔

"آپ کے سب خادم یا ہر کھڑے ہیں دیوی" اور ان کے لئے بھی تیاریاں کر لی گئی ہیں لیکن یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کے جھروں پڑے چہرے پر نہایت ہی معنی خیز مسکراہٹ چلی گئی اور نجانے کیوں نادر کو اس کی مسکراہٹ میں ایک شیطان کی سی عیاری اور مکاری محسوس ہوئی پھر اس نے سوچا کہ کیا کہنا چاہتا ہے یہ بوڑھا مکار اس کے الفاظ میں جو خاص بات تھی اس نے نادر کو کسی حد تک مضطرب کر دیا تھا آخر کیا تیاریاں کر لی ہیں، اس نے اس پر تمام باتیں سوچنے کا وقت نہیں تھا وہ لوگ برآمدے میں آگئے جہاں مسلح سپاہی لپٹا لپٹا کھڑے ہوئے تھے اور بیس پر انہوں نے اپنے ساتھ آنے والے سیاہ فاموں کو دیکھا جن کے چروں پر خوف و ہراس طاری تھا کیونکہ بہت سے افراد انہیں اپنے زرنے کے لئے بے ہوش تھے جن کے پاس ہتھیار موجود تھے۔ صرف فینٹ اور میش کو ڈولیوں میں لایا گیا اور ڈولیوں کے پیچھے چھوٹے سے گروہ کی صف تھی اور مونٹا سب سے آگے آگے چل رہا تھا انہیں خاص طور پر ہتھیار بھی دیئے گئے تھے یعنی نادر کو اور مونٹا کو اور یہ لوگ انہیں احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے اور ان کے خصوصی ہتھیار بھی ان کے لباسوں میں چھپے ہوئے تھے کہ اب تک جس چیز کی خاص طور پر حفاظت کی گئی تھی وہ بارود اور دھماکے لگنے والے ہتھیار تھے۔ اور یہی ایک ایسا سنہری کارڈ تھا ان کے ہاتھ میں جس سے وہ کبھی کی لئے حالات پر قابو پا سکتے تھے کیونکہ اس کے لئے خاص طور سے ہدایت کر دی گئی تھی کہ اگر یہ بات انہیں معلوم نہیں تھی کہ بارود کے استعمال اور آتش ہتھیاروں کے استعمال سے خود اس بوڑھے شیطان کو واقفیت ہے یا نہیں، لیکن جو کچھ انہوں نے اپنے جسموں پر لایا تھا اس پر اس نے غور نہیں کیا تھا اور انہیں ان کا مخصوص ہتھیار ہی سمجھا تھا لیکن ہر حال ہر چیز کا آمد تھی اور خصوصی طور پر پستول جو چھوٹے ہوتے تھے لیکن موقع پر کام لے والے چنانچہ یہ سب آگے بڑھ گئے وہ اس بات کا تھوڑا بہت اندازہ لگا چکے تھے کہ اگر لوگ ان ہتھیاروں کی جانب توجہ نہیں دیتے تو وہ انہیں صرف ان کا زور سمجھتے ہیں۔ پھر گروہ آگے بڑھا اور عجیب سی بے ہنگم آوازیں فضا میں گونجنے لگیں یہ ان کے آگے پیچھے

کون کون سے راز اس کے دل کی گہرائیوں میں پوشیدہ تھے تو آخر کار ان میں سے ایک کہا۔

"کیا آپ تیار ہیں عظیم دیوتا ہم آپ کو بڑی عبادت گاہ میں لے جائے کیلئے ہوئے ہیں اور اس وقت اندھیرے والے اپنے دیوتاؤں کے درشن کیلئے بے جھجک ہیں چاہتے ہیں کہ ان کی پر جلال صورتیں دیکھیں۔۔۔۔۔"

"ٹھیک ہے ہومان ہم تیار ہیں۔۔۔۔۔ میش نے جواب دیا۔۔۔۔۔"

"تو پھر یہ لباس پہن لیجئے یہ عارضی لباس ہیں جو آپ کو دوسروں کی نگاہوں سے لیس گئے کیونکہ آپ کی مقدس صورتیں اس وقت تک کوئی دوسرا نہیں دیکھ سکتا جب یہ زیارت کا وقت نہ ہو جائے اور پھر لہجے لہجے چوٹے انہیں دے دیئے گئے اور صرف اور میش کے لئے یہ چوٹے لائے گئے تھے اور بڑے احترام سے ایک شخص انہیں دونوں ہاتھوں میں پتھر کی بنی ہوئی ایک تھالی میں رکھ کر لایا تھا اور ہومان نے یہ لباس میں تمسوں کی بجائے سینک کے ٹکڑے لگے ہوئے تھے اور لہجے لہجے کو بکری کے سے بنایا گیا تھا اس میں بری بری آستین نکلی ہوئی تھیں جو اتنی بڑی تھیں کہ اسے والے کے ہاتھ بھی ان میں چھپ جائیں اور اس کے اوپری سرے پر ایک گول ٹوکڑا سے نقاب لٹک رہی تھی جس میں تین سوراخ تھے دو آنکھوں کیلئے اور ایک سانس کیلئے۔ میش اور فینٹ نے لباس اپنے جسموں پر پہنا اور وہ یوں محسوس ہوا جیسے پر سرار بلائیں ہوں پھر انہی پجاریوں نے میش کے ہاتھ میں نجانے کونسی قسم کے دیئے ان میں سے ایک سرخ تھا اور دوسرا سفید یہ پھول اسے دونوں ہاتھوں میں پکڑا گویا دیوی تیار ہو گئی تھی باہر جانے کیلئے اس کے بعد پجاری فینٹ کے پاس پہنچے اور طرح اسے بھی سجا دیا گیا اور اس کے ہاتھ میں سفید ہاتھی دانت کی ایک فرما چھڑی اور جو سانپ کی شکل کی تھی اور کافی قدیم معلوم ہوتی تھی اس کی آنکھوں کی جگہ ہیرے ہوئے تھے فینٹ نے یہ چھڑی اپنے ہاتھ میں لے لی تو ہومان نے مسکراہٹ کے کہا۔۔۔۔۔"

"دیوی اور دیوتا تیار ہو گئے ہیں اور اب ہمیں چلنا ہے اور اب آپ کے ساتھ ہے۔۔۔۔۔"

"ہاں لیکن ہمارے خادم بھی ہمارے ساتھ آئیں گے وہ بھی جو اس کمرے میں ہیں وہ بھی جنہیں دوسری جگہ رکھا گیا ہے اور یہ عورت یہیں رہے گی کہ جب ہم واپس

اور دائیں بائیں چلنے والے پجاری تھے جو کوئی مقدس گیت گا رہے تھے سپاہیوں کی قطاروں کی قطاریں بھالوں کے پھلوں پر موم بتیاں روشن کئے آگے بڑھ رہی تھیں اور جب وہ عظیم الشان دروازے کے پاس پہنچے تو دروازہ کھول دیا گیا اور اس سے وہ باہر آئے چنانچہ اب وہ اس بلندی پر چڑھ گئے تھے جو اس رہائش گاہ یعنی محل اور اس بڑی اور عظیم الشان عمارت گاہ کے درمیان تھی جو انتہائی ہستاک تھی اور بلندی پر نظر آ رہی تھی یہ فاصلے طے کرنے کے بعد وہ عبادت گاہ کے سامنے پہنچ گئے جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور یہاں ڈولیاں رکھ دی گئیں۔

میشل اور فینٹ سے نیچے اتر آنے کو کہا گیا جیسے ہی وہ نیچے اترے ساری روشنیوں
بجھا دی گئیں موم بتیاں اور شعلیں دھواں دے رہی تھیں اور قرب و جوار میں مکمل اندھیرا
چھا گیا تھا اندھیرا بڑا ہستاک اور دل لرزا دینے والا تھا پتہ نہیں اس کی کیا وجہ تھی اچانک
کسی نے نادر کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے گھیسٹ کر ایک طرف لے چلا نادر کچھ ایسی کیفیت میں
تھا کہ مدافعت بھی نہیں کر سکا اور اس کے ساتھ گھسٹتا چلا گیا خدا جانے گھسٹے والا کون تھا
اور وہ اسے کہاں لے جاتا رہا تھا اندھیرا اتنا گہرا تھا کہ وہ معلوم نہ کر سکا کہ اسے کہاں لے
جایا جا رہا ہے یہاں تک کہ اسے یہ احساس ہوا کہ وہ شخص جو اسے گھیسٹ رہا ہے وہ کوئی
بجاری ہی ہے یہ اس کے لباس کی وجہ سے اندازہ ہوا تھا۔ پھر خاصا فاصلہ طے ہو گیا
آوازیں سے اس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ اس کے ساتھ اکیلے ہی یہ واقعہ پیش نہیں آیا
بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اسی طرح گھیسٹ کر لے جایا جا رہا ہے اس نے ان لوگوں کی
آوازیں بھی سنیں جو اس کے اپنے ساتھی تھے وہ خوف سے بڑبڑا رہے تھے اور پوچھ رہے
تھے کہ وہ کون ہیں اور انہیں کہاں لے جایا جا رہا ہے پھر اچانک ہی ایسی آوازیں سنائی دیں
جیسے ان کے ساتھ سختی کی جا رہی ہو کچھ گھونٹوں اور تھپڑوں کی آوازیں تھیں چنانچہ یہ
ظاہر ہوا کہ انہیں اس وقت خاموش ہی رہنا ہے پھر اچانک ہی نادر کو یہ محسوس ہوا جیسے
کھلی فضا میں سے ٹکل کر کسی تنگ جگہ پر آگئے ہوں کیونکہ ہوا بدلی ہو گئی تھی اور پھر لے
فرش ان کے پیروں کی آواز چاٹ پیدا کر رہی تھی ہم شاید کسی سرنگ سے گزر رہے ہیں
عظیم آقا یہ سرگوشی مونیا کی تھی۔

”خاموش اگر دوسری بار تو نے زبان کھولی تو تیری گردن دبا دی جائے گی یہ مقدس مقام ہے اور یہاں خاموش رہنا ضروری ہے بولنے والے موت کی نیند سلا دیئے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ لوگ خاموش ہو گئے انہیں اندازہ ہو گیا کہ صورت حال ان کے حق میں

مے اور یہ سرزمین روشنی سے محروم ہو گئی کیونکہ اجالے کو ختم کر دیا گیا تھا اور اس وقت سے اندھیرا ہم پر طاری تھا اور یہ اندھیرا لوگوں کی عبادت کا جواب موت سے دیتا تھا اور گمراہیوں میں رہنے والا اس بات کا ضامن ہے کہ اس نے ہم پر کرم کیا کہ ہماری قوم تباہ نہیں ہوئی اور اندھیرے نے جس طرح اجالے کو قتل کیا اس کا کفارہ یہ تھا کہ اسے انسان کا روپ دھار کر اس جگہ اترتا تھا جہاں پانی ہے اور جہاں کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ ہمارا دیوتا جو ہمیشہ ہمیشہ سے اس پانی میں رہتا ہے وہ جو ہم پر زندگی نازل کرتا ہے اور موت سے ہمیں بچاتا ہے وہی ہمیشہ سے یہاں مقیم ہے اور خیال یہ تھا اور کہا بھی یہ گیا تھا کہ زام اور شیوالا ایک بار اس دنیا میں آئیں گے اور سنو میری بات کہ اس گناہ کے بعد دیوی شیوالا نے ایک وعدہ کیا تھا اور کہا تھا کہ میں آؤں گی اس کے ساتھ جس نے میرے وجود سے جنم لیا اور جو میرا ساتھی بنا اور سنو میں تمہیں ہمیشہ کیلئے چھوڑ کر نہیں جا رہی ہوں نسلوں کے بعد تسلیں گزر جائیں گی اور تب زام اور میں واپس آئیں گے اور پھر تم پر ہماری حکومت ہو گی اور تب اندھیرا تمہاری سرزمین سے ہٹ جائے گا اور تم دنیا کی عظیم ترین قوم بن جاؤ گے۔ چنانچہ اس وقت تک جب تک ہم واپس نہیں آئے تم اپنے لئے سردار منتخب کرتے رہو جو تمہاری دیکھ بھال کریں اور ایسا تمہیں اس لئے کرتا ہے کہ تم منتشر نہ ہو جاؤ اور تم پر کمزوری نہ طاری ہو جائے دیکھو اس کے علاوہ میری پوجا کرنا نہ بھولنا اور اس بات کا خیال رکھنا کہ مقدس گمراہیوں میں رہنے والے کو انسانی خون مینا ہوتا رہے اور اسے اس کی غذا ملتی رہے جو اس کی پسند ہے اور جب میرے واپس آنے کا زمانہ آئے گا تو میں تمہیں ایک نشان دکھاؤں گی جس کے ذریعے تم مجھے اور میرے ساتھ زام کو پہچان لو گے سنو میں اس طرح ہوؤں گی کہ اندھیرے میں روشنی بن کر آؤں حسین اور سفید دودھ جیسی ہو گی میری رنگت اور چاند جیسا ہو گا میرا حسن اور ایسی بن کر آؤں گی میں کہ مجھے دیکھنے والوں کی آنکھیں بند ہو جائیں گی لیکن میرا ساتھی یعنی زام اپنے گناہ کی وجہ سے اس بات کی طرح زمین پر اترے گا جو تمہارے مندر میں بیٹھا ہوا ہے اس کا رنگ کالا ہو گا اور صورت اس کی گھٹاؤنی ہو گی ہم تمہیں پکاریں گے اور تم ہمیں پہچان لو گے اور پھر ہم تمہیں اپنے وہ مقدس نام بتائیں گے جو اس وقت سے ہمارے واپس آنے تک نکلے سر اور اونچی آواز میں بولے جائیں گے اور ہو شیوا، جھوٹے دیوتا تمہارے درمیان نہ آئے پائیں اور ایسا نہ ہو کہ تم انہیں پوجنے لگ جاؤ اور اگر ایسا ہوا تو تم پر عذاب نازل ہو گا اور سورج اپنا منہ چھپا لے گا تو اندھیرے کے باسیو پوجو کہا تھا دیوی شیوالا نے اور جو

آواز سنائی دی جیسے کوئی بہت ہی خوفناک لمبے میں چیخ رہا ہو فوراً ہی ایک اور آواز ابھری۔
”خاموش رہو کتو خاموش رہو دیوی سے پہلے کسی کو بولنے کی اجازت نہیں ہے
خاموش رہو اگر موت کو اپنا نہیں چاہتے تو۔۔۔۔۔ آواز خاموش نہ ہوئی یوں لگ رہا تھا
جیسے کوئی ہچکیاں لے کر رو رہا ہو پھر ایک بھیاںک چیخ سنائی دی چیخ کی آواز کے ساتھ ایک
زور۔۔۔۔۔ کی آواز پھر کسی کے گرنے کا دھماکہ اور پھر کراہیں ایک بار پھر نظر نہ آنے والا
ہجوم بھنبھٹا اٹھا پھر ایک سرسراہٹ سی سنائی دی اور نادر کے کان کے قریب ہی مونگا کی آواز
ابھری۔۔۔۔۔

”یوں لگتا ہے جیسے کسی کو قتل کر دیا گیا ہو پتہ نہیں کون ہو گا بیچارہ۔۔۔۔۔ نادر کانپ
کر رہ گیا اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا شاید جواب دے بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ مونگا کی
آواز کے ساتھ ہی ایک کھردرا اور بڑا سا ہاتھ اس کے منہ پر آ پڑا تھا خیریت اسی میں تھی
کہ اس وقت خاموشی اختیار کی جائے نجانے یہ خاموشی کتنی دیر طاری رہی اور آخر کار یہ
پاگل کر دینے والی خاموشی ٹوٹی اور پھر ایک مدہم سے منمنائی ہوئی آواز ابھری یہ آواز بے
شک سمجھ میں آ رہی تھی اور اندازہ ہو رہا تھا کہ کس کی آواز ہے ہومان کے علاوہ کوئی نہیں
تھا خاموشی اتنی گہری تھی کہ مدہم آواز کے باوجود ہومان جو کچھ کہہ رہا تھا اس کا ایک ایک
لفظ صاف طور سے سمجھ میں آ رہا تھا حالانکہ یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کافی دور سے بول رہا
ہے یا پھر نجانے اس وقت ان کی یہ کیفیت تھی جو یہ ایسی بات محسوس کر رہے تھے نادر نے
اس آواز پر کان لگا دیئے تو اس کے کانوں میں یہ آواز ابھری۔۔۔۔۔

”مقدس شیوالا کے پیارے عظیم زام کے پیر و کارو سنو، اندھیرے شر کی آبادیوں میں
رہنے والو میری آواز سنو میں جو عظیم گمراہیوں والے کا مذہبی پیشوا ہوں اور میں جو تمہیں
تأخیات روشنی کے راستے دکھاتا رہا ہوں اور گمراہیوں والا تمہارے اوپر سایہ قلم رہے جو
کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ سنو اور اسے اپنے ذہن میں محفوظ کرو جیسا کہ اندھیرے والے
جانتے ہیں کہ ہزاروں سال پہلے دیوی شیوالا جسے ہماری قوم ہمیشہ سے پوجتی چلی آئی
ہے آسمانوں میں سے اتر کر ہماری قوم میں آئی اور اس کے ساتھ ہی دیوتا جو اس کا منظور
نظر تھا یعنی زام اور جب وہ اس دنیا میں رہتی تھی تو ایک ایسا گناہ کیا گیا جو گناہوں کا باپ
ہے۔ ہوا یوں کہ اندھیرے نے اجالے کو قتل کر دیا اور دیوی ہم سے روٹھ گئی وہ ہماری سر
زمین سے چلی گئی اور ہم نہیں جانتے اور نہ کبھی جان سکیں گے کہ وہ کہاں گئی لیکن میں
جانتا ہوں اور وقت جانتا ہے یا گذری ہوئی صدیاں کہ اس کے بعد ہم اندھیرے میں رہے

نہی اور پھر وہ اتنی تیز ہو گئی کہ اس میں بخوبی دیکھا جائے اور نادر نے دیکھا کہ بائیں طرف ایک سیاہ مینار سا بلند ہو رہا ہے اور نیچے کوئی چیز چمک رہی ہے جس سے ہلکی ہلکی آوازیں ابھر رہی ہیں بالکل ایسے جیسے چٹانوں سے ٹکراتی ہوئی موجیں، حیرت انگیز منظر روشن ہوا تھا وہ عجیب و غریب تھا نادر کے عین سامنے نشیب میں چھت کے بغیر ایک وسیع و عریض عمارت تھی جو انتہائی طویل رقبے میں تھی یہ عمارت ایک سمت سے کھلی ہوئی تھی اور اس کے تین طرف پتھر کی دیواریں کوئی پچاس فٹ تک بلند ہوتی چلی گئی تھیں ایک عجیب سی جگہ تھی جیسے 'زمانہ قدیم میں وہ کھیل کے میدان بنائے جاتے ہوں جہاں انسانی زندگی کے کھیل کھیلے جاتے ہوں ادھر فلوں میں اکثر ایسے مناظر نظر آ جایا کرتے تھے اور پتھر کی نشیں قطار کی شکل میں تھیں اور ان نشیوں پر لاتعداد انسان بیٹھے ہوئے تھے۔ عورتیں، مرد، بچے اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے سارا شہر اٹھ آیا ہو تمام نشیں بھری ہوئی تھیں سوائے آخری چند نشیوں کے مغربی سرے پر ایک عظیم الشان بت نصب تھا جو ستراسی فٹ تک فضا میں بلند ہوتا چلا گیا تھا اور معلوم ہوتا تھا جیسے صرف ایک کالی چٹان کو تراشا گیا ہو اس بت کے عقب میں اس سے تقریباً سو فٹ دور ایک پہاڑی چٹان تھی جو اس چوٹی تک پہنچ کر ختم ہو جاتی تھی جو برف پوش تھی اور جسے نادر اور اس کے ساتھیوں نے جب وہ اس شہر میں داخل ہوئے تھے تو بہت دور سے دیکھ لیا تھا۔

یہ بت بالکل فینٹ کی مانند تھا بھیا یک صورت کا مالک دونوں بازو جھکائے اور کنبیوں میں دونوں ہاتھ لمبے کئے بیٹھا تھا اس کی ہتھیلیاں اوپر کو تھیں جیسے وہ آسمان کو اپنی ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہو۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے پتھر کی وہ چوکی جس پر بت بیٹھا ہوا ہے ایک گرمی کھائی یا گہرا کنواں تھا اس کھائی کا طول و عرض اس سرے سے اس سرے تک تقریباً تیس گز ہو گا اور اسی کھائی میں پانی شور مچا رہا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے نیچے گندھک کے پہاڑ ہوں کیونکہ اس سے ہلکا ہلکا دھواں بھی نکل رہا تھا بت کے دونوں ہاتھ اس کھائی پر پھیلے ہوئے تھے اور وہ خود ذرا سا سر جھکائے جیسے کھائی میں جھانک رہا ہو نادر یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ پانی کہاں سے آ رہا ہے اور کہاں جا رہا ہے لیکن بہر حال ان لوگوں نے جو کچھ بھی دیکھا تھا وہ اتنا پر سرار تھا کہ دیکھنے سے ذل پر دہشت طاری ہوتی تھی چٹان کے تمام پہلوؤں اور بت کی ٹانگوں کے درمیان قربان گاہ تھی اور اس میں وہ پتھر نظر آ رہا تھا جس پر انسانوں کو ذبح کیا جاتا تھا وہ چٹان جو طول و عرض میں خاصی بڑی تھی اور جو سب سے اہم چیز اس وقت دیکھی گئی وہ قربانی کے پتھر کے عین سامنے ایک شخص تھا جسے رسیوں

مخض صدیوں پہلے منت تھا اس نے ہر بات لوہے کے ٹکڑے سے پتھر پر تحریر کر دی تھی اس پتھر پر جس پر میں اس وقت کھڑا ہوں لیکن کوئی اس تحریر کو نہیں پڑھ سکتا کیونکہ میں صدیوں سے اس نسل کا روحانی شیوا چلا آ رہا ہوں اور اب مجھے خوشی ہے کہ اس وقت میں موجود ہوں جب میری پیش گوئی یعنی میرے اجداد کی میری زندگی میں پوری ہو رہی ہے اور وقت آ گیا ہے، آج رات وہ پیش گوئی پوری ہو گی اندھیرے کے باشندو! وہ لافانی دیوتا جو اس سرزمین سے رخصت ہو گئے تھے واپس آ گئے ہیں اور ہم نے انہیں دیکھا اور ہمارے کانوں میں انہوں نے اپنے مقدس نام کے یعنی زام اور شیوالا حسین اور اور سفید خاتون اور بد صورت کالا دیو اور یہی دونوں وہ ہیں جو ہمارے درمیان آنے والے تھے۔

اس کی یہ طویل آواز تقریر ختم ہوئی اور اس طرح خاموشی طاری ہو گئی جیسے وہاں کوئی انسانی وجود نہ ہو اس خاموشی میں صرف بپتے پانی کی کچھ آواز تھی اور یہ آواز کہیں گہرائی سے آرہی تھی اور کہیں کہیں ہجوم کی جھنجھٹاہٹ البتہ سنائی دے جاتی تھی۔ نادر کی کپٹیاں چٹ رہی تھیں اور وہ ایک عجیب سی کیفیت کا شکار تھا جو مسلسل اس کا تعاقب کر رہی تھی کچھ دیر تو وہ اس خاموشی کے بعد بے حس و حرکت کھڑا رہا پھر آہستہ آہستہ کھٹکے لگا وہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ کس جگہ ہے اور اطراف میں کیا کچھ ہے لیکن یہ بھی تقدیر ہی تھی کہ عین وقت پر سنبھل گیا ورنہ اس شوق اور تجسس کا انجام برا ہوتا ابھی وہ چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ اس کا اگلا قدم خلا میں پڑا اور وہ ڈنگنا آگے کی طرف جھکا اور اگر بڑی کوشش سے اپنا توازن قائم کر کے سنبھل نہ جاتا تو گر پڑتا خدا جانے کہاں۔ وہ چیخے بٹا اور فوراً ہی مونٹا کی آواز سنائی دی۔

”عظیم آقا آگے نہ بڑھو میں یہ سب کچھ کر کے دیکھ چکا ہوں۔۔۔۔۔“

”کیسی جگہ ہے یہ۔۔۔۔۔“

”بلندی اور ہمارے اطراف کوئی دیوار نہیں ہے۔۔۔۔۔“

”اوہ۔۔۔۔۔ نادر کے منہ سے آہستہ سے نکلا پھر نجانے کیا ہوا کہ اس نے دیکھا کہ رات کا اندھیرا ہلکی ہلکی روشنی میں تبدیل ہونے لگا اور بلندیوں میں ایک بہت بڑا پتھر آہستہ آہستہ روشن ہو رہا تھا جیسے چھوٹے قد و قامت کا چاند۔ سب سے انوکھی اور تعجب خیز چیز اس زمین کی چھت ہی تھی یعنی زمین کے دوسرے طبق میں وہ جگہ جو اوپر سے نیچے کی سمت ہو گی یہ ایک انوکھے طلسم کا اظہار کرتی تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے شعاعوں نے آسمان کے نیچے ان پہاڑوں کو روشن کیا ہوا ہے۔ روشنی مدھم مدھم تھی لیکن پھیلتی جا رہی

”مجھے لگتا ہے عظیم آقا جیسے موت کا خونی کھیل شروع ہونے والا ہو وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے آہ وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔۔۔۔۔ مونثا کی آواز نادر کو ڈوبتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اور پھر مونثا نے گردن ڈال دی نادر گھبرا گیا تھا اس نے جھک کر مونثا کو دیکھا۔ لیکن یہ دیکھ کر اسے قدرے اطمینان ہوا کہ مونثا بیہوش ہو گیا ہے۔ لیکن خود نادر کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں تھی کیا ہونے والا ہے نجانے کیا ہونے والا ہے۔



اس نے دیکھا کہ کھولتے ہوئے پانی کے چشمے سے کوئی سو فٹ اوپر میشل ہاتھی دانت سے بنی ہوئی کرسی پر بیٹھی ہے اب اس کا سیاہ لبادہ اتار دیا گیا تھا اور وہ ایک سفید عباء میں ملبوس تھی۔ اس کی پتلی کمر کے گرد ایک پٹکا بندھا ہوا تھا جو اصل لباس کو اس کے بدن پر روکے ہوئے تھا اس کے کالے بال اس کے گورے گورے کندھوں پر نامتوں کی طرح لہرا رہے تھے اس کے ہاتھوں میں پھول تھے دائیں میں سفید اور بائیں میں سرخ اور اس کے ماتھے پر ایک عجیب و غریب چیز چمک رہی تھی جسے دیکھ کر نادر کی آنکھوں میں سرخ روشنی اتر آئی آہ! یہ ایک سرخ پتھر تھا ایک انتہائی گہرا سرخ پتھر جس سے روشنی اس طرح پھوٹ رہی تھی جیسے سرخ پھلجھریاں چل رہی ہوں یہ پتھر اس کے ماتھے پر چمک رہا تھا اور اسے ایک پٹی کے ذریعے اس کے چہرے پر باندھا گیا تھا وہ پتھرائی ہوئی بیٹھی ہوئی تھی اور روشنی کی کرنیں اس کے ماتھے پر بندھے ہوئے لعل پر منعکس ہو رہی تھیں اور اس کا چہرہ اس وقت ایسا عجیب لگ رہا تھا کہ دیکھنے والی آنکھ اگر اسے دیکھے تو اس کے بعد کچھ دیکھنے کی آرزو نہ کر سکے۔ اس کے حسن کے بارے میں صحیح الفاظ کی تلاش مشکل تھی اسے کہ جاف کی کوئی پری یا آسمانی روح بھی اتنی حسین نہیں رہی ہو گی جو وہ اس وقت نظر آ رہی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ اس بلندی پر اس چاندنی میں وہ ایک انسان سے زیادہ ایک روح ہی معلوم ہو رہی تھی جو حیات کی دیوی ہو اور تینتی طور پر وہی جو یہ لوگ سمجھ رہے تھے اور نادر محسوس کر رہا تھا کہ گہری گہری سانسیں فضا میں تیر رہی ہیں اور وہاں موجود لوگ

کھڑا ہوا ہے اس کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے اور وہ لوگوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔۔۔۔۔

”تو اندھیرے شہر میں بسنے والو، پانی کے دیوتا کے پجاریو، دیکھا تم نے درشن کر لے عظیم شیوالا، اور مقدس دیوتا زام کے، اور اب وہ ہمارے درمیان آگئے ہیں اور صدیوں پہلے کی پیش گوئی بالکل درست ہوئی تو تم انہیں خوش آمدید کہو اور اس کے بعد ایک زبردست شور برپا ہو گیا اور وہ سب اپنی اپنی آواز میں کچھ نہ کچھ کہنے لگے جس کا مفہوم تھا کہ مقدس دیوتا ہم پر برکتیں نازل کرو ہم تمہاری اطاعت کیلئے حاضر ہیں تو پھر ہومان نے کہا۔۔۔۔۔

”اور عظیم دیوتاؤ اپنے خادموں پر اپنے پجاریوں پر اپنی محبت قائم کرو اور اندھیرے شہر کی حکومت کو قبول کرو ہم پر حکمرانی کرو ہماری قربانیاں قبول کرو ہم اپنا تمام اختیار تمہیں دیتے ہیں ہمارے موٹی ہماری بھیڑیں تمہاری ہیں اور تمہاری خوشنودی حاصل کرنے کیلئے قربان گاہ کو سرخ کر دیں گے اور قربان ہونے والوں کی چیخیں تمہارے لئے حسین نغموں کی مانند ہوں گی۔ دیوتاؤ فتح ہو تمہاری، عظیم شیوالا، عظیم زام، فتح ہو تمہاری، چاروں طرف سے وہی آوازیں ابھرنے لگیں اور جب آوازوں کا شور دبا تو ہومان نے کہا۔۔۔۔۔

”لاؤ ان مقدس عورتوں کو جنہیں دیوتا کی آمد کی خوشی میں پہلی قربانی کیلئے منتخب کیا گیا ہے۔“ فوراً ہی کچھ پجاری دو عورتوں کو لے کر سامنے آگئے اور ایک خونی منظر کا آغاز ہو گیا عورتوں کو اس ہولناک مجسمے کی ٹانگوں کے پاس کھڑے کھڑا کر دیا گیا اور وہ دونوں خوبصورت عورتیں تھیں۔ اور انہیں خاص طور سے منتخب کیا گیا تھا ان کے بدن پر لباس بہت مختصر تھا اور سروں پر پھول سجے ہوئے تھے بہر حال انہوں نے انہیں دیکھا عورتوں کے چہرے خوف سے زرد پڑے ہوئے تھے اور وہ کانپ رہی تھیں اور ان کی حالت ناقابل بیان تھی مجھے میں خاموشی طاری ہو گئی اور بہت ہی عجیب سی کیفیت تھی ان عورتوں کی، پھر اسے ہجوم کی طرف رخ کر کے کھڑا کر دیا گیا اور ہجوم نے ایک بار ہاتھ اٹھا کر کہا۔۔۔۔۔

”قربان ہونے والی پہلی عورت کو قابل مبارکباد ہے پھر پیچھے کھڑے ہوئے پجاری آگے بڑھے انہوں نے ان میں سے ایک عورت کی ٹانگیں اور دوسرے نے اس کے ہاتھ پکڑے اور دوسرے لمحے اسے کھائی میں پھینک دیا۔ ایک فلک شکاف چخ کے ساتھ پانی میں چھپا سائی دیا اور نادر نے دیکھا کہ عورت سطح آب پر پڑی بچکولے کھا رہی تھی اور روشنی اس

جگہ کو منور کر رہی تھی اور لوگ جو آگے موجود تھے جھک جھک کر اسے دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے اور تجسس سے مجبور ہو کر نادر نے بھی اپنے آپ کو بت کی ہتھیلی پر اوندھے منہ لٹا دیا، وہ بھی نیچے جھانک رہا تھا دیکھتے ہی دیکھتے بت کے عین قدموں تلے پانی میں ایک بالکل سی جچی اور پھر ایک انتہائی زبردست اور گھناؤنی شکل کا مگرچھ تھوٹنی کھول کر آگے بڑھا۔ اور نادر کا دل اچھل کر اس کے حلق میں آگیا مگرچھ کا سر اتنا بڑا تھا کہ کبھی تصور میں بھی نہ آسکے اس کے دانت لمبے لمبے اور تقریباً ”آدھے ہاتھ کے برابر تھے گلے کا گوشت تھیلے کی طرح لٹک رہا تھا اور اس کی لمبائی کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا تھا دیکھتے ہی دیکھتے وہ اوپر ابھرا اور اپنے شکار کی طرف لپکا، پھر عورت سالم اس کے منہ میں چلی گئی تھی اور نادر پتے کی طرح تھر تھر کانپنے لگا تھا اس نے خوفزدہ نگاہوں سے میشل کی طرف دیکھا اسے خطرہ ہوا کہ میشل کہیں اس خوفناک منظر سے متاثر ہو کر زندگی ہی نہ کھو بیٹھے۔ فینٹ اور سب اس طرح بے حس و حرکت تھے کہ بس یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان کی روح بدن سے نکل گئی ہو پھر اس بد بخت ہومان نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

”مبارک ہو مبارک ہو سب کو“ اور آج کی رات قربانی کی رات میں بدل دو اور اب اس کے بعد دوسری لڑکی کو قربان کرو پھر الایا کو کہ جب بادشاہ آجاتا ہے تو دوسرے بادشاہ کی زندگی ایک نحوست ہوتی ہے اور اسے کسی بھی طرح زندہ نہیں رکھا جاسکتا پھر اس کے بعد ان غلاموں کو لاؤ جو آج تک دیوی شیوالا کے قدموں میں رہے ہیں اور انہیں بھی عزت بخشو، قربانیاں پوری کرو ہر ایک کو قربان کر دو۔ صرف دیوی شیوالا کو اور زام کو ہم لوگوں پر بادشاہت کیلئے قائم رہنے دو اور یہ الفاظ ایسے تھے کہ اگر دلوں میں دھڑکن باقی رہ بھی گئی ہو تو جلد از جلد اس کا خاتمہ ہو جائے لیکن حیرانی کی بات یہ تھی کہ ان سب کو جنہیں آہستہ آہستہ قربان گاہ کے قریب لے آیا گیا تھا یعنی انہیں جو کالے غلام تھے اور ان لوگوں کے ساتھ آئے تھے اور موٹا کو بھی اور الایا کو بھی، جو یہاں کا سردار تھا تو حیرانی کی بات یہ تھی کہ ایسے موقع پر نجانے قدرت نے میشل کو کہاں سے بولنے کی قوت دے دی جبکہ خود اس وقت نادر بھی اپنے آپ کو اس قابل نہیں پا رہا تھا کہ اپنے حلق سے احتجاج کی آواز بھی نکال سکے لیکن میشل کی مترنم اور خوبصورت آواز ابھری۔۔۔۔۔

”اندھیرے کے شہر کے باشندو! سنو جو کچھ میں کہہ رہی ہوں سنو میں تمہارے درمیان واپس آگئی ہوں اور اندھیرے کی اجارہ داری ختم ہو گئی ہے اب اس شہر میں روشنی چمکے گی کیونکہ میں جس شکل میں تمہارے درمیان آئی ہوں وہ روشنی کی شکل ہے

اور سے ہو گی اس کا انہیں اندازہ تھا اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔۔۔۔۔
 ”دیر نہ کرو قربان کرو انہیں کہ پانی میں رہنے والا ہمارا دیوتا ان کا مختصر ہے تو کالے
 لباس میں ملبوس پجاریوں نے اپنے خنجر اٹھائے اور ان میں سے ایک نے اس دوسری عورت
 اور دوسرے سروار الایا کو قتل کرنے کیلئے ہاتھ جھکائے۔

”اور نادر کی پستول سے دو شعلے نکلے اور پجاریوں کے سینوں میں سوراخ ہو گئے اور
 ان سے ایلنے والا خون نیچے گرنے لگا تو وہ اپنی جگہ سے ہٹے اور کھائی میں آگرے اور
 بد صورت مگر مجھ نے انہیں بھی لپک لیا اور نیچے میں ایک کھرام بچ گیا، تو انتہائی خوفزدہ انداز
 میں ہومان نے دیکھا اور اسی وقت میشل کی آواز پھر ابھری۔۔۔۔۔

”نافرمانی کرنے والو! تم نے دیکھا نافرمانوں کو اور اگر ہماری نافرمانی کی گئی تو اس کے
 بد آسمانوں سے شعلے برسیں گے اور ایسی ہی آوازیں ابھریں گی اور بہت سے لوگ خون
 میں نہا جائیں گے کہ ہم امن کا پیغام لائے ہیں اور تم یہ سب کچھ کر رہے ہو اور اے
 نص تو اب اس قابل نہیں رہا کہ ہماری پیروی کرے اور ہمارے احکامات دوسروں تک
 پہنچائے لیکن اب بھی وقت ہے جا اپنی اصلاح کر۔۔۔۔۔“

اس کے بعد ایک شور برپا ہو گیا اور یہ رسم فوری طور پر منسوخ کر دی گئی میں
 دُورہ تھا اور خوشی کے نعرے لگا رہا تھا اور ہومان ایک طرف چل پڑا تھا۔ اس کے بعد وہ
 باری جو کال کی سربراہی میں یہاں تک آئے تھے واپس پلٹے اور انہوں نے دیوی شیوالا
 پر دیوتا زام، کو واپس چلنے کیلئے کہا تب یہ سب اسی محل میں یکجا ہو گئے جہاں سے گذر کر
 مال تک پہنچے تھے اور اس وقت میشل نے وہ کارنامہ دکھایا تھا جسے زندگی کے آخری سانس
 تک فراموش نہیں کیا جاسکتا تھا اور سب اس بات کے معترف تھے کہ میشل ایسا جرات
 مندانہ اقدام نہ کرتی تو یہ سارے کے سارے مارے جاتے اب سب ہی اپنی جگہ جمع ہو
 ئے تھے اور اس بات پر ایک دوسرے سے اظہار خیال کر رہے تھے نادر نے کہا۔۔۔۔۔

”یہ سب کچھ تو ہو چکا ہے لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم نے ایک دشمن تعمیر
 رلیا ہے اور وہ یقینی طور پر ہماری گھات میں لگ جائے گا۔۔۔۔۔

”تمہاری آواز پر میں اپنی آواز بلند نہیں کر سکتا تھا عظیم آقا، میری تو دلی آرزو یہ تھی
 اسی طرح اسے ایک نافرمان کی حیثیت سے قتل کر دیا جاتا اور یہ زیادہ بہتر ہوتا۔۔۔۔۔

”ہاں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔۔۔۔۔

”فی الحال تو وقت کا انتظار اور اس کے بعد دیکھنا ہو گا کہ آگے کیا کیا جائے۔

اور میں نے ایک پر نور دل دیا تمہارے مقدس دیوتا زام کو، اور سنو برائیوں کا خاتمہ ہوئے
 والا ہے اور وہ جو قربانیاں قبول کرتا ہے اب اپنی فطرت بدل دے گا لیکن سنو کہ تم اس سر
 زمین پر موت کی آغوش میں جانے کیلئے نہیں ہو، میں پرانی رسم منسوخ کرتی ہوں اور
 تمہیں نیا قانون دیتی ہوں اس قانون میں خون بہانے کا دور ختم ہوتا ہے محبت اور پیار کے
 پھول ہر طرف کھلائے جائیں گے مجھے اب گوشت اور خون کی ضرورت نہیں ہے ہم حسین
 پھول اور تازہ پھل قبول کریں گے۔ دیکھو میں خون اور قربانی کی علامت کو اس پانی میں
 پھینک رہی ہوں اور اب اندھیرے کے شر کے باشندو! جو میں کہوں وہ ہو گا چونکہ میری
 آمد کو قبول کر لیا گیا ہے۔۔۔۔۔“ نادر نے حیرانی سے میشل کو دیکھا اور میشل نے سرخ
 پھول کھائی میں پھینک دیا اور پھر سفید پھول اپنے ہاتھ میں اٹھا کر کہا۔۔۔۔۔

”سفیدی محبت کی علامت ہوتی ہے لوگ ایک بار پھر شور مچانے لگے دیوی کے الفاظ
 ان کے لئے بڑی حیرت کا باعث تھے قربانی کی رسم ختم کر دی گئی تھی اور یہ بہتر تو نہیں تھا
 لیکن جو ہوتا تھا ہومان کے حکم سے ہوتا تھا اور ہومان نے خود اپنی زبان سے دیوی اور دیوتا
 کو تسلیم کیا تھا اور کرایا تھا۔ لیکن ہومان بھی چالاک تھا اس نے جو پیشکش کی تھی اس کا
 مطلب کچھ اور تھا۔ چنانچہ وہ سرو لہجے میں بولا۔۔۔۔۔

”نہیں اندھیرے کے رہنے والو ایسا تو کبھی نہیں ہو سکتا تم جانتے ہو کہ دیوتا بھی ان
 رسومات کو جو صدیوں سے چلی آ رہی ہیں منسوخ نہیں کر سکتے انہیں اس کا اختیار نہیں
 ہوتا یہ میں تم سے کہہ رہا ہوں چلو پجاریو! جن کی قربانی مخصوص کی گئی انہیں قربان گاہ پر
 لاؤ۔۔۔۔۔ اور وہ لوگ متحرک ہو گئے اور انہوں نے اس عورت کو اور اس کے بعد الایا
 کو، جو یہاں کا سروار تھا پتھر پر جھکا دیا تو اس وقت میشل نے چیخ کر انگریزی زبان میں نادر کو
 مخاطب کیا اور کہا۔۔۔۔۔

”نادر تمہیں اندازہ ہے کہ یہ لوگ ہم دونوں کے علاوہ سب کو قتل کر دینا چاہتے ہیں
 اب اس وقت تمہاری ہمت کی ضرورت ہے جب میں اشارہ کروں تو تم ان پجاریوں کو گولی
 مار دینا جو الایا اور اس عورت کو قتل کرنے والے ہیں اور اس وقت تمہاری ہمت کی
 ضرورت ہے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔۔۔۔۔ نادر یک دم سنبھل گیا اسے شرم
 آگئی تھی کہ میشل جیسی نرم و نازک لڑکی اس وقت جب ان حالات کا اس طرح مقابلہ کر
 سکتی ہے تو اسے بزدلی نہیں دکھانا چاہئے اور یہ ایک رسک تھا جو لینا تھا یعنی اس بات سے
 فائدہ اٹھانا تھا کہ یہ لوگ بارود کے جادو سے ناواقف تھے اور اس وقت جو کیفیت ہومان کی



”مشرانہ حالات واقعی سنگین نوعیت اختیار کر چکے ہیں اور ہم اس مسئلے میں خاصے پریشان ہیں اب تک جو کچھ ہوا ہے وہ تو خیر ہر حال میں ایک مناسب قدم تھا اور کچھ نہیں ہم ان چند لوگوں کی زندگی بچانے میں تو کامیاب ہو گئے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کیا جائے۔۔۔۔۔“

”میں خود پریشان ہوں ہر حال میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ جگہ ہمارے لئے سب سے زیادہ ہندوش ہے کیونکہ یہاں ان پجاریوں کی اجارہ داری ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان سرگوں میں کون کہاں سے کہاں تک آ جا سکتا ہے جس کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں علم۔۔۔۔۔“

”میں اس سے اتفاق کرتی ہوں۔۔۔۔۔“

”کوئی ایسی تدبیر کوئی ایسی ترکیب ہو جس سے ہم سب سے پہلے یہاں اپنا اور اپنے راقیوں کا تحفظ کر سکیں۔۔۔۔۔“

”یہ تو بے حد ضرور ہے۔۔۔۔۔“

”کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس جگہ کی بجائے ہم کہیں اور قیام کرنے کے بارے میں ہیں۔۔۔۔۔“

”کیا یہ مشکل نہیں ہو گا۔۔۔۔۔“

”دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہومان اب ہمارے خلاف کیا طریقہ کار اختیار کرے۔۔۔۔۔“

”یہ سب سوچنا ہو گا۔۔۔۔۔“

”میں صرف ایک تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں عظیم آقا۔۔۔۔۔“

”بولو کیا۔۔۔۔۔“

”عظیم آقا یہ تو تم نے دیکھا کہ تمہارے پستول سے نکلی ہوئی دو گولیوں نے حالات کا شہ بدل دیا اور یہ بات خوشی کی ہے جیسا کہ ’بوڑھی عورت نے کہا کہ یہاں کے لوگ‘ سے واقف نہیں ہیں ہمارے ساتھ جو بارود یہاں تک پہنچا ہے یوں سمجھ لو کہ اس ن ہماری زندگی کا ضامن ہے۔۔۔۔۔“

”بے شک ایسا ہے۔۔۔۔۔“

”تو پھر عظیم آقا سب سے پہلے اس کے تحفظ کا بندوبست کیا جائے۔۔۔۔۔“

صورت حال واقعی بے حد خوفناک تھی تنہائی میں نادر اپنے آپ کو برا بھلا کہنے لگا۔ موقع تو نہایت ہی مناسب تھا جب نافرمانی کے جرم میں ہومان کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ ہومان کی شکل میں ایک شیطان تھا جو ان لوگوں کی نگاہوں کے سامنے تھا وہ جانتے تھے کہ شیطان صفت کاہن نے ان کی حقیقت جان لی ہے اور وہ ضرورت سے زیادہ چالاک ہے جبکہ اس کی نسبت سردار الایا ایک معصوم صفت آدمی تھا۔ اور اس سے انہیں کوئی خطرہ نہیں تھا چنانچہ اس وقت جو کچھ کرنا تھا بہت سوچ سمجھ کر کرنا تھا ظاہر ہے ہومان اپنا اقتدار ختم ہوتے دیکھنا پسند نہیں کرے گا تو اس وقت نادر نے تنہائی میں جو کچھ سوچا وہ بڑے کام کی باتیں تھیں۔ مونا اس کے پاس موجود تھا اور کوہالہ بھی اور ساری صورت حال مونا اور کوہالہ کے علم میں آ چکی تھی کوہالہ نے آہستہ سے کہا۔۔۔۔۔

”اور تم لوگ نہیں جانتے یہ بوڑھا پجاری کس قدر خوفناک شخصیت کا مالک ہے یہ اس وقت بے شک بچی تھی لیکن یہ یہاں جو کچھ کرتا تھا اس کا تھوڑا بہت علم مجھے بھی۔ اور میں تم لوگوں کو ہوشیار کر رہی ہوں کہ اس کینہ پرور شخص سے بچنے کی کوشش کرنا۔۔۔۔۔“

”مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کیا کریں وہ پجاری کالے غلام تو ایک طرح۔۔۔۔۔ سمجھو کہ اپنی زندگی کے بہت بڑے عذاب میں گرفتار ہیں۔۔۔۔۔“

”بہت سی باتیں سوچنے کیلئے ہیں“ مثلاً ”یہ کہ ان پہاڑوں میں سرگوں کے جال ہوئے ہیں اور سرگوں کے اس جال سے صرف ہومان ہی واقف ہے جس طرح وہ بڑے کے کمرے میں کھس آیا۔۔۔۔۔“ ”ہاں واقعی ہمیں بہت غور و خوض کر کے سارے کرنے ہیں تو پھر بہت مشوروں کیلئے سوچا گیا اور فینٹ اور میشل کو بھی اس میں شامل ضروری تھا لیکن ہر حال یہاں کے رسم و رواج کا خیال بھی رکھنا ضروری تھا کیونکہ ان لوگوں کا طریقہ زندگی تھا پھر دوسرے دن سب ایک ہو گئے۔ پجاری وہاں موجود تھے انہیں ہر طرح کی سہولتیں فراہم کر رہے تھے اب کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہاں کیا ہو ہے یا کیا ہونا چاہئے جب سب ایک جگہ جمع ہو گئے تو یہ طے کیا گیا کہ مصنفہ انگریزی میں کی جائے مونا اور کوہالہ مکمل طور سے اس زبان سے واقف نہیں تھے لیکن میشل باپ ڈاکٹر۔۔۔۔۔ آرتھر کے ساتھ رہ کر انہوں نے ہر حال اتنی انگریزی ضرور سیکھ لی کہ سمجھ سکیں اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بول سکیں وہ سب کیجا ہو گئے تو میشل

”مگر یہاں پجاریوں کی جو اجارہ داری ہے کیا وہ ہمیں ایسا کرنے کا موقع دیں گے اور ہم تو یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس وقت ہمارے خلاف کیا سازش ہو رہی ہوگی۔“

”پھر بھی عظیم آقا بارود کا ذخیرہ ابھی ہماری تحویل میں ہے اور یہ تمام ہتھیار جو اپنی اہمیت کے حامل ہیں میں تو یہ سمجھتا ہوں عظیم آقا کہ ان کا تحفظ سب سے پہلے کر لیا جائے۔“ لیکن پھر کوئی فیصلہ بھی نہیں کر پائے تھے کہ ایک پجاری نے آکر اطلاع دی۔۔۔۔۔

”سردار الایا باریابی کی اجازت چاہتا ہے“ اور یہ سب چونک پڑے۔۔۔۔۔ نادر نے فوراً کہا۔

”اے ہمارے پاس لایا جائے۔۔۔۔۔“ پھر پجاری جب باہر نکل گیا نادر نے کہا۔۔۔۔۔

”یہ ایک نام تو ہمارے ذہن سے نکل ہی گیا تھا اگر ہم اسے قبضے میں کر لیں تو کم از کم عارضی طور پر ہمیں سولتیں حاصل ہو سکیں گی۔“

”ٹھیک ہے ایسا کر لیا جائے۔۔۔۔۔“ اور پھر زیادہ گفتگو نہیں ہو سکی چونکہ سردار الایا اندر داخل ہوا تھا اس کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت تھی اندر داخل ہونے کے بعد وہ ان کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا اور دیر تک سجدے میں پڑا رہا تو میش نے کہا۔۔۔۔۔

”اٹھو الایا، تم ہمارے لئے باعث پسندیدگی ہو اور بہت مناسب وقت میں تم نے یہاں آنے کا فیصلہ کیا۔۔۔۔۔“ الایا اٹھ کر بیٹھ گیا اس کی آنکھوں میں عقیدت نظر آ رہی تھی تب اس نے کہا۔۔۔۔۔

”مقدس دیوی کون کتا ہے کہ تیری آمد باعث برکت نہیں نہیں تو ان لوگوں کی زندگی بچ جانے پر ہی اس بات کا قائل ہو گیا کہ اندھیرے کے شہر سے اندھیرا دور ہو جائے گا۔۔۔۔۔

”الایا تیری زندگی بھی بچ گئی مگر تو اگر مناسب سمجھے تو مجھے کچھ سوالات کے جواب دے۔۔۔۔۔“ میش نے کہا۔۔۔۔۔

”دیوی اپنی زبان سے کچھ کہے تو الایا کی مجال کہ وہ اس سے منحرف ہو جائے۔“

”پہلے یہ بتا الایا کہ یہاں اس کمرے میں کتنے ایسے دروازے ہیں جہاں سے پجاری اندر داخل ہو سکتے ہیں۔“

”صرف یہ۔۔۔۔۔“ الایا نے جواب دیا۔

”کہاں ہے وہ۔۔۔۔۔“

”اس طرف۔۔۔۔۔“ الایا نے اسی طرف اشارہ کیا جدھر وہ پتھر کی گول چٹان دروازے کی مانند کھل جاتی تھی۔۔۔۔۔

”کوئی ایسا عمل ہے جس کے ذریعے دروازہ نہ کھلے۔“

”ہاں ہے۔۔۔۔۔“ الایا نے کہا اور اس کے بعد چٹان کے قریب پہنچ گیا پھر اس نے ایک ایسی جگہ ہاتھ رکھ کر دبایا جو ان کے علم میں پہلے نہیں تھی اور اس کے بعد وہ واپس آ گیا۔

”اب یہ جگہ اندر سے کھولنے کی کوشش کی جائے گی تب بھی نہیں کھلے گی۔“

”اس کمرے میں اور کوئی ایسی جگہ۔“

”نہیں جہاں تک میرے علم میں ہے۔“

”تو پھر الایا ہم تجھ سے بہت سے سوالات کرنا چاہتے ہیں اصل میں قربانی کی جو رسم منسوخ ہوئی ہے اس کے بارے میں یہ سوچا اور دیکھا گیا کہ ہومان نے اسے پسند نہیں کیا ہانچ ہو سکتا ہے کہ ہومان کوئی غلط عمل کرنے کی کوشش کرے“ الایا نے گردن خم کر لی در آہستہ سے بولا۔

”دیوی سے بہتر کون جان سکتا ہے کہ ہومان کیا ہے۔“

”لیکن ہم صدیوں سے یہاں دور ہیں اور اب جب ہم واپس آئے ہیں تو ہومان ہماری آواز پر اپنی آواز بلند کرنا چاہتا ہے۔“

”دیوی آپ کو بہت سی باتوں کا علم نہیں ہو گا لیکن آپکا یہ غلام حاضر ہے اور سب سے پہلے میں شکر یہ ادا کرنا چاہتا ہوں اپنی جان کے بچ جانے کا۔ اور یہ حیرت انگیز اتفاق ہے کہ اس سے پہلے ہومان میرے قتل میں کامیاب نہیں ہو سکا لیکن یہ ایک ایسا موقع تھا کہ اس نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ یہ کہہ کر کہ جب دیوی اور دیوتا خود اندھیرے کے شہر پر حکمرانی کرنے آ گئے ہیں تو پھر کسی سردار کی ضرورت نہیں اور سردار کو بان کر دیا جائے۔ وہ اپنی کوشش میں یقینی طور پر کامیاب ہو جاتا اگر دیوی میری جان بخشی کرتی اور اس کے ساتھ ہی ان تمام افراد کی جو کچھ وقت کے بعد زندگی سے محروم ہونے لگے تھے۔“

”سن الایا کیا پانی میں رہنے والے کیلئے قربانیاں ضروری ہوتی ہیں۔“

”ہاں مقدس دیوتا ہزاروں سال سے اس پانی کا کلیس ہے اور یہ روایت پجاریوں ہی

آہار پھیل گئے اس نے کہا۔

”شکل ہے مقدس آقا، وہ لوگ پیدا ہونے کے بعد سے آج تک اس ظالمانہ رسم کے عادی ہیں اور انہیں یہ منظر پسند ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ کب اور کس کو دیوتاؤں کے سامنے قربانی کے لئے پیش کر دیا جائے۔“

”اور پانی کا دیوتا کیا صرف انسانی خون کی بھینٹ پسند کرتا ہے یا کچھ اور بھی۔۔۔۔۔“

نادر نے بڑی ہوشیاری سے سوال کیا؟ ”الایا نے کہا۔

”ہاں انسان جسم خون اور گوشت اور اس کے علاوہ وہ روشنی والے پتھر جو زمین پر بھی ہیں بلندیوں پر بھی۔“

”یہ روشنی والے پتھر کیا ہوتے ہیں؟“

”وہ جو روشنی دیتے ہیں، وہ سارے کے سارے اس پانی کی کھائی میں پھینک دیئے جاتے ہیں اور ہمیشہ سے یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے اور اگر کوئی اس کھائی میں اتر کر دیکھے تو اس کی تہ روشن ہوتی ہے کہ وہ پتھر بے شمار ہیں جو اس میں بھر دیئے گئے ہیں۔“

”تو یہ پتھر وہاں کس کام میں آتے ہیں؟“

”کچھ نہیں۔۔۔۔۔ وہ دیوتاؤں کی بھینٹ ہے اور دیوتاؤں کو یہ بھینٹ دے کر ہم سب خوشی محسوس کرتے ہیں۔“

”اور یہ پتھر کیسے ہوتے ہیں؟“

”ان کے رنگ سرخ بھی ہوتے ہیں اور نیلے بھی اس کے علاوہ ایسے پتھر بھی جو انسان کے دل کی شکل کے ہیں اور ایسے ہی پتھر دیوتا کی آنکھوں میں جڑے ہوتے ہیں وہ جو گمراہیوں میں رہتا ہے۔۔۔۔۔ اور بہت سے دوسرے خوب صورت پتھر، یہ پتھر ہزاروں سال سے ہمارے پاس چلے آ رہے ہیں اور یہ پتھر اس جگہ سے جہاں صرف پجاری ہی لے سکتے ہیں جو کافی کھدائی کے بعد نکلتے ہیں۔ پھر انہیں مختلف شکلوں میں تراشا جاتا ہے ان کے چھوٹے چھوٹے مجسمے بنائے جاتے ہیں لیکن اب نہیں۔“

”تو یہ پتھر اس گمراہی میں ہیں؟“

”ہاں۔۔۔۔۔ یا پھر پجاریوں کی تحویل میں جو ان کی تراش خراش کرتے ہیں اور ان کی قربانی کے لئے پیش کرتے ہیں۔“

”اور اگر کال یہ چاہے کہ آنے والے وقت میں اسے بڑے پجاری کا درجہ دیا جائے تو ایسا ہو سکتا ہے؟“

کیا؟

”پانی میں رہنے والے کی کیا کمائی ہے اور پتھر کا وہ بت کس نے تراشا ہے جس کا گذشتہ رات ہمیں بیٹھایا گیا تھا اور وہ وحشی درندہ کیا ہے جس کا سر بہت بڑا ہے اور وہ انسانوں کو ہڑپ کر لیتا ہے۔“

”مقدس آقا پانی میں رہنے والے کے بارے میں تو پانی والا ہی بتا سکتا ہے اور یا پھر دیوی اور دیوتا، وہ جن کا عکس ہے اور یہ بہت عجیب بات ہوگی، تا صرف میرے لئے بلکہ اندھیرے والوں کے لئے کہ دیوی شیوالا اور وہ دیوتا جو پانی والے کا عکس ہے اور اس کا ایک عکس تو یہ کہ قربانیاں قبول نہ کریں جبکہ پانی میں رہنے والا ان قربانیوں کے لئے بے قرار ہو اور ہم نا جاننے والے زیادہ سے زیادہ کیا جان سکتے ہیں یعنی ہماری تو سلیس گزر گئیں اور زمانہ قدیم میں ہمارا یہ دیوتا ہم پر نازل ہوا جو اب بھی اس بلند جگہ موجود ہے جس کے نیچے پانی والا رہتا ہے اور ہم تو بھلا تھوڑی سی عمر رکھتے ہیں۔ ہمیں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو تو ہمیشہ۔۔۔۔۔ ہمیشہ سے یہاں ہے اور اسی طرح قربانیاں قبول کرتا چلا آیا ہے۔“

”ہوں تو یہ بتا کہ یہ سب کچھ تو ہے لیکن دوسرے پجاریوں کے بارے میں تیری کیا رائے ہے۔۔۔۔۔“

”دوسرے پجاری؟“

”ہاں۔“

”وہ سب اسی طریقہ کار کے تحت کام کرتے ہیں۔“

”اور کال، نادر نے ایک اہم سوال کیا؟“

”کال ان میں سے نہیں ہے وہ ایک الگ خاندان رکھتا ہے۔ اور کچھ لوگوں کو عظیم ہومان ہی منتخب کرتا ہے کہ وہ چھوٹی کاروائیاں کرے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کال ان سے زیادہ بہتر انسان ہے اور اس قدر سنگدل نہیں۔“

”ہومان کو دیوی نے قربانی کی رسم کرنے سے منع کیا اس کے نتیجے میں اس کی کیفیت ہوگی؟“

”آہ ہومان نے اپنے ماتحت پجاریوں کو طلب کیا ہے اور کسی خفیہ جگہ انکی مجلس رہی ہے اور وہ سب بے چین نظر آتے ہیں اور طرح طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔“

”تو تیرا کیا خیال ہے الایا، کیا اندھیرے والے اس سلسلے میں خوشیاں منائیں گے کہ قربانی کی یہ ظالمانہ رسم ختم کر دی گئے۔۔۔۔۔“ جواب میں الایا کے چہرے پر عجب سے

”میں جانتا ہوں۔۔۔۔۔“ نادر نے کہا اور اس کے ہونٹوں پر مدہم سی مسکراہٹ پھیل

گئی۔

○

”وہ اگر چاہے بھی تو کچھ نہیں ہو سکتا۔“

”کیوں۔۔۔۔۔ اس کی کوئی خاص وجہ ہے۔۔۔۔۔؟“

”ہاں۔“

”کیا بتانا پسند کرو گے مقدس الایا؟“

”ہاں کیوں نہیں۔۔۔۔۔ دراصل یہاں زیادہ تر بچاری ہومان کے ماننے والے ہیں اور

اس کی کسی ہوئی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور وہ بہت ہی عجیب ہے کہ اس کے لئے کوئی کام مشکل نہیں ہوتا۔“

”تو پھر اب تیری کیا حیثیت رہے گی؟“

”میں نہیں جانتا عظیم آقا اور جو مجلس مشاورت بیٹھی تھی اس نے کیا فیصلے کئے یہ

معلوم نہیں۔“

”لیکن تو ایمان رکھ بالاخر کوئی نہ کوئی مناسب فیصلہ ہو گا کیونکہ ہومان نے ایک جرم

کیا ہے اور دیوتاؤں کی آمد سے اپنی آمد بلند کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ جو کچھ کرے

اگر تیرے علم میں آئے تو ہمیں بتا اور اپنے تحفظ کے لئے مناسب بندوبست کر۔۔۔۔۔ اور

کیا یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسی جگہ منتخب کر لی جائے جہاں ہم لوگ رہنا چاہیں اور ان

سرنگوں کے جال سے محفوظ رہیں جو بکھری ہوئی ہیں اور ایسا ہو کہ بچاری خفیہ طور پر ہم

تک نہ پہنچ سکیں۔“

”عظیم آقا یہ بڑا مشکل کام ہے لیکن عقبی پہاڑوں میں ایک اتنا بڑا غار ہے جس کی

دستیں لامحدود اور وہاں یہ سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن اگر دیوی شیوالا حکم دے۔“

”ٹھیک ہے تو پھر منتظر رہ‘ اور انتظار کر کہ ہم کسی مناسب وقت پر یہ حکم دیں۔“

اور پھر الایا وہاں سے رخصت ہو گیا اور ان لوگوں کے لئے مزید کچھ سوچنے کو بہت

کچھ چھوڑ گیا۔

پھر جب وہ چلا گیا تو نادر نے کہا۔۔۔۔۔ ”اور اب ہمارے سامنے ایک بہت بہتر نام

ہے یعنی کال۔۔۔۔۔ فینٹ‘ مونٹا‘ کوالہ اور میشل گہری نگاہوں سے نادر کا جائزہ لینے لگے

تھے۔ فینٹ نے کہا۔

”عظیم آقا میں تو تیرا غلام ہوں یعنی بھلا میری چھوٹی سی عقل اور کہاں تو۔۔۔۔۔

لیکن جو کچھ تو سوچ رہا ہے وہ ہے قابل غور۔۔۔۔۔ اور میں تیری سوچ کا احترام کرتا

ہوں۔“

نرب کاری تھی اور اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کس طرح ان لوگوں کی ہر حرکت کی زانی کر رہا ہے۔

تو ہومان اسی روز وہاں پہنچ گیا اور اس نے بری عاجزی کے ساتھ فینٹ سے گفتگو کی۔
 ”مقدس دیوتا۔۔۔۔۔ عظیم پانی والے، اس میں کوئی شک نہیں کہ تیرا ہر حکم اور تیرا عمل ہمارے لئے میش راہ ہے اور ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ تو ہمارے لئے برکتیں لے کر آیا ہے اور مقدس دیوی کی آمد ہمارے اس شہر کو روشن کر دے گی لیکن روشنی کے اس کا ابھی آغاز نہیں ہوا۔۔۔۔۔ اور ہم بدستور تاریکی والے ہیں۔۔۔۔۔ اور اسکے بعد بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ جگہ جہاں صدیوں سے تیرا بسیرا تھا، تو نے کیوں چھوڑ دیا۔۔۔۔۔“ اور اس کا جواب میش نے دیا۔ اس نے کہا۔

”مقدس پجاری تیرا احترام سر آنکھوں پر لیکن تو جانتا ہے کہ یہ رسم منسوخ کرنے کے بعد وہ جگہ ہمارے لئے ناپسندیدہ ہو گئی ہے۔۔۔۔۔ اور ہم یہاں خود کو بہتر سمجھتے ہیں۔“
 ”روایتوں میں اتنی بڑی تبدیلی شاید اندھیرے والے قبول نہیں کر سکیں گے دیوی دیوالا۔۔۔۔۔ بہتر تھا کہ یہ سب کچھ آہستہ آہستہ ہوتا۔۔۔۔۔“ اس کی آنکھوں میں جو کاری جھانک رہی تھی اسے صاف محسوس کیا جا رہا تھا۔۔۔۔۔ تو میش نے کہا۔
 ”اور یہ غور کر لیا گیا ہے کہ اب تو اپنی ذات کو شاید دیوی دیوتاؤں سے بڑھ کر سمجھنے لگے ہو اور کیا تیرے خیال میں یہ مناسب ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت تیرے لئے مشکلات پیدا کر لے۔“

ہومان نے ہاتھ باندھ کر سر خم کرتے ہوئے کہا۔

”وقت تو بہت سی باتیں مجھے سمجھا رہا ہے اور دیوی شیوالا اگر ہم سب ایک دوسرے سے تعارف کر کے اپنا عمل جاری رکھتے تو سب کا ہی فائدہ تھا۔۔۔۔۔ لیکن یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے برکتوں کا نزول تھوڑی سی مشکلات کے بعد شروع ہو گا۔ خیر تو اگر تو بہتر سمجھتی ہے تو یہی بہتر ہے۔ میں تو اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ ایک بار پھر اپنا موقف تجھے سمجھاؤں۔
 ہائی ہزاروں سال سے ہم لوگ یہاں آباد ہیں اور ہزاروں سال سے ہمارے درمیان یہی بلا آ رہا ہے اور جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا کہ کچھ میرا علم ہے اور کچھ تیری برکتیں، ہمارے کام بخیر و خوبی چل رہے ہیں اور قربانیوں کی رسم منسوخ کر دینے سے آبادیاں پھیلتی ہیں۔۔۔۔۔ اور اس قدر پھیل جاتی ہیں کہ پھر مختلف خیال والے لوگ پیدا ہوتے ہیں اور نفٹ گروہ بن جاتے ہیں۔۔۔۔۔ تو ایسے گروہوں کو ٹوٹتے رہنا چاہئے۔ یہ ضروری ہوتا ہے

کاہنوں کی مجلس مشاورت میں کیا فیصلہ ہوا ان کا ان لوگوں کو کوئی علم نہیں تھا لیکن بہر حال ان کی خاطر مدارت اسی انداز میں ہو رہی تھی البتہ اب وہ لمحہ لمحہ ہوشیار ہو گئے تھے۔۔۔۔۔ اور ان کالے غلاموں کو جن کی زندگیاں بالکل آخری وقت میں پہنچ کر پہنچ گئی تھیں۔ انہوں نے اپنی قوت میں طلب کر لیا تھا اور اس دوران کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جو ان کے لئے باعث پریشانی ہو۔۔۔۔۔ کال جو پجاریوں کے دوسرے گروہ سے تعلق رکھتا تھا اور جو بذات خود ایک معمولی سی شخصیت کا مالک تھا یعنی کسی طرح اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں تھی۔۔۔۔۔ اور اگر ہومان اسے کوئی ہدایت دے تو بھلا اس کی کیا مجال کہ وہ ایک لمحے کے لئے اس سے انحراف کر سکے۔ لیکن ان لوگوں کے لئے وہ بہت وفادار تھا اور صرف ان کے احکامات پر گردن خم کرنے کا عادی۔

اس کے ساتھ بھی کافی افراد موجود تھے۔۔۔۔۔ جو اس دوسرے گروپ سے تعلق رکھتے تھے۔۔۔۔۔ اور نادر وغیرہ ان کا بھرپور طریقے سے جائزہ لے رہے تھے اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کی اپنی قوت کس قدر ہے۔ ہومان نے اس کے بعد ابھی تک ان سے کوئی ملاقات نہیں کی تھی۔

ادھر سردار الایا ان کے لئے کچھ بہتر جگہ تشکیل کر رہا تھا اور پھر جب وہ جگہ اس نے دیوی دیوتاؤں کے رہنے کے قابل بنالی تو منصوبے کے مطابق میش نے کال کو طلب کیا اور کہنے لگی۔

”اس بے ہودہ اور گندی جگہ قیام کر کے مجھے نفرت کا احساس ہوتا ہے۔ خصوصاً“
 اس خیال کے تحت کہ یہاں زندگیاں میرے نام پر قربان کی جاتی رہی ہیں قربانی کی یہ رسم ختم کرنے کے بعد میں یہ چاہتی ہوں کہ یہ جگہ بھی یہاں سے بدل دی جائے اور میں کسی اور جگہ منتقل ہونا چاہتی ہوں اور اس کے لئے میں نے سردار الایا کو ہدایت کی تو میری ہدایت پر اس نے ایک جگہ تیار کر دی۔۔۔۔۔ اور اب میں وہاں منتقل ہونا چاہتی ہوں۔“
 کال نے کہا۔

”بھلا دیوی کا حکم ٹالنے کی جرات کون کر سکتا ہے کیا میں اس سلسلے میں بڑے مقدس پجاری کو اطلاع دوں۔“

”نہیں۔۔۔۔۔ پہلے ہمیں وہاں منتقل کر دیا جائے اس کے بعد پجاری کو اطلاع دینا۔“
 ”تو پھر بڑے اہتمام کے ساتھ سینکڑوں افراد نے مل کر وہ جگہ ان کے لئے مناسب کر دی اور ان کا سارا ساز و سامان احتیاط کے ساتھ وہاں پہنچا دیا گیا۔۔۔۔۔ اور یہ شاید ہومان

اور قربانی ایک ایسی رسم ہے جس سے پانی والا بھی خوش رہتا ہے۔۔۔۔۔ اور آبیروں کا پھیلاؤ بھی ختم ہوتا جاتا ہے یا پھر وہ ناپسندہ گردہ جو دیویوں کے اور کاہنوں کے باغی ہوتے ہیں وہ قربانی کے نام پر کیفر کردار کو پہنچ جاتے ہیں۔۔۔۔۔ اور یہ تو ہمارے آباؤ اجداد کا عمل ہے اور کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ عمل جاری رہتا۔“

”نہیں یہ وحشیانہ رسم اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دی گئی ہے۔“

”تو سب سے بہتر اور مناسب سمجھتی ہے دیوی شیوالا۔۔۔۔۔ لیکن میں ہر وقت حاضر ہوں تیرے ہر حکم کی تعمیل کرنے کے لئے۔۔۔۔۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اندھیرے والے اپنا فیصلہ خود کریں گے۔“

اور اس کے بعد ہومان نے اجازت طلب کی اور ایک نگاہ چاروں طرف ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔

وہ سب اس کی تلملاہٹ محسوس کر رہے تھے اس کے الفاظ اور چہرے کے تاثرات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔۔۔۔۔ کوہالہ نے پریشان لہجے میں کہا۔
”اگر ایسا ہوتا کہ کوئی بہتر ذریعہ تلاش کر کے اس بچاری کو ختم کر دیا جاتا تو شاید یہاں حالات ہمارے بس میں ہوتے۔“

”اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس خطرے سے نمٹنے کی کوشش کیسے کریں۔ یہ تو ایک بے حد مشکل کام ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔۔۔۔۔“ مونٹا نے کہا۔ تب نادر بولا۔

”تم لوگ فکر مت کرو ہم آخری وقت تک اس سلسلے میں کوششیں کرتے رہیں گے اور اب ضرورت پیش آگئی ہے کہ سازشوں کے جواب میں سازشیں کی جائیں لیکن اس کے لئے ہمیں افراد کا انتظار ہو گا اور یہ دیکھنا ہو گا کہ ہم کس حد تک اپنا کام کر سکتے ہیں۔“
”ایک بات کہوں مسٹر نادر اگر آپ میری بات کو تسلیم کریں میشل کہنے لگی۔“
”ہاں میشل فرمائیے کیا کہنا چاہتی ہیں آپ۔۔۔۔۔“

”مسٹر نادر اس وقت یہ بندوقیں اور یہ بارود کے تھیلے ہمارے لئے سب سے قیمتی اثاثہ ہیں اگر ہم انہیں صحیح استعمال کر لیں اور انہیں محفوظ کر لیں تو یہ ہمارے حق میں سب سے بہتر بات ہوگی۔“

”یہ بات تو میں نے پہلے ہی کہی تھی۔“

”اور ہمارا یہاں تبدیل ہونا اس کے لئے سب سے زیادہ خوف کی بات ہے۔ یعنی وہ

بے شک بارود کے بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن اسے یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ وہ سرخ دھاکے، جو دو آدمیوں کی موت کا باعث بنے اور ان سے ان لوگوں کا خوف زدہ ہونا اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ وہ چیز اس کے لئے سب سے زیادہ خوف ناک ہے اور ہو سکتا ہے وہ اسے غائب کرنے کی کوشش کرے۔“

”تو پھر یوں کیا جائے کہ کال کو اس سلسلے میں استعمال کیا جائے۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ لیکن اندھیرے والوں کا رویہ دیکھ کر مجھے تعجب ہے جیسا کہ الایا نے کہا کہ یہاں کے وحشی لوگ اپنی قربانی دینے کو پسند کرتے ہیں۔“

”بس ایک رسم ہے جو عمل کر رہی ہے اور وہ لوگ چونکہ ہر قسم کی عقل سے ناواقف ہیں اس لئے وہ اس کو دیوی دیوتاؤں کی خوشنودی سمجھتے ہیں نادر نے کہا۔“

”میں تو اس سلسلے میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں عظیم آقا، فینٹ نے کہا۔“
”کیا؟“

”پانی والے کا ذکر کیا گیا ہے۔۔۔۔۔ اور تم نے دیکھا وہ عظیم اشان کھوپڑی اور وہ لمبے لمبے دانت جو پانی سے نمودار ہوئے، وقت یہ بتاتا ہے عظیم آقا کہ ہمیں اسی سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔“

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟“ نادر نے چونک کر کہا۔“

”عظیم آقا ہماری اس منحوس جگہ آمد کا مقصد جو تھا وہ پانی میں پوشیدہ ہے۔۔۔۔۔ اور ہمیں بخوبی یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ ہم جو کچھ بھی حاصل کر سکتے ہیں وہیں سے۔۔۔۔۔ اور وہاں تک پہنچنے کے لئے کیا اس عفریت کا خاتمہ ہونا ضروری نہیں ہے۔“ فینٹ نے کہا اور نادر گردن ہلانے لگا۔“

”بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔۔۔۔۔ ایسا ہی لگتا ہے۔“

”تو عظیم آقا ساری باتیں سوچنے کے ساتھ ساتھ اس کے بارے میں بھی سوچو۔“

”بھلا اس کے بارے میں کیا سوچا جاسکتا ہے؟“

”پانی کے اندر نہ تو پستول کارگر ہو گا اور نہ بارود۔۔۔۔۔“

”یہی تو سب سے بڑی خرابی ہے۔“

”اور اس کے علاوہ کوئی ایسا راستہ بھی علم میں نہیں ہے اور اگر ایسا کوئی راستہ ہو گا مگر اس تک پہنچنا جائز ہے تو وہ یقینی طور پر ہومان کے علم میں ہو گا۔۔۔۔۔ اور ہومان انصاف کو یہ بات نہیں معلوم ہونی چاہئے کہ ہمارے یہاں آنے کا اصل مقصد کیا ہے۔“

”ٹھیک کہتے ہو۔۔۔۔۔“ نادر نے کہا۔

”تو پھر سوچو اور غور کرو۔۔۔۔۔ اور اگر ہو سکے تو مجھے بھی اس سلسلے میں کچھ کام کرنے دو۔“

”سب سے بڑی اور افسوسناک بات یہ ہے مسٹر فینٹ کہ ہم یہاں دیوی دیوتاؤں کی حیثیت سے قیدی بن کر رہ گئے ہیں کاش ہم بھی عام لوگوں کی مانند ان کے درمیان گھوم پھر سکتے۔“

”ایسا تو ابھی تک نہیں ہوا ہے۔“

”ہونا چاہئے تھا۔“

”اس کے لئے ہمیں وقت درکار ہو گا۔“

”ہو سکتا ہے وقت اس سلسلے میں ہمارے لئے کشادہ ہو جائے۔“

”ہاں کاش۔۔۔۔۔“ میش نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور نادر پھیکے سے انداز

میں ہنسنے لگا۔۔۔۔۔ پھر بولا۔

”میں اپنی اس غلطی کو کبھی نظر انداز نہیں کروں گا آہ کاش یوں نہ ہوتا۔“

”کیا۔۔۔۔۔ کوہالہ نے چونک کر پوچھا۔“

”یہ کہ میں اس خزانے کا لالچ نہ کرتا۔ اب تو وہی بات ہے کہ حلق میں بڑی آچھنی

ہے یعنی وہ جو کھا جاتا ہے ناسانپ کے منہ سے چھوٹتا رہتا ہے۔“

”نہیں میرے آقا، میرے جذبات کو مجروح نہ کرو۔“ فینٹ نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور

سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔۔۔۔۔ مونٹا نے پوچھا۔

”تمہارے جذبات۔“

”ہاں تم نہیں جانتے۔۔۔۔۔ یہاں آمد ایک عظیم مقصد ہے اور اس عظیم مقصد کی

تحقیق کے لئے یوں سمجھ لو کہ میں نے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔ آہ وہ جو اس دنیا سے

چلا گیا کتنی امید بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتا تھا اور سوچتا تھا کہ فینٹ تو یقینی طور پر اپنے

آقاؤں کی مدد کرے گا۔۔۔۔۔ اور عظیم آقا جو تمہارا دل چاہے کو لیکن میری آرزو ہے کہ

یہ نہ کہنا کہ اپنا مقصد پورا کئے بغیر ہم یہاں سے جانا پسند کریں گے یا یہ کہ ہم اپنا ارادہ

ترک کر دیں گے۔“

فینٹ کی بات نادر کے دل پر بڑی طرح اثر انداز ہوئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

”اصل میں بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں فینٹ جن کے لئے انسان بہت کچھ سوچنے پر

مجبور ہو جاتا ہے میں تو سب سے زیادہ میش، کوہالہ اور مونٹا کے بارے میں سوچتا ہوں یا
برہ بے چارے جو صرف وفاداروں کا دامن پکڑے ہمارے ساتھ اس جہنم میں چلے آئے
ہیں اور میں سوچتا ہوں کہ اس کی وجہ صرف میں ہوں بس یہ بات میرے دل کو داغدار کرتی
ہے۔“ میش نے بڑی ہمدردی سے کہا۔

”نہیں مسٹر نادر آپ سوچ لیجئے یہ آپ کی اپنی مرضی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہم
ہوش میں اور سب کچھ سوچنے کے بعد آپ کے ساتھ یہاں تک آئے ہیں ہر انسان کا
ایک معیار زندگی ہوتا ہے آپ کے بھی ہم پر بہت سے احسانات ہیں میں سوچتی ہوں کہ
برا جو حال ہونے والا تھا آج بھی سوچتی ہوں تو اس کے تصور سے کانپ جاتی ہوں اگر
ان صورت حال بگڑے اور مجھے اس پانی میں پھینک دیا جائے اور وہ خونخوار درندہ مجھے
پکڑ لے تو یقین کریں موت تو معین ہے میں مر جاؤں گی لیکن لمحے لمحے کی وہ موت جو
، وہاں نصیب ہوتی آپ نے مجھے اس سے بچایا اور میری یہ ماں، جس نے مجھے ہوش کا
لفظ سکھایا میرے غم میں نجانے کس کیفیت کا شکار ہوتی آپ اس کی بے قراری محسوس
رہے ہوں گے اس وقت جب میں سفید بھڑیئے کے چنگل میں پھنسی ہوئی تھی اور ایسا
دانا تو یہ اتنے بڑے بڑے وعدے نہ کر لیتی یہ سب ایک چھین ہے اور تقدیر نے ہمیں
دوسرے سے منسلک کر دیا ہے تو بات اصل میں وہی ہے کہ انفرادی طور پر اگر سوچو تو
ٹک سوچتے رہو لیکن یہ میرا خیال ہے دوسروں کی توہین ہے کہ مسٹر نادر تم اس معاملے
رف اپنا سمجھتے ہو۔“

”آہ صرف ایک بات ہی کہہ سکتا ہوں کہ تم بہت اچھے لوگ ہو اتنے اچھے انسانوں کا

زندگی میں مل جانے کا تصور میرے لئے ممکن نہیں تھا۔۔۔۔۔“ نادر نے مدہم لہجے میں

درا ایک گہرے تاثر میں ڈوب گیا۔



بھرے ہوئے تھے وہ نکلے جنہیں ان لوگوں نے بری محنت سے عجیب و غریب شکلیں دے کر یہاں محفوظ کر لیا تھا مکمل طور سے غائب تھے اور وہاں کچھ بھی نہ رہ گیا تھا نادر نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا غیبی قوتوں نے درحقیقت اب تک تو اس کی مدد کی تھی اور وہ کسی خطرناک جال میں پھنسنے سے بچ گیا تھا ہر لمحہ کوئی نہ کوئی کار آمد بات مل ہی جاتی تھی اگر اس سلسلے میں کوئی غفلت برتی جاتی تو پھر آج اپنی موت کا تصور کر لیا جاتا اور یقینی طور پر ان لوگوں کو خودکشی کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ رہتا سو وہی ہوا کہ ہومان اپنی کاوشوں میں مصروف ہے نادر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی دوسری صبح جب اس نے ان لوگوں کو یہ خوشخبری سنائی تو وہ سب کے سب دنگ رہ گئے اور ان کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

”آہ اگر ہم وہ نہ کرتے تو جو ہم نے کیا تو کیا ہوتا۔“

”خودکشی کے بہترین طریقے سوچنے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔۔۔۔۔“ نادر نے کہا اور

اس کے بعد یہ لوگ غور و فکر میں ڈوب گئے تو پھر کوہالہ کہنے لگی۔۔۔۔۔

”ہومان باز نہیں آئے گا آہ میں تو کہتی تھی ناں کہ میں تو بچپن سے اسے جانتی ہوں

یہ الگ بات ہے کہ ہوش کے لمحات کہیں اور گزارنے پڑے یعنی لوکاکیہ میں تاہم بچپن کی

جتنی یادداشتیں میرے ذہن میں محفوظ ہیں ان کے تحت میں ہومان کو جانتی ہوں اور واقعی وہی

تو تھا جس نے قربانی کی رسم کو زور و شور سے جاری کیا اور اب پتہ نہیں وہ کبجنت کیا کرنا

چاہتا ہے لیکن اسی دن اتفاقہ طور پر الایا کے ذریعے کال کی معلومات انہیں حاصل ہو

گئیں۔ الایا حصول کے مطابق ان کی خدمت میں آیا تھا اور مقدس پجاری بھی آیا کرتے

تھے جو ان کی تکریم کرتے تھے اور عزت و احترام سے ان کے ساتھ پیش آتے تھے یہ وہی

تھے جو ہومان کے پیروکار تھے اور کال کے ساتھی بھی آتے تھے لیکن غلاموں کی مانند ان کے

لئے کچھ نہ کچھ لے کر آتے تھے اور یہ بھی طے کر لیا گیا تھا کہ اب کوئی ایسی چیز جو ناقابل

یقین ہو یقینی پھل وغیرہ نہ ہو بلکہ پھلوں میں بھی احتیاط برتی گئی تھی کہ ہومان کیلئے سب کچھ

ممکن تھا تو وہ چیزیں ان کے لئے آتی تھیں لیکن وہ ان چیزوں کو کھاتے نہیں تھے تاکہ محفوظ

رہیں سوائے ان اشیاء کے جو الایا سے حاصل ہوتی تھیں یا پھر مونٹا اور کوہالہ، ان غلاموں

کو لے کر دور دور تک نکل جاتیں اور وہاں سے اپنی پسند کے پھل توڑ کر لاتی اور مونٹا کبھی

کبھی شکار کر لیا کرتا تھا لیکن یہ سب کچھ نہایت احتیاط کے ساتھ کیا جاتا تھا اور دوسروں کو

اس سے ناواقف ہی رکھا جاتا تھا اور جن علاقوں میں دیوی دیوتا منتقل ہوئے تھے وہاں عام

خاص شکل دی جا سکے اور یہ ظاہر ہو سکے کہ یہی ان کا اسلحہ ہے کیونکہ اب تک اس پر کسی نے خاص طور پر توجہ نہیں دی تھی تو یہ چیزیں ایسی جگہ رکھ دی گئیں جہاں عام لوگوں کے ہاتھ نہ پہنچ سکیں اور کیا یہ عمدہ ذہانت تھی نادر کی۔ یہاں قیام کئے ہوئے تیسرا دن گزر چکا تھا اور یہ چوتھی رات تھی رات کو کھانا وغیرہ کھانے پینے کے بعد وہ لگ سو گئے تھے چونکہ الایا بھی انہی لوگوں میں سے ایک تھا اس لئے اس کا اطمینان بھی ہر حالت میں بے حد ضروری تھا چنانچہ فینٹ اور میشل ہمیشہ ایک ہی جگہ سویا کرتے تھے جو سب سے بہتر مقام رکھتی تھی اور ابھی تک اس سلسلے میں کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی تھی جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ ہومان نے اس طرف خاص توجہ دی ہے وہ غالباً اپنی ہی کاروائیوں میں مصروف تھا۔

اس رات نادر تنہا سو رہا تھا مونٹا اور کوہالہ الگ جگہ تھے کہ رات کے آخری پر

میں نادر نے کچھ سرسراہٹیں سنیں اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی دبے قدموں چل رہا ہو

اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ ان آوازوں کو غور سے سننے کی کوشش کرنے لگا کوئی اندازہ

نہیں ہو رہا تھا لیکن دبی دبی سانوں کی آوازیں اور کچھ ایسا انداز جیسے کوئی خصوصی طور پر

دبے قدموں چل رہا ہو نادر نے اپنے پاس پستول چھپا کر رکھے تھے جو اس کے لباس میں

پوشیدہ تھے دو پستول ہر وقت لوڈ کر کے وہ اپنے ساتھ رکھا کرتا تھا۔ مونٹا وغیرہ کو البتہ یہ

پستول نہیں دیئے گئے تھے کہ کہیں ذرا سی غفلت ہو اور یہ آتشیں اسلحہ کسی غلط ہاتھ میں

پہنچ جائے پھر اس کی کوئی حیثیت نہیں رہی گی اگر وہ لوگ اسے سمجھنے میں کامیاب ہو گئے

چنانچہ اس کے لئے اس نے معذرت کی تھی لیکن ان لوگوں کے پاس خنجر وغیرہ موجود رہا

کرتے تھے تاکہ وہ ہوشیار رہیں۔ نادر نے ایک پستول نکال کر ہاتھ میں لیا اور دبے قدموں

آہٹیں لینے کی کوشش کرنے لگا اس کے بعد وہ اپنے کمرے سے نکل آیا باہر نکل کر اس نے

دور دور تک دیکھا کوئی نظر نہیں آ رہا تھا پھر اس نے مونٹا اور کوہالہ کے کمرے میں جھانکا

وہ دونوں گہری نیند سو رہے تھے اور یہی کیفیت فینٹ کی تھی اور فینٹ زمین پر دراز تھا اور

میشل اس آرام گاہ پر جبکہ فینٹ کیلئے بھی ایسا ہی انتظام تھا یعنی ایک مسہری کا وہ دونوں

بھی آرام کی نیند سو رہے تھے پھر یہ کیسی آواز ہے اور رفتہ رفتہ نادر آگے بڑھتا ہوا اس

جگہ پہنچ گیا جو ایک الگ کمرے کی حیثیت رکھتی تھی اور اس کے دروازے مضبوطی سے بند

تھے وہ اندر داخل ہوا مشعل روشن تھی اور مشعل کی روشنی میں اس نے جو کچھ دیکھا اسے

دیکھ کر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں بارود کے وہ بورے جو اصل نہیں تھے بلکہ جو ریت سے

لوگوں کا گذر نہیں تھا اور دور دور تک کے علاقوں میں یہ منادی کرا دی گئی تھی کہ دیوی دیوتاؤں نے اپنا مسکن تبدیل کر لیا ہے اور وہ اس جگہ رہتے ہیں چنانچہ کوئی بھی ان تک پہنچنے کی کوشش نہ کرے اور کم از کم ابھی تک یہ بھرم قائم تھا ہومان اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا اور اس پر بحث کرتے ہوئے نادر نے میشل سے کہا تھا۔

”ہاں اصل میں ہومان کچھ عجیب و غریب حالات کا شکار ہو گیا۔“

”مثلاً۔۔۔۔۔ میشل نے سوال کیا؟“

”اس کی پہلی کوشش وہ تھی جب وہ وہاں ہمارے پاس پہنچا یا اسے لایا گیا جہاں پر ہم

پہلی بار ان لوگوں پر ظاہر ہوئے۔“

”ہاں یعنی اس میدان میں۔“

”بے شک اور پہلی تصدیق اس نے ہمارے بارے میں کی تو اس طرح وہ پہلے جرم کا مرتکب ہوا یعنی اب اگر وہ اس بات کی تردید کرتا ہے تو اس پر مصیبت نازل ہو جاتی ہے کہ وہ صحیح معنوں میں دیوتاؤں کا پجاری نہیں ہے بلکہ ایک نقلی پجاری ہے اور عقل و ہوش سے عاری، تو ظاہر ہے اس کے بعد جب اس نے دوسری کوشش کے طور پر ہمارا اعتبار حاصل کرنے کیلئے وہاں بت کی قربان گاہ پر اس بات کو دوسروں کے سامنے بیان کیا اور دیوی دیوتا کی آمد کی خوشی میں ان لوگوں سے استقبالیہ الفاظ کہلائے تو اس کے بعد اب یہ گنجائش نہیں ہے اس کے پاس کہ وہ ہماری تردید کر سکے۔ لیکن الایا آیا اور الایا نے جو انکشاف کیا اور جو اس نے بتایا کہ کال کے ذریعے جو ہوا ہے اور یہ بھی بتایا اس نے کہ کال اب مکمل طور پر ان کی مٹھی میں ہے اور وہ خود بھی عاجز ہے ہومان کی حرکتوں سے اور الایا کی موت کے بارے میں اس نے کہا کہ الایا اگر ختم ہو جاتا یا قربان کر دیا جاتا تو درحقیقت اس کے بعد ہومان کے راستے میں کوئی مشکل نہ رہتی کیونکہ بہر حال سردار کے احکامات بھی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں سوائے اس کے کہ وہ مقدس پجاری سے انحراف نہ کرے لیکن دیوی دیوتاؤں کے آنے کے بعد مقدس پجاری کی حیثیت دو نمبر کی ہو گئی ہے اور الایا تیسرے نمبر پر ہے“ تو بہر حال الایا نے کہا۔

”مجلس مشاورت میں جو بات ہومان نے طے کی ہے وہ یہ ہے کہ آج سے ٹھیک سات دن کے بعد یعنی جس دن مجلس مشاورت ہوئی اور جس میں اب صرف چھ دن باقی رہ گئے ہیں ایک بار پھر دیوی دیوتاؤں کو بت کی بلندیوں پر لے جایا جائے اور وہاں پہنچنے کے بعد ان سے پوچھا جائے کہ اندھیرے کا شہر کب روشنی کی آغوش میں پہنچے گا اور برکتوں کا نزول

سب تک ہو گا یا یہ بھی کیا جائے گا کہ کوئی معجزہ دکھایا جائے تاکہ دیوی دیوتاؤں کی آمد کا ہلا انعام لوگوں کو حاصل ہو سکے اور شاید قربانی کی رسم بھی بحال کرانے کی کوشش کی جائے گی یہ ساری چیزیں غالباً ہومان اپنی ساکھ کو بحال کرنے کیلئے آخری عمل کے طور پر کر رہا ہے اور یقینی طور پر سات دن کے بعد آپ لوگوں کو وہاں جانا ہو گا اور اندھیرے والوں کو اپنے درشن دینا ہوں گے تو یہ بہت فکر کی بات تھی۔“

”الایا کیا کال کے ذریعے تم ہمارا کچھ کام کرا سکتے ہو۔“

”دیوتا کے پیروکار اور مقدس دیوتا کے ساتھ آنے والے بھلا تو حکم دے اور کچھ نہ

ہو۔“

”نہیں یہاں حکم کی بات نہیں ہے الایا اب تو تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہومان تمہارا بھی دشمن بن چکا ہے اور تم قربانی کے پتھر سے اٹھ کر چلے آئے ہو، تو غالباً ہومان کیلئے اس سے زیادہ بے عزتی کی بات کوئی نہیں ہو گی اور جیسے ہی موقع ملے گا اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا تو تمہیں بھی یقینی طور پر وہ موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کرے گا۔“

”میں جانتا ہوں۔۔۔۔۔“ الایا نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

”اب یہ بھی ضروری ہے کہ جتنے لوگوں کو تم اپنے ساتھ شامل کر سکو کہ ہومان کی کوششوں کو ناکام بنا دیں تو تمہیں یہ کرنا ہو گا۔“

”تم جو کو مقدس آقا میں حاضر ہوں۔“

”تو پھر ٹھیک ہے ابھی تو سات دن باقی ہیں ہم مشورہ کرنے کے بعد تم سے کوئی کام نہیں گے لیکن خبردار ایسے لوگوں کا انتخاب کر لو جو اپنی گردنیں کٹوا دیں لیکن وہ نہ کہیں نہیں جس کے لئے منع کیا جائے۔“

”دیوی اگر اپنے ہونٹوں سے انہیں کسی کام کی ہدایت دے گی تو کسی کی مجال ہے جو کوئی انحراف کر سکیں۔“

”بس تو ٹھیک ہے تم آج سے تیسرے دن ان لوگوں کا انتخاب کر کے ہمارے پاس نہیں لے آنا۔“

”ٹھیک ہے مقدس دیوی دیوتا میں ایسا ہی کروں گا۔۔۔۔۔“ الایا نے کہا پھر جب الایا ٹانگیا تو میشل نے اور فیٹ نے سوالیہ نگاہوں سے نادر کو دیکھا۔ نادر نے کہا۔

”اور ان لوگوں نے مجبور کر دیا ہے مجھے کہ اپنی زندگیاں بچانے کیلئے مختلف انداز سے کہیں۔“

”نہیں مقدس دیوتا ایسے تو نہیں اس کے لئے تمہیں ایک الگ ہی راستہ اختیار کرنا

”چونکہ یہ معاملہ ایسا ہے کہ کسی غیر کو اس میں بالکل نہیں شریک کیا جاسکتا تو یہ ایک مجبوری ہے اور کیا مجھے یہ عزت بخش دی جائے گی تو نادر نے خوشدلی کے ساتھ ہومان کو اس کی اجازت دی اور ایک مخصوص کمرے میں وہ تینوں محصور ہو گئے تو ہومان نے کہا۔

”مقدس دیوی اور مقدس دیوتا“ میں نہیں جانتا کہ تم لوگ کس مقصد کے تحت یہاں

پڑے گا۔“

”ہومان میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اپنی فضول باتوں کو بند کر اور خبردار یہ تیسرا موقع ہے تیرے لئے کہ ہم نے تجھے معاف کیا ورنہ اس وقت تجھے بھی موت کے گھاٹ اتارا جاسکتا تھا جب دھماکے ہوئے تو دنیا والے دیوتاؤں کے قبضے میں چلے گئے جو ان لوگوں کو ہلاک کرنے والے تھے یعنی الایا کو اور دوسرے لوگوں کو۔۔۔۔۔“

”میں شرمندہ ہوں مقدس دیوتا اور واقعی بڑی احمقانہ باتیں کر رہا تھا، میں نجانے کیوں میرے دماغ پر کوئی ایسی قوت حاوی ہو گئی جو مجھے یہ فضول باتیں کرنے پر مجبور کر رہی تھی مقدس دیوتا کل کا دن زیارت کا دن ہے اور کل تیری دوسری زیارت ہو گئی، اور میں نے اندھیرے والوں کو اس کے لئے کہہ دیا ہے تم کل سب قربانی کے بت کے سامنے جمع ہوں گے اور تم انہیں اپنی زیارت کراؤ گے اور وہ تم سے ان برکتوں کے بارے میں سوال کریں گے جو تم ان کے لئے لائے ہو تو کل کا دن تیار رہنا اور تمہیں اپنے تمام ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچنا ہے اور اس کے بعد میں اجازت چاہتا ہوں۔۔۔۔۔“ ہومان نے مزید کچھ نہ کہا سوائے اس کے، تعظیم دی انہیں سجدے میں پڑا رہا اور اس کے بعد اٹھ کر اپنے بچاریوں کی فوج کے ساتھ وہاں سے واپس چلا گیا لیکن نادر بے قرار تھا یہ جاننے کیلئے کہ اب یہ شیطان کیا ارادہ لے کر آیا تھا اور کیا کہہ گیا تو، میشل اور فینٹ متفکر بیٹھے ہوئے سوچ میں دوپے ہوئے تھے نادر مونٹا اور کوبالہ ان کے پاس پہنچ گئے تو نادر نے سوال کیا۔

”اب کیا کہتا تھا یہ۔“

”کل ہمیں زیارت کیلئے بت پر پہنچنا ہو گا۔۔۔۔۔“ فینٹ نے بتایا۔

”یہ بات تو میرے علم میں تھی۔“

”اور اس سے پہلے اس کبخت نے آخری بار ہم لوگوں سے مصالحت کرنے کی کوشش کرنے کی پیشکش کی کہ، وہ ہمیں پتھروں کا پتہ بتا سکتا ہے اگر ہم اس کے ساتھ تعاون کریں تو۔“

”یہ پیشکش کی تھی اس نے۔“

”ہاں۔“

”اس کا مقصد ہے کہ وہ ہمارے یہاں آنے کے مقصد سے واقف ہو چکا ہے۔“

”وہ ایک شاطر آدمی ہے اور کس خوبصورتی سے اس نے مجھے لالچ دیا۔“

”تو تم نے کیا کہا۔“

”میں نے اسے دھتکار دیا۔“

”یہ بہتر ہی کیا ورنہ کیا ضروری ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس پر عمل بھی کرتا، وہ تو ہزار دشمن بن ہی چکا ہے اور یقینی طور پر وہ جھوٹ بول رہا ہو گا خزانے کا لالچ دے کر وہ ہمیں اپنی مرضی کے مطابق کہنے اور بولنے پر مجبور کر دیتا اور اس کے بعد کسی طرح اس بات جب ہم اس کے خزانے کے بارے میں بات کر رہے ہوتے یا اس کے پھیلانے ہوئے جال میں گرفتار ہو کر وہی کر رہے ہوتے جو وہ چاہتا ہے تو وہ ہمیں اندھیرے والوں کے سامنے کر دیتا اور یہ ثابت کر دیتا کہ ہم جھوٹے دیوی دیوتا ہیں۔“

”آہ۔۔۔۔۔ ایسا ہی ہوتا۔۔۔۔۔ یقیناً ایسا ہی ہوتا۔۔۔۔۔ لیکن اب۔۔۔۔۔؟“

”نٹ نے کہا اور نادر پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر اس نے کہا۔“

”لیکن اب اس سے مختلف ہو گا اس کا لہجہ بہت ٹھوس اور پر اعتماد تھا۔“



گزرنے والا ہر لمحہ کنپٹیوں میں دھمک بن کر گذر رہا تھا۔ وہ لوگ سوچ رہے تھے کہ نادر ہے وہ سب کچھ اتنی آسانی سے تو حاصل نہیں ہو جاتا۔ جس کے حصول کے لئے ہم زندگیوں قربان کرتے آئے ہیں۔ ہر بڑے کام کی تکمیل کے لئے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ کئی دقت کی اور کبھی زندگی کی اور درحقیقت یہ سب کچھ اس قدر آسان نہیں ہوتا جتنا لکھ لیا جاتا ہے۔ پھر ان لوگوں نے تو اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ انتہائی خوفناک واقعات کے ماتھے سفر کرتے ہوئے صرف کر دیا تھا اور ابھی تک اپنی منزل سے دور تھے اور کچھ تھا یا نہیں لیکن کم از کم ہومان انہیں وہ جگہ بتا گیا تھا۔ جہاں ان کی منزل مقصود تھی۔ یعنی وہ ناپتھروں کا ذخیرہ۔۔۔۔۔ جو پانی کے نیچے محفوظ ہے اور اب اس جگہ کے بارے میں ان آرائیوں کی جاسکتی تھیں لیکن اسی وقت جب ہومان سے پیچھا چھوٹے اور اس میں ٹیٹک نہیں کہ نادر نے اپنی زندگی کم از کم ایسے کسی تصور میں نہیں گزاری تھی۔ جس کا یہ تمام خوفناک واقعات ہوں۔ بس یہ تو ایک وقت کی ترتیب تھی۔ جس کا آغاز ہوا تھا جو اب انجام کی جانب بڑھ رہا تھا۔ بہر حال سب تیار تھے اور حالات کا انہیں علم ہو چکا۔

بہرہ دقت آگیا جب انہیں اسی جگہ پہنچنا تھا جہاں سے انہوں نے ایک دفعہ ایک اگ منظر دیکھا تھا۔ اس وقت وہ کھلی جگہ پر سفر کر رہے تھے لیکن پہلے کی طرح عام ماکو اس طرف نہیں آنے دیا گیا تھا۔ جو ان کی گزرگاہ تھی اور مختلف راستوں سے

ان سے کہیں کہ قربانی کی رسم پھر سے جاری کر دی جائے۔ ہم اس رسم کو ترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یوں کہو کہ پہلے تم ان سے اس کے لئے رحم کی بھیک مانگو اور حقیقت ہے کہ زمانہ قدیم سے اب تک انسان سے بڑھ کر وحشی اور کوئی جاندار نہیں ہوا۔ شہر اندھیرے کے لوگ چونکہ انسانوں کو بھیٹ چڑھتے دیکھنے کی عادی تھے اور اس ظالمانہ رسم نے ان کے دل سخت کر دیے تھے۔ اس لئے وہ خود بھی اس رسم کو ترک کرنے کے لئے تیار نہیں تھے اور یہ حقیقت ہے کہ مرنے والے انہی میں سے ہوا کرتے تھے لیکن یہ موت ہی ان کے لئے خوشیوں کا باعث ہوتی تھی۔“ اس وقت ہومان کی آواز نے ان کے اندر زندگی جگا دی اور پھر چاروں طرف سے ایک ہی آواز ابھرنے لگی۔

”اندھیرے کے رہنے والو! دیوتاؤں سے کہو کہ رسم کی منسوخی کے ساتھ ساتھ ہی وہ ہمارے لئے بھی فیصلے کریں، اور فوراً ہی اندھیرے کے شہر کو روشنی کا شہر بنائیں وزنہ ہم ان مقدس رسومات سے محروم ہو جائیں گے۔ تم خود سوچو کہ اب پانی کا دیوتا کبھی خون اور گوشت سے فیض یاب نہیں ہو گا اور اس کے بعد ہمارے درمیان دبائیں پھوٹیں گی۔ ہماری کھیتیاں بخر ہو جائیں گی کیونکہ ہم اس کی محبت سے محروم ہو جائیں گے۔ سنو کالے شہر کے رہنے والو! دیوتاؤں سے کہو کہ وہ اگر اتنے ہی مہربان ہیں ہم پر، تو فوراً ہمارے شہر کو روشنی سے بدل دیں۔ ورنہ ہمیں قربانی کی اجازت دیں۔ ہم پر رحمتیں نازل کریں۔“ ہومان اپنی تقریر کر کے خاموش ہوا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے لوگوں کے دلوں میں آگ لگا دی۔ پھر اچانک ہی سامنے کا علاقہ دیوانگی سے بھر پور ہو گیا۔ ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں۔

”خون۔۔۔۔۔ خون۔۔۔۔۔ ہمیں خون چاہئے لوگ چیخ رہے تھے اور ان کے چہرے لمحے سے سرخ ہوتے جا رہے تھے۔ وہ کہنے لگے۔

”ہم اپنے آباؤ اجداد کی رسم منسوخ نہیں کر سکتے۔ ہم خون کے پجاری ہیں۔ ہمیں خون چاہئے، ہمیں خون چاہئے، اور یہ ہنگامہ کچھ ایسی خوفناک شدت اختیار کر گیا کہ سب اپنی طرح کانپ اٹھے لیکن نادر کو اس بات کا ہمیشہ ہی احساس رہا تھا کہ اس کے ساتھ آنے والے معمولی لوگ نہیں ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ سخت اور برے وقت میں اس کا اس طرح ہاتھ دیا کہ خود اسے حیران کر دیا۔ گویا وہ ہر طرح کے حالات سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ کس وقت انہیں کیا کرنا ہے۔ جیسی اچانک ہی میشل اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ بلند کئے اور چاروں طرف ایک خاموشی نازل ہو گئی، میشل کی نرم باریک

گذرتے ہوئے وہ اسی جگہ پہنچے جہاں پہلے انہیں لے جایا گیا تھا اور سامنے جو ایک عظیم میدان بنا ہوا تھا۔ ایسی جگہ جہاں کھیل تماشے ہوا کرتے تھے اور جو قدیم طریقہ کار کے مطابق بنائی گئی تھی۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ جگہ انسانوں سے کچھ بھری ہوئی تھی۔ پورا شہر دیوتاؤں کی زیارت کے لئے آگیا تھا۔ سب سے پہلے فینٹ اور میشل نے اپنے تختوں پر جو چکرا دینے والی بلندی پر تھے بیٹھنے سے انکار کر دیا تھا اور یہاں ایک بار پھر ہومان کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا اور ان کی پسند کے مطابق جگہ منتخب کرنا پڑی تھی۔ چنانچہ وہ اس وقت عظیم اشان بت کے قدموں میں اور اس گہری کھائی کے عین کنارے پتھر کی بنی ہوئی نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہومان ان کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ اس کے بعد نادر اور موننا بائیں طرف کھڑے ہوئے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر وہ سب سیاہ فام بھی تھے جو پیارے زندگی کا عذاب بھگت رہے تھے۔ رات سرد اور اداس تھی۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد برف باری ہو جاتی تھی۔ تب ہومان کی آواز ابھری۔

”اندھیرے شہر کے رہنے والو! اندھیرے کا یہ شہر اب تک اسی لئے اندھیرے کا شہر رہا کہ دیوی دیوتا آسمان کی بلندیوں پر چلے گئے تھے اور کبھی زمانہ قدیم میں جب وہ ہمارے درمیان تھے تو ہمارے سروں پر روشنی ہوا کرتی تھی اور ہم روشنیاں منانے آتے تھے لیکن خوش نصیب ہو تم کہ سلسلیں گذر گئیں اور یہ شہر اندھیرے میں ڈوبا رہا اور اب وقت ہے کہ دیوی اور دیوتا ہمارے درمیان آگئے ہیں۔ شیوالا، اور زام، اب ہمارے سامنے موجود ہیں اور یہ بھی ہوا کہ انہوں نے قدیم رسمیں منسوخ کر دیں لیکن ہوتا یوں ہے کہ جب دیوی دیوتا آسمانوں پر چلے جاتے ہیں اور پھر ان کا ظہور ہوتا ہے تو وہ بہت سی چیزوں سے ناواقف ہوتے ہیں اور یہ تو وقت ہی انہیں بتاتا ہے کہ شہر والوں کی رسومات کیا ہیں لیکن۔ چونکہ انہوں نے کہا کہ ہم وہ رسمیں منسوخ کر دیں اور پانی میں رہنے والے کو خون کی قربانی نہ دیں تو میں اس میں کچھ ترمیم کا خواہش مند ہوں اور اس کے لئے میں نے سب سے پہلے ایسی پچاس لڑکیوں کا بندوبست کیا ہے جنہیں دیوی دیوتا کے نام پر قربان کیا جائے مگر میں کیا کروں، وہ سب یہاں موجود ہیں اور یہ اعزاز حاصل کرنے کو بے چین، لیکن اب وہ ناامیدی اور اداسی کا شکار ہیں۔ کیونکہ دیوتاؤں نے اپنے لئے نئی زندگی پسند کی ہے اور قربانی کی رسم کو منسوخ کر دیا ہے لیکن میں تمہیں بتاؤں شہر اندھیرے کے رہنے والو، کہ اب یہ رسم نہایت ہی عجیب ہو گئی ہے۔ بھلا ہم جشن کیسے منائیں۔ ہم تو خون کے دیکھنے والے ہیں اور یوں ہونا چاہئے کہ تم سب مل کر دیوی دیوتاؤں سے اپنے لئے رحم مانگیں اور

لیکن پاٹ دار آواز ابھری۔

”اندھیرے کے رہنے والو! کیوں دیوتاؤں کے غصے اور قہر کو آواز دے رہے ہو۔ اب یہ جرات ہو گئی تمہاری کہ دیوتاؤں کے احکامات کے خلاف آواز اٹھاتے ہو، سنبھل جاؤ۔ کس یوں نہ ہو کہ تم پر میرا قہر نازل ہو۔ سنبھل جاؤ کہ تم پر آگ نہ برسنے لگے۔ میں نے کہہ دیا ہے اور یہ ہی الفاظ اندھیرے کے دیوتا کے ہیں کہ ہم اب انسانوں کا گوشت اور خون قبول نہیں کر سکیں گے۔۔۔۔۔“ میش کی آواز پر ایک لمحے کے لئے خاموشی طاری ہوئی تھی لیکن پھر شور بلند ہو گیا۔ جو گزشتہ شور سے زیادہ شدید تھا۔ چند لوگ غصے سے بے قابو ہوئے جا رہے تھے اور اس سنگی چبوترے کی جانب بوھتا چاہتے تھے جس پر میش، فینٹ اور ان کے ساتھی موجود تھے۔ وہ شدید غصے کے عالم میں آگے بڑھ رہے تھے لیکن کمال کی شخصیت تھی، اس لڑکی کی بھی جس نے ایک بار پھر ہاتھ بلند کئے اور کہا۔

”روشنی تو ہم تمہیں اپنے وقت پر ہی دے دیں گے کہ ہر کام لمحوں میں نہیں ہوتا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ بوڑھا پجاری اب اپنی اصلیت سے دور چلا گیا ہے اور یہ وہ وفادار نہیں ہے جو قدیم زمانے سے مقدس دیوی اور دیوتاؤں کا وفادار رہا تھا۔ میں اسے ظالم قرار دیتی ہوں اور اگر یہ تمہیں غلط طریقے سے مجبور کر رہا ہے تو اس کے لئے سزا ضروری ہے اور اس سزا کا انتخاب بھی تم ہی کرو گے ورنہ دوسری صورت جانتے ہو کیا ہو گا۔۔۔۔۔ تم نے ہمارا کوئی ایسا عمل تو ابھی تک نہیں دیکھا جو تمہارے لئے برکتیں لائے والا ہو۔۔۔۔۔ اور اس میں تو دیر لگتی ہی ہے اور یہ شہر روشنی میں بے شک تبدیل ہو گا لیکن صدیوں کی تاریکی لمحوں میں دور نہیں ہوتی اور اندھیرے والو! اب بھی تمہاری آواز بند نہ ہوئی۔ تو میں تم پر قہر برساؤں گی۔ تم پر آگ نازل ہوگی اور یہ تمہارا مقدر ہے۔

”ہمیں خون چاہئے۔۔۔۔۔ ہمیں خون چاہئے۔۔۔۔۔“ مجمع زیادہ جوش اور غضب سے چلایا، اور اسی وقت نادر نے وہ کیا جس کے لئے اس نے نہایت ذہانت سے فیصلہ کیا تھا اور جس کا اشارہ اس نے میش اور فینٹ کو دے دیا تھا۔ ایک بار پھر اس نے پستول نکالا لیکن اس بار کسی ایک شخص پر دھماکہ کرنے کی بجائے اس نے ان بلند جگہوں پر نشانہ لیا جنہیں وہ اچھی طرح دیکھ چکا تھا اور جہاں بارود کے تھیلے رکھے ہوئے تھے۔ پھر اس نے چار فائر کئے اور بارود کے تھیلے در حقیقت چنگاریوں میں بدل گئے۔ آگ کی لہریں فضا میں نمودار ہوئیں اور یہ آگ بھیاںک طریقے سے بجنے پر برسنے لگی۔ چیخا ہوا مجمع، ایک لمحے کے لئے خاموش ہوا اور اس کے بعد جو خوفناک بھگدڑ مچی۔ تو لاتعداد انسان بھگدڑ ہی کا شکار ہو گئے

اور بہت سے اپنے جسموں کی آگ بجھانے میں سرگرداں، لیکن اس کے بعد موت میں تبدیل ہونے والے تھے اور جو خوفناک ہنگامہ مچا۔ اس نے ہر چیز نگاہوں سے اوجھل کر دی اور انہیں ہومان نظر نہ آیا کہ بد بخت نجانے کہاں چھپ گیا تھا۔ سب کھڑے ہو گئے تھے اور خوفزدہ نگاہوں سے اس حشر سالانی کو دیکھ رہے تھے۔ انسان کی اس قدر بے قدری اس سے پہلے کبھی نہیں ہوگی۔ ہر شخص ایک دوسرے کو روندھ کر بھاگ جانے کی فکر میں تھا اور بے شمار افراد قدموں تلے روندھ کر زندگیاں ختم کر بیٹھے تھے اور آگ سے جلنے والے دوڑتے ہوئے دوسروں کے جسموں کو آگ لگا رہے تھے۔ چنانچہ یہ سب کے سب اس ہولناک منظر کو دیکھنے لگے اور کال اور اس کی ساتھی ٹولی، جس نے اپنے آپ کو الگ ہی الگ رکھا تھا۔ حیران نگاہوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کیسے ہو گیا لیکن ان کے دل لرز رہے تھے اور اب بھلا کون تھا جو دیوی دیوتاؤں کی صحیح حیثیت کو نہ سمجھ سکتا کہ ایسی آگ تو کسی نے نازل ہوتے ہوئے نہ دیکھی تھی۔ بارود کے ٹیلوں نے جو دھماکے کئے تھے انہوں نے پتھروں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا تھا اور آگ دور دور تک برسی تھی لیکن اس وقت یہ ضروری تھا کہ یہ لوگ اپنا بھی تحفظ کریں کیونکہ کوئی بھی غلط صورتحال ہو سکتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے بھی پیچھے ہٹنا شروع کر دیا اور فینٹ نے کال کو غائب کر کے کہا۔

”پجاری تو اپنے ساتھیوں کو لے کر پیچھے ہٹ اور ہمارے ساتھ چلتا ہوا اس جگہ آ جہاں ہم نے اپنا ٹھکانہ بنایا ہے۔۔۔۔۔ تو کال کے پجاریوں نے انہیں اپنے تحفظ میں لے لیا اور بڑے بڑے بھالے سیدھے کر لئے نادر نے دونوں ہاتھوں سے پستول سنبھالے ہوئے تھے اور انہیں دوبارہ لوڈ کر لیا تھا تاکہ اگر مجمع میں سے کچھ افراد یا پھر ہومان کے سازش ابری اگر ان کا تعاقب کریں تو انہیں موت کے گھاٹ اتارا جائے اور اس کے بعد یہ ضروری تھا کہ ان تمام لوگوں کو جو ان کے ساتھ آئے تھے اور جو ڈاکٹر آر تھر کے وفادار تھے ہندو قیوں دے دی جائیں۔ اب صورتحال ایسی ہو گئی تھی کہ ان لوگوں کو اپنے تحفظ کے لئے خونریزی کے بغیر چارہ کار نہیں تھا اور اس وقت بھی انہوں نے جو کچھ دیکھا تھا اس سے انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ لاتعداد لوگ موت کے گھاٹ اترے ہیں۔ اب اس کا رد عمل یا ہو گا یہ دیکھنا تھا۔“



انسانی خون کے بننے کے جتنے دلدوز واقعات ان لوگوں نے دیکھے تھے اس کے بعد اب

”کال نے کہا ”کہ صدیوں پہلے جب دیوی اور دیوتا یہاں سے رخصت ہو گئے تھے تو وہ ہومان کے خُدا اجد ہی تھے۔“ جنہوں نے دیوی دیوتاؤں کو ناراض کر دیا اور ہماری بستیوں پر اندھیرا اتر آیا اور اب جب روشنی والے دوبارہ آسمانوں سے اتر کر اپنا غصہ ٹھنڈا کر کے یہاں پہنچے ہیں تو وہی عمل کیا اس نے جو اس کے آباؤ اجداد نے کیا تھا اور ایک بار پھر دیوی دیوتاؤں کو ناراض کر دیا گیا جس کا نتیجہ دیکھ لیا یعنی آسمان سے برستی آگ۔ جس نے بے شمار افراد کو موت کے گھاٹ سلا دیا اور اس وقت اس جگہ پر بے شمار لاشیں پڑی ہوئی ہیں جہاں زیارت کرنے والے جمع تھے لیکن سب شرمندہ ہیں اور اپنے کئے پر نادم، اور اب وہ اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ کوئی زبردست تباہی ان پر نازل ہونے والی ہے۔ گویا اب ہومان ان سب کی نظروں میں مجرم بن گیا اور ہومان کا دور ختم ہوا اور طویل عرصے سے یہ شخص اندھیرے والوں کے لئے زندگی کا عذاب بنا ہوا تھا۔ اور یہ تو ان کی عادت بن چکی تھی کہ وہ پستے ہوئے خون کے رسیا ہو گئے تھے اور غلط فہمیوں کا شکار۔ لیکن اب وہ یہ ہی کہتے ہیں اور شاید ایک بھی گھراہیا نہیں ہے جس سے یہ ہی آواز بلند ہو رہی ہو کہ ہومان ان کا قاتل ہے اور وہ ضرور ہومان کو تلاش کر لیں گے۔ بہر حال یہ بات تو طے ہوئی کہ ہومان کا اقتدار ختم ہو گیا۔ اب دیوی اور دیوتا یہ فیصلہ تم لوگوں کو کرنا ہے کہ آگے کے لئے کیا کیا جائے۔“

اس کے بعد نادر کے مشورے سے یہ طے پایا کہ کال بڑے پجاری کی حیثیت سنبھال لے اور الایا کی سرداری کا دوبارہ اعلان کیا جائے اور اندھیرے والوں کو ایک بار پھر وہاں جمع کر لیا جائے لیکن اس سے پہلے ان سے کہا گیا کہ وہ تمام لاشیں وہاں سے اٹھا کر ان کی آخری رسومات ادا کر دیں اور اس کے بعد کال اور الایا چلے گئے۔ اور یہ سب خوشیاں منانے لگے۔ نادر نے فینٹ سے کہا۔

”اور اس وقت یہ بات کہنا بالکل بے معنی ہے کہ ہم سب میں سے ہر شخص اپنا اپنا کام اس خوش اسلوبی سے کر رہا ہے جیسے اس سے پہلے بھی یہی کرتا چلا آیا ہو ایک طرف بیش اپنی نساوینت کے خلاف سارا عمل کر رہی ہے اور ایسے موقع پر بولتی ہے کہ میں خود حیران رہ جاتا ہوں۔ تو دوسری طرف فینٹ اور باقی تمام لوگ یعنی مونٹا، کوہالہ، اور ہمارے یہ ساتھی سب کے سب اپنا فرض سرانجام دے رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ جب کامیابیاں مقدر بنتی ہیں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔“ تو پھر انہوں نے آپس میں یہ بات بھی کی کہ ہو سکتا ہے الایا یا کال ان ہیروں اور سرخ پتھروں کی تلاش میں مدد دیں جن کے لئے

ان کا دل بھی سخت ہوتا جا رہا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ الایا، بہترین معاون ثابت ہوا تھا اور اس کی وجہ سے کال بھی ان کا ساتھی بن چکا تھا۔ اس کے باوجود اب یہ لوگ غیر محتاط نہیں رہ سکتے تھے چنانچہ نادر نے میشل اور فینٹ کی مدد سے ان لوگوں کو ہوشیار کیا اور کہا۔

”میرے دوستو! میں جانتا ہوں کہ صرف ایک شخص کی وجہ سے باقی تمام افراد مشکل کا شکار ہیں اور وہ میں ہوں لیکن اب ہماری مشکل مشترک ہو چکی ہے۔ بعد میں اگر تم میرے کسی قدم سے متاثر ہو کر مجھے کوئی سزا دو گے تو میں اسے خوشی کے ساتھ قبول کروں گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ہم سب کی زندگیاں خطرے میں ہیں۔ چنانچہ غفلت کا ایک لمحہ ہم سب کی موت بن جائے گا۔ مستعد رہو اور صورتحال پر نظر رکھو اور دشمنوں پر گولیاں برسانے کے لئے تیار۔ کہ جب تک ہمیں یہ پتا نہ چل جائے کہ ہمارے اس عمل کا کیا رد عمل ہوتا ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہم کس طرح بچیں گے“ اور پھر کچھ وقت کے بعد کال کے اپنے پجاری بھی وہاں پہنچ گئے اور یہ ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ لیکن وہ ہتھیار جو ان کے اپنے تیار کئے ہوئے تھے۔ لمبے لمبے بھالے کھڑے خنجر وغیرہ لیکن انہوں نے بہت فاصلے پر اپنا ٹھکانہ بنایا تھا اور دیوی اور دیوتاؤں کے قریب پہنچنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پھر یہ دن گذرا اور دوسرے دن کا آغاز ہوا۔ رات کو بہت دیر تک میشل اور دوسرے تمام افراد مشاورت کرتے رہے تھے اور یہ سوچتے رہے تھے کہ اب انہیں کیا کرنا چاہئے۔ انہوں نے اپنے طور پر ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا لیکن دوسری صبح اس وقت جب سورج نہیں نکلا تھا فیصلہ ہو گیا۔ کال، اور الایا، کچھ افراد کے ساتھ آئے تھے اور اپنے ساتھ تحفے تحائف لائے تھے۔ شہر میں البتہ بالکل خاموشی طاری تھی اور کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی لیکن کال اور الایا کے چہرے خوشی سے کھلے ہوئے تھے۔ انہوں نے آکر معمول کے مطابق تعظیم دی پھر الایا نے کہنا شروع کیا۔

”عظیم دیوتا، آسمانوں سے اترنے والی، دیوی، وہ لوگ راہ راست پر آگئے ہیں اور اس وقت ہر گھر خاموش ہے اور دلی دلی سسکیاں اور آہیں بھر رہا ہے۔ وہ سب یہ جانتے ہیں کہ انہوں نے برا کیا اور شاید تم سمجھ نہ پاؤ کہ اس وقت بے شمار افراد ان تمام کہیں گاہوں کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں جس میں ہومان رہتا تھا اور ہر ایک یہ ہی کہتا ہے کہ بڑا پجاری غدار تھا دیوی اور دیوتاؤں کا، اور کال نے کچھ نئی کمائیاں ان کے درمیان پھیلا دی ہیں۔“

”وہ کیا۔۔۔۔۔؟“ فینٹ نے پوچھا۔

ان لوگوں نے یہاں تک آنے کی مشکلات اٹھائی ہیں لیکن میشل نے کہا۔

”یہ ممکن نہیں ہو گا اور میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ اس کا تذکرہ کرنا بھی خطرناک ہو گا کیونکہ یہ لوگ سمجھ جائیں گے کہ ہم جھوٹے ہیں اور صرف سرخ پتھروں کی تلاش میں یہاں تک آئے ہیں۔“

”مگر ان کے حصول کا ذریعہ کیا ہو گا۔۔۔۔۔؟“

”عظیم آقا۔۔۔۔۔ یہ ہم بعد میں سوچیں گے پہلے ذرا یہاں کے حالات سے فراغت حاصل ہو جائے“ اور اس بار وہ اپنی مرضی سے اس بات کے نزدیک گئے تھے جہاں مجمع جمع ہوتا تھا اور یہ تیسرے دن کی بات ہے اور اس وقت بھی وہ تمام لوگ وہاں موجود تھے۔ جو مشکلات اٹھا کر گئے تھے اور ان کی خوفزدہ نگاہیں اپنے اطراف کی بلندیوں پر جھٹک رہی تھیں کہ کب اور کہاں سے ان پر موت نازل ہو جائے“ تو کچھ لمحات کے لئے خاموشی اختیار کی گئی اور اس کے بعد منصوبے کے مطابق میشل نے اپنی حسین آواز میں کہا۔

”اندھیرے کے باسیو! اور آج کے بعد میں تمہیں اندھیرے کا رہنے والا نہیں کہوں گی کیونکہ بس ایک مشکل وقت جا رہا ہے۔ جب آسمانوں سے روشنی اترنے والی ہے اور اس کے بعد تم پر برکتوں کا نزول ہو گا۔ لیکن صبر ضروری ہوتا ہے اور وقت کا انتظار سب سے اہم، لیکن وہ غدار جس کے بارے میں اب تم لوگوں کو علم ہو گیا ہو گا کہ اسی نے ہمیں ناراض کر کے واپس آسمانوں پر جانے پر مجبور کیا تھا اور ہم تو یہ ہی سوچ رہے تھے کہ ہماری واپسی بے حد ضروری ہے کیونکہ یہاں تم لوگ اس قابل نہیں ہو کہ تم پر برکتیں نازل کی جائیں۔۔۔۔۔“

لیکن میشل خاموش ہی ہوئی تھی کہ چاروں طرف سے رونے پینے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ وہ اپنا سینہ پیٹ رہے تھے اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے اور اپنی زبان میں کچھ کہتے بھی جا رہے تھے۔ جو بہت بعد میں سمجھ میں آیا کیونکہ سارا مجمع بیک وقت ایک ہی آواز میں کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا اور جو وہ کہہ رہے تھے وہ یہ تھا۔

”اے آسمانی دیوی! اے چاندنی بیٹی! اے دیوتاؤں کی اولاد! اور اے مقدس دیوی! اور ہمارے عظیم دیوتا! کہ جس کو ہم نے ساری زندگی پوجا۔ ہم سے غلطی ہوئی تھی۔۔۔۔۔ لیکن اس کا محرک ہومان تھا اور ہم تجھے یقین دلاتے ہیں کہ غدار کو زمین کے سوراخوں سے نکال لائیں گے اور قربان گاہ پر تیری اجازت سے آخری قربانی پیش کریں گے یعنی ہومان کی، اور اس کے ان پجاریوں کی جو یہاں برائیاں پھیلاتے تھے۔ اور یہ تو ہم میں بعد میں ہی

انکشاف ہوا کہ وہی ہماری تباہی کا سبب تھا اور ہم نے اسے نہ پہچانا اور ہم معافی چاہتے ہیں اور اگر تو اپنے کمال اور اپنی مہربانی سے ہمیں اس بار معاف کر دے تو ہم اس کے بعد تیری اطاعت سے گریز نہیں کریں گے اور صرف وہی کریں گے جو تیرے احکامات ہوں گے۔“ تو یہ ساری باتیں سننے کے بعد میشل نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور ان لوگوں کو خاموش رہنے کی ہدایت کی پھر اس نے کہا۔

”جاؤ۔۔۔۔۔ اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔۔۔۔۔ اور اپنے معمولات جاری رکھو اور ہو سکے تو ہومان کی تلاش بھی جاری رکھو اور جب بھی وہ تمہیں دستیاب ہو جائے اسے نکال لاؤ اور وہ ہمارے خلاف بہت کچھ کرے گا لیکن اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اپنی دیوی اور دیوتاؤں کو بچاؤ اور ان کے لئے حفاظت کی دیواریں کھڑی کرو کہ وہی تمہیں وہ سب کچھ دیں گے جو تمہاری طلب ہے“ اور خوشیوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ کال اور الایا بھی خوش تھے اور لوگوں سے نعرے لگوا رہے تھے۔ گویا کچھ وقت کے لئے ماحول سازگار ہو گیا تھا اور بظاہر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے مشکل کا وہ وقت ٹل گیا ہے جو ان پر آپڑا تھا۔ ساری باتیں ایسی تھیں جن پر ان لوگوں کے لئے خوشیاں ضروری ہو گئی تھیں۔ پھر یہ جب کامیاب اور کامران اپنی رہائش گاہ پر پہنچے تو ہر شخص بے حد خوش تھا۔ فینٹ خوشی سے قہقہے لگا رہا تھا۔ اندر پہنچ کر اس نے کہا۔

”اگر یہ جگہ کشادہ ہوتی اور اگر آوازیں باہر جانے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں فتح کا رقص کرتا عظیم آقا ہمیں واقعی پہلی فتح حاصل ہوئی ہے۔“ لیکن نادر اواس تھا۔ اس نے کہا۔

”آہ۔۔۔۔۔ کاش!۔۔۔۔۔ ہم سب زندہ سلامت اپنی دنیا میں پہنچتے بھی ہیں یا نہیں اور اس کے لئے ہمیں کتنا وقت لگے گا۔۔۔۔۔“ تو میشل نے نادر کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں مسٹر نادر، اتنی کامیابی کے بعد مایوس ہونے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔۔۔۔۔“ پھر اس نے جلدی سے نادر کے بازو پر سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا اور عجیب سی نگاہوں سے گردن سمجھا کر فینٹ کی طرف دیکھنے لگی۔ فینٹ کے حلق سے ایک قہقہہ آزاد ہو گیا تھا۔



کچھ وقت کے لئے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے حالات بالکل پر سکون ہو گئے ہوں۔ سب سے بڑی بات ان کے لئے الایا اور کال کا تعاون تھا۔ وہ ان کے غلام بن گئے تھے۔ کال

افراد کو گولی ماری تھی۔ اس وقت تیسری گولی میں ہومان پر بھی چلا سکتا تھا اور اس کے بعد شاید یہ سب کچھ نہ کرنا پڑتا جو ہم نے کیا لیکن میں نے سوچا تھا کہ ہو سکتا ہے وقت اس میں تبدیلی لے آئے اور مجھے ایک اور شخص کی زندگی سے ہاتھ نہ رکتا پڑیں لیکن وہ بد بخت موت کے قابل ہی ہے کہ نجانے کب سے سینکڑوں انسانوں کو اپنی ہوس کی بھیشت چڑھاتا رہا ہے اور قربانی کی یہ رسم اس نے اپنے مخالفین کو راستے سے ہٹانے کے لئے ہی ایجاد کی ہے۔“ فینٹ سے باتیں کرتے ہوئے نادر نے کہا۔

”اور مذہب دنیا میں بھی یہ ہی ہوتا ہے۔ یہاں ایک ہومان ہے لیکن وہاں ہزاروں ہومان اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے انسانی زندگی سے کھیلے آئے ہیں۔ آہ کاش مذہب دنیا کے لوگ بھی ایسے ہومانوں کو تلاش کر کے اسی طرح موت کے گھاٹ اتار دیں اور اس وقت تک اپنے چرے نہ کھولیں جب تک ایک بھی ہومان ان کے درمیان باقی رہے۔“ تو پھر وقت گزرنے لگا۔۔۔۔۔ اور نادر کے ساتھ ساتھ فینٹ بھی اس عظیم کھائی کا جائزہ لیتے رہے جو انتہائی ہولناک تھی اور جس میں وہ خوفناک درندہ رہتا تھا۔ جو سینکڑوں انسانوں کو اپنی خوراک بنا چکا تھا۔ ایک بار نادر نے ایک پتھر کے کنارے بیٹھ کر افسوس بھرے انداز میں کہا۔

”زندگی دیوانگی کی اجازت نہیں دیتی۔ ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ موت ایک دن ہم تک پہنچے گی لیکن کسی مقصد کو پانے کے لئے کوئی اندھی چھلانگ نہیں لگائی جاسکتی۔ فینٹ میرے دوست۔۔۔۔۔ تو نے میرا جس طرح ساتھ دیا۔ وہ ایک مثال ہے اور بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے کسی کے مقصد کے لئے اپنی زندگی کو اس طرح داؤ پر لگا دیا اور ایسی ہی مثال میشل، کوہالہ اور مونٹا کے ساتھ ساتھ ان سیاہ فاموں نے بھی پیش کی ہے۔ کاش میں ان کی اس محبت کا انہیں بھرپور صلہ دے سکتا لیکن یہ میرے بس میں نہیں ہے۔ البتہ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم یہاں سے واپسی کا فیصلہ کریں۔ فینٹ نے حیرانی سے نادر کو دیکھا۔ نادر کے چرے پر حسرت و یاس کی پرچھائیاں رقصاں تھیں اور فینٹ کے دل کو ایک عجیب سا دھکا لگا اس نے کہا۔“

”عظیم آقا۔۔۔۔۔ یہاں پہنچنے کے بعد اور یہ معلوم کرنے کے بعد کہ ہمارا مطلوبہ نژاد ہم سے کچھ فاصلے پر ہے کیا تم بدول ہو کر واپس چلے جانا چاہتے ہو۔“

”میں تھک گیا ہوں فینٹ۔۔۔۔۔ اور شاید اپنے مقصد کی تکمیل کرنے میں ناکامی میں یقین کر چکا ہوں ممکن نہیں ہے۔۔۔۔۔“

نے اپنے پجاریوں کو اکٹھا کر لیا تھا اور ان کے ذریعے پوجا پاٹ کا کام شروع کرنے والا تھا۔ ادھر الایا جس کی صحیح معنوں میں ان لوگوں نے زندگی بچائی تھی۔ ان کا تہہ دل سے شکر گزار تھا اور ان کے ہر حکم پر گردن خم کر کے کام کرنے کا عادی۔ جب صورتحال کو انتہائی مناسب پایا گیا تو طے کیا گیا کہ باہر نکل کر ماحول کا جائزہ لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ اب اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے دوسرا قدم اٹھانے کے لئے کیا کارروائی مناسب رہے گی اور ہر حال اس سلسلے میں فینٹ اور میشل کو تو احتیاط برتنا تھی۔ کیونکہ اگر دیوی دیوتاؤں کا بھرم کھل گیا تو پھر ان کے پاس کچھ نہیں رہے گا وہ اندھیرے کے وحشیوں کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے۔ یہ لوگ صرف وحشت کے ریساتھے اور ان کے ذہنوں میں کوئی صحیح بات بٹھانے کے لئے اتنی ہی صدیاں درکار تھیں جتنی صدیوں میں وقت نے انہیں وحشی بنایا ہو گا۔ ہاں انہوں نے ایک دلچسپ صورتحال بے شک دیکھی جب وہ باہر کی سیر کے لئے نکلے اور کال کے پجاری ان کے آگے آگے چلے تو بستی والوں میں سے جو کوئی بھی نظر آیا۔ وہ ان کے سامنے سے دوڑ پڑا اور حیران رہ گئے۔ پھر جب دوسری بار انہوں نے اندھیرے کی آبادیوں کی سیر کی تو دوسرا عجیب منظر دیکھا وہ یہ کہ وہاں کے تمام لوگوں نے اپنے چرے کسی نہ کسی شے سے ڈھکے ہوئے تھے اور صرف آنکھیں کھول رکھی تھیں۔ اس عجیب و غریب بات کی تشریح بعد میں الایا نے یوں کی۔

”مقدس دیوتا اور عظیم دیوی۔ ان لوگوں کے ذہنوں پر یہ احساس سوار ہو گیا ہے کہ انہوں نے دیوی اور دیوتاؤں کی توجہ کی ہے اور جھوٹے پجاری کے فریب میں آکر انہیں خود سے ناراض کر دیا ہے اور جب تک وہ ہومان کو گرفتار کر کے دیوی کے قدموں میں نہیں لا ڈالیں گے۔ اس وقت تک وہ اپنے چرے دیوی دیوتاؤں کو نہیں دکھائیں گے۔“

”تو کیا وہ ہومان کو تلاش کر رہے ہیں۔“

”پہلے تو یہ بات نہ مجھے معلوم تھی اور نہ سردار الایا کو۔۔۔۔۔ لیکن اب یہ پتا چلا کہ طاقتور اور توانا لوگوں کے گردہ کے گردہ، ٹولیوں میں بٹ کر ہومان اور اس کے پجاریوں کی تلاش میں نکلے ہیں اور زمین کے چپے چپے پر انہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ مقصد یہ ہی ہے کہ جب تک ہومان کو لے کر نہیں آجائیں گے دیوتاؤں کے سامنے منہ نہیں کھولیں گے۔۔۔۔۔“ تو نادر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا ہی دلچسپ بات ہے اور لگتا ہے کہ ہومان کی بد بختی نے واقعی اس کا پیچھا گھیر لیا ہے۔ حالانکہ وہ اس وقت جب اس نے قربانی کا حکم دیا تھا اور میں نے نجات مجبوری ان“

”تو پھر عظیم آقا۔۔۔۔۔ کیا کرو گے۔۔۔۔۔“

”کچھ نہیں کیا جا سکتا تو دیکھ چکا ہے۔۔۔۔۔ خزانے کے بارے میں ہمیں بے شک علم ہو گیا اور بے چاری کو ہالہ نے غلط نہیں کہا تھا۔ یعنی اس نے کہا تھا جو ہے تو وہ ہے لیکن اس کا حصول کتنا ناممکن ہے۔ یہ تو جانتا ہے اور جس چیز کا حصول ناممکن ہو اس کی تلاش میں بیٹھے رہنا کیا معنی رکھتا ہے۔ ہم یہاں عمر کی آخری حد بھی گزار لیں گے۔ کیا فائدہ ہو گا۔ کم از کم ان لوگوں کو زندہ سلامت اپنی دنیا تک پہنچ جانے دے اور سن ہم یوں کریں گے کہ اب اپنی دنیا میں واپس نہیں جائیں گے۔ کم از کم میں تو یہ ہی ارادہ رکھتا ہوں اور جیسا کہ مجھے تیرے بارے میں معلوم ہوا۔ تیرا بھی ایسا کوئی نہیں ہے جس کے لئے تو بے قرار ہو۔ تو یوں کریں گے ہم کہ میشل کے اور ڈاکٹر آر تھر کے بتائے ہوئے اس مکان میں جا کر مقیم ہو جائیں گے اور زندگی کا بقیہ وقت ان سیاہ فاموں کی خدمت کرتے ہوئے گزاریں گے۔ جنہوں نے ہمارے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔۔۔۔۔“

خاموش رہا پھر اس نے کہا۔۔۔۔۔
”کچھ وقت تو گزرنے دو۔۔۔۔۔ میرے معزز دوست۔۔۔۔۔ کچھ وقت تو گزرنے دو۔۔۔۔۔ تھوڑا سا انتظار کر لو۔“

”ہاں یہ ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ لیکن اس کا فائدہ کچھ نہیں ہو گا۔“

”فائدے اور نقصان کی بات ابھی نہ کی جائے تو بہتر ہے۔“ فینٹ نے کہا پھر تقریباً ”آٹھ یا دس دن گزر گئے۔ اب وہ لوگ ان آبادیوں میں گھوم پھر سکتے تھے۔ چرے کپڑوں سے ڈھکنے والے ابھی تک اپنے چرے کپڑوں ہی سے ڈھکے ہوئے تھے اور اب وہ بہت شرمسار تھے۔ درحقیقت ان کا ذہن پلٹنے میں نادر کی ذہانت نے ساتھ دیا تھا۔ ورنہ صورتحال بالکل ہی مختلف ہوتی اور پھر وہی ہوا۔ وحشت خیز اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ ہومان کو گرفتار کر لیا گیا اور رسیوں میں باندھ کر اسے لے آیا گیا۔ سردار الایا کے ذریعے ان لوگوں نے دیوی اور دیوتا کو پیغام بھیجا اور اپنا ایک نمائندہ مقرر کیا اور ان سے کہا کہ دیوتاؤں کو ان کی معذرت پہنچا دی جائے اور یہ بھی کہا انہوں نے کہ اب وہ دیوی اور دیوتا کے درشن چاہتے ہیں۔ تو پھر یوں ہوا کہ وقت مقرر ہو گیا اور کال کے ذریعے ساری باتیں طے ہوئیں۔ وہ شخص جو اندھیرے کے رہنے والوں کا نمائندہ بن کر آیا تھا۔ جب سنگی بت کے سامنے قریان گاہ پر پہنچا تو اس نے سب سے پہلے سجدہ ریز ہو کر دیوی دیوتاؤں سے اپنے گناہ کی معافی مانگی اور میشل اور فینٹ سنگی چبوترے پر موجود تھے اور ان کے لئے کرسیاں ڈالی گئی

نہیں اور ہومان جس کا چہرہ وحشت سے سفید ہو رہا تھا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اسے اس جگہ رکھا گیا جہاں قربانی دینے والوں کو رکھا جاتا تھا اور اس کے عقب میں دو افراد مستعد کھڑے ہوئے تھے۔ تو رونے والے نے اپنے پیچھے اپنی قوم کو سجدہ ریز دیکھا پھر دو زانو ہو کر بولا۔

”مقدس دیوی شیوالا اور آسمانوں سے اترنے والے عظیم دیوتا زام ہم گناہگار ہیں کہ ہم نے تمہارے تقدس پر شک کیا اور ہمارے گناہوں کی سزا آسمان سے برسنے والی آگ تھی۔ جس نے ہم میں سے بیشتر کو زندگی سے محروم کر دیا اور ہم اسی قاتل تھے اور جو ہوا ہم اس پر صرف اس لئے شرمندہ ہیں کہ وہ غلط ہوا اور ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ تو عظیم دیوتا ہم تو تمہارے اپنے ہیں اور ہم بہت ہی غم زدہ کہ ہمیں اپنے کئے پر بے حد شرم ہے اور ہم اسے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ہم معافی کے طلبگار ہیں اور وہ شیطان جس نے ہم پر اندھیرا مسلط کر رکھا تھا اور جو درحقیقت اسی قاتل تھا کہ اس کے ساتھ یہ ہی سلوک کیا جائے تو ہم اسے تیرے سامنے لے آئے ہیں اور اب مجبوری ہے۔ ہمیں آخری اجازت دے کہ ہم اس کے پیروکاروں کو زندگی سے محروم کریں اور اسے پانی والے کی نذر کر دیں۔ یہ آخری قربانی ہو گی پانی والے کی، اس کے بعد تیرے غلام کال کی حکومت ہو گی اور ہم کال کے احکامات پر عمل کریں گے۔ اپنے مقدس رحم کو ہم پر نازل کر اور ہمیں اس کی اجازت دے۔۔۔۔۔ ایک عجیب سی بے چینی ان سب کے دل میں پیدا ہو گئی تھی۔ بات جو کچھ بھی تھی لیکن انسانی زندگیوں کا ضیاع تو کسی کو پسند نہیں تھا جبکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ لوگ اس سے باز نہیں آئیں گے تو اب تو مجبوری تھی اور کچھ ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ نادر نے میشل کو اشارہ کیا اور میشل نے مقدس قربانی کی اجازت دے دی کہ وہ دگ جانتے تھے کہ اگر ہومان زندہ رہا تو انہیں زندہ یہاں سے واپس نہیں جانے دے گا۔ وہ فطرتاً شیطان تھا اور اس کے علاوہ اس سے اور کوئی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔ میشل نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ بروں تو ختم کر دیا جائے تاکہ قربانی کی رسم ختم ہو اور اس کے داندھیرے میں رہنے والا ہر شخص اپنے طور پر سکون کی زندگی گزار سکے اور انسانوں کو زبان کرنا کسی بھی طور جائز نہیں کہ وہ تم میں سے ہیں اور وہ تم ہی ہو جو اپنوں کو روتے ہو اور جو یہ کام کرتا ہے اسے ختم کر دو تاکہ تمہارے درمیان روشنی آجائے۔۔۔۔۔“

پھر ان سب کو آنکھیں بند کر لیتا پڑی تھیں۔ بھوکے بھٹیڑے اپنے اپنے ہتھیار لے کر باریوں پر پل پڑے تھے اور زمین پر خون اس طرح بنے لگا تھا کہ مانو بارش ہوئی ہو اور

خون کی کچھڑ چاروں طرف پھیل گئی تھی ان کے خون کی پیاس صدیوں تک نہیں بجھے گی اور پھر ہومان گڑ گزرائے لگا۔ اس نے زور زور سے دیوی اور دیوتاؤں سے معافی مانگی لیکن وہ تو معافی دینے کے قابل ہی نہیں تھا۔ یہ وہی تو تھا جس نے نجانے کب سے اور جس کے خاندان نے نجانے کتنے عرصے سے انسانوں کے خون سے ہولی کھلی تھی اور وقت اب اس کے خلاف ہو گیا تھا تو کوئی کوشش کارگر نہیں ہوئی اور اس کے پیچھے کھڑے ہوئے لوگوں نے اسے پانی میں دھکیل دیا ہومان کی دلخراش چیخ ابھری۔ پانی کی سطح پر وہ ہچکولے کھائے لگا اور پھر وہی گنبد نما سر نمودار ہوا اور لحوں کے اندر ہومان اس کے جڑوں میں غائب ہو گیا اور پھر آبادی کے لوگوں نے چرے کھول دیے اور میشل نے انہیں روشن اور برکتوں کی دعائیں دیں لیکن یہ کام اس نے بڑی مشکل سے کیا تھا جو ہولناک منظر ان کی نگاہوں کے سامنے آ چکا تھا۔ اس سے تو برسوں نجات حاصل نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ لوگ اپنی آرام گاہ میں پہنچ گئے۔ اور اس بات پر تبادلہ خیال کرنے لگے۔۔۔۔۔ ان کا بدترین دشمن بہر حال کیفر کردار کو پہنچ چکا تھا۔

”ان دشمنوں کو کبھی ختم نہیں کیا جا سکتا ہومان اور اس کے وحشی پجاری مرچکے ہیں لیکن اس کے بعد دوسرے وحشی ان کے درمیان پیدا ہو جائیں گے اور پھر وہی کھیل شروع ہو جائے گا اقتدار کے راستے خون کی ندی لے کر گزرتے ہیں اور یہ کھیل تو ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا شاید یہی قانون قدرت ہے اور کون جانے زمین کے اس دوسرے طبق میں اور کہاں کہاں آبادیاں ہوں اور نیچے رہنے والوں کے کتنے قبیلے ہوں اور ان کی کیا رسمیں ہوں۔ کون جانے۔۔۔۔۔“



وقت مسلسل آگے بڑھ رہا تھا اور ان لوگوں کی سوچیں ان پر مسلط تھیں۔ نادر بھی مہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اب اس سے زیادہ یہاں رکنا بڑی حماقت کی بات تھی۔ اس نے میشل سے کہا۔ ”میشل ہمیں یہاں سے روانہ ہونے کے لئے تمہاری اور فینٹ کی مدد درکار ہے۔“ میشل نے چونک کر نادر کو دیکھا اور بولی۔

”تو کیا آپ واپسی کا فیصلہ کر چکے ہیں مسٹر نادر۔۔۔۔۔“

”اب یہاں رکنا حماقت کے سوا کچھ نہیں ہے اور ہم یوں کریں گے ایک اور جھوٹ ان سے بولنا پڑے گا۔“

”کیسا جھوٹ۔۔۔۔۔“

”ہم ان سے کہیں گے کہ برائی اور بدکاری کا دور ختم ہوا اور امن وامان کی زندگی کا آغاز ہوا۔ امن کی دیوی اس شہر کے لئے روشنی کی تلاش میں جانا چاہتی ہے اور ہمیں اس کے لئے کچھ دور جانا پڑے گا۔ بس پھر ہم یہاں سے انتظام کر کے واپس چلیں گے اور اپنی دنیا میں واپس جانے کی کوشش کرس گے حالانکہ یہ ایک سخت مشکل کام ہے لیکن جس طرح ہم نے مشکلات کا سفر طے کر کے یہاں تک پہنچنے کی جدوجہد کی ہے۔ وہی جدوجہد ہمیں ہماری منزل پر لے جائے گی۔“ میشل نے افسردگی سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”اور میں اس بات پر ہمیشہ دکھ کرتی رہوں گی کہ ہم منزل پر پہنچ کر بھی اپنا مقصود نہیں پاسکے۔“

”کچھ فیصلے تقدیر کے بھی ہوتے ہیں میشل۔۔۔۔۔“ نادر نے پھینکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا لیکن فینٹ کو ابھی اس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ نادر جانتا تھا کہ وہ ایک جذباتی انسان ہے اور ادھر فینٹ تھا کہ پچھلے کافی دنوں سے کچھ بے چین سا نظر آ رہا تھا۔ نجانے یہ بے چینی اس پر کیوں مسلط تھی۔ پھر اس نے خفیہ طور پر رات کی تاریکیوں میں اس علاقے میں گشت شروع کر دیا۔ وہ پتھر کے بت کے پاس آ جاتا اور کھائی کے کنارے بیٹھ کر نیچے جھانکتا رہتا۔ اس کی آنکھیں شاید کھائی میں چمکتے ہوئے روشن پتھروں کو تلاش کرتی تھیں اور بار بار اس نے کال سے اس بارے میں بات بھی کی اور کال اپنی عقیدت میں اسے ہر وہ بات بتاتا رہا جو اس کے علم میں تھی۔ پھر فینٹ نے کچھ مخصوص تیاریاں کیں اور ایک رات وہ مونٹا کے پاس پہنچا۔ اس نے سوتے ہوئے مونٹا کو جگا کر کہا۔

”تو میرے پاس آ۔۔۔۔۔ مجھے تجھ سے کچھ بات کرنی ہے۔۔۔۔۔“ اور مونٹا حیران

حیران سا اس کے ساتھ آگیا۔۔۔۔۔ تو فینٹ نے اس سے کہا۔

لے وہاں کھڑے ہو کر اندر جھانکا اور پھر اپنے سینے پر مقدس نشان بنایا اور دوسرے لے
اس نے گہری کھائی میں چھلانگ لگا دی۔۔۔۔۔

چونکہ یہ چھلانگ بالکل ہی اضطراری تھی اور ایک طرح سے خودکشی کی کوشش، چنانچہ
بچنے کے سبکی کنارے پر گرنے سے بال بال بچا اور اس سے صرف چند انچ دور پانی میں
گرا۔۔۔۔۔ ایک تو وہ کافی دور سے پانی میں گرا تھا۔ پھر ذرا بے نیکی انداز میں اس نے
چھلانگ لگائی تھی۔ اس لئے اتنی گہرائی میں اتر گیا کہ اسے خیال آیا کہ اب وہ کبھی ابھر
نہیں سکے گا لیکن پانی نے چند ہی لمحوں کے بعد اسے اوپر دھکیل دیا اور وہ سطح پر آگیا۔ سطح
پر آتے ہی اس نے غور کیا کہ بائیں سمت تیرنے میں فائدہ ہے۔ اس طرف پانی کا بہاؤ بھی
بہتر ہے۔ ست تھا اور اس طرف ایک چٹان بھی گھونگھٹ کی طرح سطح پر جھکی ہوئی تھی۔ وہ
اس چٹان تک پہنچ گیا اور اس نے سطح پر اپنا ایک ہاتھ بڑھایا اور چٹان کا سرا مضبوطی سے
پکڑ کر اس پر لٹک گیا یہاں رک کر وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آگے صورتحال کیا ہے۔ نجانے
کیوں پانی میں ہلچل نہیں مچی تھی جو چھپا کا ہوتے ہی فوراً شروع ہو جاتی تھی۔ پھر اس نے
اپنے سینے کے پاس سے وہ ہتھیار نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جو اس نے دو لمبے چاقوؤں
کی مدد سے بنایا تھا۔ اس طرح کہ اس کا ایک سرا اوپر تھا اور دوسرا نیچے اور درمیان سے
اسے رسی سے اس مضبوطی سے باندھ دیا گیا تھا کہ کسی بھی صورت میں دونوں خنجر ایک
دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ اس کے علاوہ اس نے اپنی کمر کے گرد لپٹی ہوئی رسی کا تھوڑا سا
سرا بھی کھول لیا تھا۔

وہ پوری منصوبہ بندی کے ساتھ نیچے آیا تھا چنانچہ یہاں رک کر اس نے دیواروں پر
نگاہیں دوڑائیں اور پھر اس کی نظریں ایک بہت بڑے سوراخ پر پڑیں یہ سوراخ اس بت کی
بنیاد کے عین نیچے تھا اور کوئی آٹھ فٹ کی گولائی میں پھیلا ہوا تھا اس سوراخ یا غار کا نچلا
کنارہ پانی کی سطح سے صرف آٹھ انچ اوپر تھا اور اس میں سے چھوٹے اور پتلے جھرنے کی
شکل میں پانی نکل رہا تھا۔ اس جھرنے کو عبور کر کے وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا اور پھر
غاسی دور نکل آیا اس کی نگاہیں اس خوفناک آبی درندے کو تلاش کر رہی تھیں لیکن ابھی
”سامنے نہیں آیا تھا رسی کا سرا کھولنے کے باوجود چٹان کے اس کونے کو مضبوطی سے
پکڑے رکھا اس کے بدن کا نچلا حصہ پانی میں ڈوبا ہوا تھا اور برف کی طرح ٹھنڈا ہوتا جا رہا
تھا ان سبکی دیواروں کے ہر طرف کائی لگی ہوئی تھی بہر حال اس کائی کی وجہ سے ان پر
بہتر بھی ممکن نہیں تھا پتہ نہیں وہ درندہ کہاں تھا یہ سوراخ البتہ اس بات کی علامت تھا

”دیکھ مونٹا مجھے وہی کرنا ہے جس کا میں فیصلہ کر چکا ہوں اور اگر تو نے مجھ سے تعاون
نہ کیا تو مجھے اس کا دکھ ہو گا لیکن یہ ضروری ہے کہ میں تجھے کچھ بتا دوں۔ میرے آقا سے
کہنا یعنی نادر سے کہ میں ایک مقدس مہم پر روانہ ہو رہا ہوں اور اسے حالات کو اپنے قابو
میں کرنا ہے اور یہی کام میشل کو کرنا ہے کہ صورتحال کو بگڑنے نہ دیا جائے۔ میں جہاں بھی
جا رہا ہوں وہاں سے واپس ضرور آؤں گا اور کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔“
”لیکن مسٹر فینٹ۔۔۔۔۔“

”نہیں مونٹا تو جو سوال کرنے والا ہے۔۔۔۔۔ میں تجھے اس کا جواب نہیں دوں گا۔
اس بات کو ذہن میں رکھنا۔“

”یہ تو بتا دو کہاں جا رہے ہو۔۔۔۔۔“ مونٹا نے سوال کیا۔
”یہ بتا دیا تو پھر بات ہی کیا رہ گئی۔ تجھے صورتحال کو سمجھانا ہے مونٹا۔ بس اتنا ہی کہنا
تھا مجھے تجھ سے، اور دیکھ مجھ سے غداری نہ کرنا کیونکہ جو فیصلہ میں نے کیا ہے وہ اٹل
ہے۔ ہاں اگر تو نے غداری کی تو میں تجھے اپنے دشمنوں میں شمار کروں گا اور اس بات سے
گریز نہیں کروں گا کہ اپنی دیوتا کی حیثیت سے کام لے کر تجھے اور تیری بیوی کو موت کے
گھاٹ اتار دوں۔۔۔۔۔“ مونٹا نے حیرت سے فینٹ کو دیکھا اور بولا۔
”کیا تم اس طرح بھی سوچ سکتے ہو۔۔۔۔۔“

”نہیں۔۔۔۔۔ لیکن جو کچھ میں نے کہا اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ مجھے ناپسند
ہے۔“

”ٹھیک ہے اگر تم یہ کہتے ہو تو یہ ہی سہی۔۔۔۔۔“
”بس تو جا اور آرام سے اپنی جگہ سو جا۔۔۔۔۔“

پھر جب مونٹا اپنے کمرے میں چلا گیا تو فینٹ اس مکان کے عقبی حصے میں پہنچا اور
کچھ دیر وہاں چھپا رہا۔ پھر واپس آیا اور جھانک کر دیکھا۔ مونٹا اپنے بستر پر ہی لیٹا ہوا تھا۔
باقی لوگ بھی آرام کی نیند سو رہے تھے۔ تو فینٹ نے جو تیاریاں کی تھیں انہیں مکمل کر
کے وہ وہاں سے چل پڑا اور اس کے لباس میں ایک عجیب و غریب ہتھیار چھپا ہوا تھا اور جو
منصوبہ اس نے بنایا تھا وہ بڑا ہی سخت اور مشکل تھا لیکن فینٹ کے دل میں جو جذبے چل
رہے تھے۔ ان کی تسکین اسی شکل تھی تو پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ
اس جگہ پہنچ گیا جہاں سیاہ مجسمہ اپنی خوفناک شکل و صورت کے ساتھ موجود تھا اور اس کے
نیچے گہری کھائی، جو اپنی ہیبت ناک تاریکیوں کے ساتھ موجیں مار رہی تھی۔ فینٹ نے ایک

کہ ممکن ہے وہ وہیں ہو اسے سردی لگ رہی تھی اور سردی کے اس احساس سے پیچھا چھڑانے کیلئے اس نے اپنے آپ کو سنبھالا ویسے کھائی کا پانی بے حد ٹھنڈا تھا چونکہ اس میں پہاڑ کی برف پگھل پگھل کر آ رہی تھی جھکی ہوئی چٹان کے سائے میں اس نے آخری نگاہ ڈالی اور پھر خاموشی اور احتیاط سے تیرنے لگا اس نے وہ خوفناک ہتھیار اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا اور اب آہستہ آہستہ وہ سوراخ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ جب وہ اس بھٹ کی جانب بڑھا رہا تھا تو اس نے نیچے سے پانی کی اچھال کو محسوس کیا جس سے ظاہر ہوا کہ یہ پانی کہیں نیچے سے آ رہا ہے اور شاید درندے کا یہ بھٹ اس پانی کے نکاس کا راستہ ہے بغیر کسی خاص مشکل کے فینٹ غار کے دھانے پر پہنچ گیا چند لمحوں تک آہٹ لیتا رہا پھر دونوں ہاتھوں سے بھٹ کے نچلے کنارے کو پکڑ کر اپنے آپ کو اس نے آہستہ آہستہ اوپر اٹھایا اور اسی آہستگی سے اس خوفناک غار میں رینگ گیا تب اس نے ایک لمحے میں محسوس کیا کہ وہ جگہ رست سے بھری ہوئی ہے اس رست کو جیسے کا پانی کہیں اوپر سے بہا کر لایا تھا دوسری بات جو اس نے محسوس کی کہ کھائی میں گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی لیکن غار میں داخل ہو کر ایک مدھم مدھم روشنی کا احساس ہو رہا تھا اور غار بالکل ہی تاریک نہیں تھا۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے کچھ لمحوں کیلئے رک کر اس نے صورت حال کا جائزہ لیتا تھا اور وہ اب اس مدھم سی روشنی میں اس غار کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ غار زیادہ وسیع نہیں تھا اور مضبوط اور ٹھوس چٹان میں پانی نے تراشا تھا اتنا گول اور ایسا ہموار کہ معلوم ہو کہ انسانی ہاتھوں نے یہ کام سرانجام دیا ہے کہیں سے پانی بہہ کر آ رہا تھا جو چھ انچ سے زیادہ گہرا نہیں تھا اور اس پانی کے دونوں کناروں پر لمبے پتھروں کی تہ تھی یہ اندازہ ابھی نہیں ہو رہا تھا کہ غار کتنا وسیع ہے اور کہاں تک چلا جاتا ہے لیکن اس غار میں کبھی ہوئی رست پر اس نے خوفناک بچوں کے نشانات دیکھے اور اس کے ساتھ ہی وہ بدبو محسوس کی جو کسی خوفناک آدم خور درندے کی آرام گاہ میں ہو سکتی ہے۔ فینٹ کو امید تھی کہ وہ زیادہ فاصلے پر نہیں ہو گا کیونکہ جب قربانی کے بکرے نیچے پھینکے جاتے تھے تو وہ چند ہی لمحوں میں سطح آب پر نمودار ہو جاتا تھا ہاں یہ الگ بات ہے کہ رات کا جو حصہ اس وقت تھا اس وقت کبھی کوئی قربانی نہ دی جاتی ہو اور اسے ان اوقات کا پتہ ہو لیکن بہر حال اتنا اندازہ ضرور تھا کہ وہ زیادہ دور نہیں ہو گا وہ ایک ایک قدم رینگ کر آگے بڑھنے لگا اور اندھیرے میں جھانکنے لگا لیکن درندہ اب تک اسے نظر نہیں آیا تھا۔ غار کے دہانے سے کوئی آٹھ دس گز دور چوکور میز کی شکل کا ایک پتھر غار کے پینڈے سے نکل کر

ہوتا چلا گیا تھا اس پتھر کی چوٹی اور غار کی چھت کے درمیان صرف آٹھ دس فٹ کا فاصلہ ہو گا اس پتھر کے دونوں طرف ڈھلانیں تھیں جو غار کے جیسے کے کنارے پر آ کر ختم ہو گئیں یہ سمجھا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ پتھر کی چوٹی کو یہ دونوں ڈھلانیں جوڑ رہی تھیں اور یہ پتھر یقینی طور پر ارد گرد کی چٹانوں سے زیادہ مضبوط تھا اور صدیوں سے بٹے ہوئے پانی نے چٹان کو کاٹ کر یہ غار بنا دیا تھا لیکن اس پتھر کو نہیں کاٹ سکا تھا اس پتھر کی چوٹی چھٹی نمی اور ممکن ہے کسی زمانے میں وہ نوکیلی چٹان غار کی چھت سے ملی ہوئی ہو لیکن کسی وجہ سے ٹوٹ کر نیچے گر پڑی تھی اور پانی اسے بہالے گیا تھا اس طرح اب اس کی شکل ایک پلٹ فارم جیسی ہو گئی تھی فینٹ نے دل میں سوچا کہ مگر مجھ اسی پر آرام کرتا ہو گا پھر وہ اس ٹکنی چیز کو دیکھنے لگا جو سمجھ میں نہیں آ رہی تھی شاید کوئی پتھر ہی تھا لمحہ لمحہ وہ ایک ایک قدم آگے بڑھ رہا تھا اور اس خوفناک ماحول میں اس نے اپنے دل کو بے حد مضبوط کر لیا تھا۔ لیکن اچانک ہی اس کی رگوں میں خون جمنے لگا وہ ٹکنی چیز جیسے وہ پتھر سمجھ رہا تھا اس ہولناک مگر مجھ کا سر تھا اور اس کی آنکھیں چراغوں کی طرح نظر آ رہی تھیں اور سطح آب پر جھلکاتی ہوئی روشنی کا عکس ان پر پڑ رہا تھا۔ فینٹ نے اپنے جسم میں ایک پتھر پلاہن محسوس کیا اور اسے یوں لگا جیسے درندے کی نیلی نیلی آنکھوں میں کوئی چیز جل رہی ہو اچانک ہی اسے محسوس ہوا کہ ان آنکھوں کی کشش اس کے ذہن کو اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کر رہی ہے اور وہ خود بخود اس کی جانب چل پڑا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے بس یوں لگتا تھا جیسے وہ مقناطیس ہو اور یہ لوہا جو اسے اپنی جانب کھینچ رہا ہے۔ فینٹ اس عجیب و غریب کشش سے اپنے آپ کو آزاد کرنے کی کوشش کرنے لگا لیکن اسے کامیابی حاصل نہ ہو پا رہی تھی وہ سخت خوفزدہ ہو گیا تھا اور اسے اپنے بدن کی جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی یوں محسوس ہوتا تھا جیسے بدن پتھر گیا ہو ایسی حرکت آنکھوں کا اسے پہلے کبھی تجربہ نہیں تھا پھر وہ پیچھے ہٹنے لگا اپنی انتہائی قوت ارادی سے کام لے کر وہ اپنے آپ کو مگر مجھ کے آگے بڑھنے سے روک رہا تھا لیکن اچانک ہی ان آنکھوں کی چمک اور بڑھ گئی اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ان آنکھوں کی کشش کو کسی بھی طرح اپنے اوپر سے الگ نہیں کر سکتا اس نے دل میں سوچا کہ آہ یہ تو واقعی شیطان ہے اور ایک جادو کا پتلا اور اس کی آنکھوں کی کشش سے اگر نہ بچا جاسکا تو پھر زندگی بچانا ناممکن ہو جائے گا اس کا غار جیسا منہ کھلے گا اور اس کے بعد فینٹ کی ہڈیاں اس کے دانتوں تلے دب جائیں گی بالکل اسی طرح جیسے سانپ چوہے کو کھا لیتا ہے زندگی کو بچانے کیلئے جدوجہد کرنی

چاہئے جس مقصد کیلئے ان غار کی گہرائیوں کا رخ کیا ہے۔ اگر وہ پورا نہ ہو سکا تو یہ تو خود کشی ہو گی اور یہ خود کشی تو اوپر بھی کی جا سکتی تھی۔ نہیں عظیم آقاؑ تم اور وہ جواب آسمان کی بلندیوں پر ہے تم میری اس طرح کی موت برداشت کر لو گے میری ہمت واپس لوٹا دو مجھے واپس لوٹا دو، نجانے کس طرح اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی میری ہمت واپس لوٹا دو وہ اس طرح چیخا کہ اس کی آواز سے غار گونج اٹھا اس نے اپنا چاقو مضبوطی سے ہاتھ میں پکڑا اور اس بار وہ اپنی تمام قوت ارادی کے ساتھ آگے بڑھا اور شانہ وہ شیطان جو اپنے محرکی قوتوں سے واقف تھا چونک پڑا اس کا تو خیال تھا کہ اس کا شکار خود بخود اس کی آنکھوں کے سحر میں گرفتار ہو کر اس کے جبروں کے نیچے پہنچ جائے گا۔ لیکن یہ آواز سن کر اس نے اپنا سانس روک لیا اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اسکے بڑے اور غیر معمولی لمبے بدن میں جنبش ہوئی اور اس کے بعد یونہی محسوس ہوا جیسے بلندی سے کوئی چٹان نیچے گر پڑی ہو وہ پوری قوت سے نیچے کو کودا تھا اور اب اپنی دم اٹھائے فینٹ کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ فینٹ کے حلق سے پھر ایک دلدوز آواز نکلی اس کی چیخ میں غصہ بھی تھا اور خوف بھی لیکن اس کی چیخ نے اس خونخوار آبی درندے کو خوفناک کر دیا اس نے اپنا غار سامنے کھولا اور اپنے لا انتہائی ذہنی جسم کو گھسیٹ کر چند قدم آگے بڑھا اور رک گیا۔ اب اس کے اور فینٹ نے درمیان صرف چھ فٹ کا فاصلہ تھا فینٹ کو احساس ہو گیا کہ اب طاقت آزمائی کا وقت آگیا ہے چنانچہ وہ تیار ہو گیا دونوں ایک دوسرے کی جانب لپکے اور درندے نے اپنا منہ کھول دیا لیکن اس کے ساتھ فینٹ کے ایک لمبے کی تاخیر کے بغیر اپنا وہ ہاتھ جس میں چاقو تھا آگے بڑھایا اور مگرچھ کے کٹلے ہوئے منہ میں دور تک داخل کر دیا چند سیکنڈ وہ دونوں طرف سے لمبے اور مضبوط چاقوؤں کو اس کے منہ میں پکڑا رہا اور مگرچھ نے یہ سوچ کر کہ اب اس کا شکار اس کے جبروں کی گرفت میں ہے اپنا منہ بند کیا لیکن ایک لمبا چاقو اس کے جبروں میں داخل ہوا اور دوسرا اس کے مغز کی جانب اس کے خونخوار اور نوکیلے دانت فینٹ کے ہاتھ کی جلد تک نہیں پہنچ سکے کیونکہ اس کے تالو اور نچلے جبروں کے درمیان ایک لمبی نوکیلی روک لگ گئی تھی فینٹ نے پھرتی سے اپنا ہاتھ اس کے منہ سے کھینچ لیا اور ایک طرف لڑھک گیا دو چاقوؤں سے بنا ہوا ہتھیار خونخوار آبی درندے کے حلق میں پھنسا رہا تھا چند لمحوں تک خاموشی رہی غالباً وہ وحشی درندہ یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اصل واقعہ کیا ہوا ہے پھر اچانک ہی اس کے پورے بدن میں جنبش پیدا ہوئی اور غار میں جیسے زلزلہ آگیا مگرچھ کے منہ سے نکلے ہوئے لعن کے جھبکے

اٹھتے جو بدودار تھے کہ دماغ خراب ہوئے جا رہا تھا اس نے کئی دفعہ منہ پھاڑا اور اس کے منہ سے رال نکلنے لگی اگر وہ ذرا سی کوشش کرے تو شاید یہ چاقو اس کے حلق کے نرم گوشت سے نکل آئے لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ چاقو کا پھل مگرچھ کے جبروں کی ہڈی میں پھنسا گیا تھا اور مگرچھ کے سر کی ہر جنبش اوپری چاقو کی نوک اس کے تالو میں پیوست کرتی جا رہی تھی اور لمبا چاقو اپنی آب دار قوتوں کے ساتھ اس کے پیچھے کی جانب بڑھ رہا تھا اصل میں چاقو ہی اتنے عمدہ تھے کہ نہ وہ مڑے اور نہ ٹوٹے اور وہ چڑے کی رسی بھی جو فینٹ نے اپنی کمر اور چاقوؤں سے باندھ رکھی تھی وہ بھی انتہائی مضبوط تھی لیکن فینٹ کو احساس تھا کہ اگر مگرچھ نے پلٹ کر اپنی دم کی ضرب اس پر لگائی تو اس کی ہڈیاں پیس کر رہ جائیں گی اصل میں مگرچھ کی جو حالت ہوئی تھی وہ اس کے لئے تعجب خیز بھی تھی اور انتہائی تکلیف دہ بھی، وہ شدید اذیت میں اپنے شکار کو بھول گیا تھا اب وہ غار میں لوٹ رہا تھا اور اپنی دم بچ رہا تھا چونکہ اس کے حلق میں اٹکے ہوئے چاقوؤں کے دونوں سرے اس کی اس جدوجہد سے اس کے تالو اور جبروں میں پیوست ہو چکے تھے اور ان سے جو رسی بدمی ہوئی تھی وہ فینٹ کی کمر میں مضبوطی سے کسی ہوئی تھی چنانچہ اس کی ہر جنبش کے ساتھ فینٹ کو بھی اپنا بدن سنبھالنا پڑ رہا تھا تیزی سے جھٹکے لگ رہے تھے اور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جائے گی درندہ اب غار میں گھس رہا تھا غار کا فرش خوش قسمتی سے ہوار تھا اس لئے فینٹ کا بدن چھلنے سے بچ رہا تھا لیکن اس کے بدن کو جو جھٹکے لگ رہے تھے وہ ناقابل برداشت تھے پھر درندہ خوفناک اذیت کے عالم میں آگے بڑھا اور کھائی میں جا پڑا وہ کھائی کی گہرائی میں اتر رہا تھا اور فینٹ اس کے ساتھ خود بھی پانی میں جا رہا تھا اس نے خوف سے سوچا کہ میں نے اپنی کمر میں رسی باندھ کر شاید غلطی کی ہے کہیں یہ مجھے ڈبو ہی نہ دے فینٹ انتہائی قوت بردشت سے کام لیتا ہوا پانی کی گہرائیوں میں گیا وہ خود بھی ایک بہترین تیراک تھا اور پانی میں جانتا تھا کہ کس طرح اپنے سانس کو بحال رکھا جا سکتا ہے چند ہی لمحوں کے بعد درندہ پھر سطح پر پہنچا اور کئی بار اس نے اسی طرح فینٹ کو اپنے ساتھ نیچے تک گھسیٹا اسے چین نہیں آ رہا تھا لیکن بہر حال اپر آنے سے کم از کم اتنا تو ہو رہا تھا کہ فینٹ کو بھی سانس لینے کا موقع مل جاتا تھا ایک بار درندہ دونوں سطح پر آگئے مگرچھ کے ناک اور منہ سے خون کی دھاریں پھوٹ رہی تھیں اور وہ بری کیفیت کا شکار تھا کئی بار اس نے اپنی دم بھی گھمائی اور فینٹ ایک بہترین پیٹریا ثابت کرنے کیلئے اپنے آپ کو اس کی دم کی زد میں آنے سے بچاتا رہا، لیکن اس سے

زیادہ ہولناک وقت اس کی زندگی میں نہیں آیا تھا اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس وحشت خیزی کے عالم میں وہ اگر کسی دیوار سے ٹکرا گیا تو اس کا کھیل ختم ہو جائے گا پھر درندہ دوبارہ اسی غار میں داخل ہو گیا اور فینٹ بھی اس کے ساتھ ساتھ گھیسٹا ہوا اوپر پہنچ گیا بدن کے کئی حصوں میں خراش بے شک آئی تھی لیکن کوئی بھری خراش اتنی خوفناک نہیں تھی کہ اسے بے چین کر دیتی۔ مگر کچھ کی تکلیف اب اپنی آخری منزل میں داخل ہو گئی تھی پھر رفتہ رفتہ وہ زمین پر سیدھا سیدھا لٹ گیا اور فینٹ اپنے آپ کو سنبھال کر ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اس کی نگاہیں اس ہیبت ناک درندے کا جائزہ لے رہی تھیں چاقو کا پھل اس کے پیچھے کے آ رہا ہو گیا تھا اور شاید مگر کچھ اب دم توڑ رہا تھا پھر جب اس کے بدن کی ہر جینش ختم ہو گئی تو فینٹ نے زور سے جھرجھری لی آج شاید کام بن گیا ہے اس نے دل ہی دل میں سوچا اور یہ کیا ہی انوکھی اور زبردست جنگ تھی۔ قیامت تک انسان نے کبھی ایسی جنگ نہ دیکھی ہوگی مگر کچھ کی بھاگ دوڑ سے بدن پر بے شک خراشیں پڑ گئیں تھیں اب چمڑے کی رسی بدن میں ذرا سی تن گئی تھی لیکن بہر حال یہ بھی ایک اچھی ہی بات تھی کہ وہ ٹوٹی نہیں تھی چونکہ جس طرح مگر کچھ فینٹ کو کھائی میں گھس کر لے گیا تھا اس طرح غار میں بھی گھسٹ لایا تھا اگر رسی ٹوٹ گئی ہوتی تو اس وقت فینٹ کی زندگی باقی نہ ہوتی پھر فینٹ نے آہستہ آہستہ اپنے آپ کو سنبھالا اور رسی کو اپنی کمر سے کھولنے لگا اس کام سے فارغ ہو کر اس نے مگر کچھ کو قریب جا کر غور سے دیکھا اور اس کے حلق سے خوشی کی آوازیں نکل گئیں کیونکہ مگر کچھ مر چکا تھا اس شدید جدوجہد سے فینٹ کے اعضاء اکڑنے لگے اس پر زبردست تھکان سوار ہونے لگی معمولی جدوجہد نہیں تھی زندگی اور موت کا وہ انوکھا کھیل ہوا تھا کہ کمال ہی کی بات تھی فینٹ کافی دیر تک اسی طرح نیم مرده کیفیت میں وہاں پڑا رہا یہاں بدبو بے شک تھی لیکن بہر حال سانس لیا جاسکتا تھا پھر فینٹ آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اٹھا کم از کم اس غار کا آخری حد تک جائزہ تو لے لیا جائے وہ مدہم روشنی اس کے لئے باعث حیرت تھی اور پھر وہ آگے بڑھنے لگا اس نے کافی فاصلہ طے کیا اور اس کے بعد حیرت سے اس غار نما سرنگ کو دور تک دیکھتا رہا اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے روشنی کا مرکز قریب آتا جا رہا ہو پھر وہ جس جگہ پہنچا وہاں ایک الاؤ کی شکل میں آگ سلگ رہی تھی لیکن اس وقت فینٹ کی آنکھیں عجیب کیفیت سے پھیل گئیں جب اس نے سلگتی ہوئی آگ کا رنگ دیکھا یہ رنگ سرخ بھی تھا نیلا بھی تھا اس میں سفیدی بھی تھی اور سبزی بھی اور سلگتی ہوئی آگ درحقیقت آگ نہیں تھی بلکہ اتنے بڑے

بڑے قیمتی ہیرے تھے جنہیں دیکھ کر انسان سانس لینا بھول جائے ”لعل، زمرہ، نیلم، یا قوت اور ہر طرح کے ہیرے جو اتنے بڑے بڑے سائز کے تھے اور اس طرح بے داغ تھے کہ دنیا کے قیمتی ترین ملکوں میں ان کا جواب نہ مل سکے ان میں تو ہر ہیرا کوہ نور ہی تھا اور فینٹ کے دل کی حرکت بند ہونے لگی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے آپ کو کیسے قابو میں رکھے بڑی عجیب کیفیت تھی اس کی وہ پاگلوں کی طرح ان ہیروں کو دیکھ رہا تھا اور ہیرے اپنی آب و تاب سے ایک جگہ پڑے ہوئے روشنی دے رہے تھے کافی دیر تک فینٹ اسی طرح انہیں دیکھتا رہا پھر اس نے اپنے آپ سے کہا۔۔۔۔۔

”مسٹر فینٹ زندگی کی بازی لگائی تھی اور اس کا صلہ نگاہوں کے سامنے ہے اب بہتر ہے کہ اپنے حواس کو قابو میں رکھو اور جس طرح بھی بن پڑے ان کے تحفظ کا بندوبست کرو لیکن کس طرح یہ کیسے ممکن ہے اس کے بعد فینٹ کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ آخر یہ ہیرے ایک جگہ کیسے جمع ہیں اس کی نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں۔ پھر اس نے غار کی بلندی کی طرف دیکھا اور صورت حال کچھ سمجھ میں آنے لگی جیسا کہ کسی وقت کوہالہ نے بتایا تھا کہ بت کے قدموں میں انسانوں کی قربانی دی جاتی ہے اور اس قربانی کے ساتھ ساتھ مقدس ہیرے جو دور کسی وادی سے لائے جاتے ہیں تراش خراش کر کے دیوتا کے قدموں نچھاور کئے جاتے ہیں اور اسے بت کے قدموں میں رکھ دیا جاتا ہے اور پھر وہ وہاں سے گمراہیوں میں اتر جاتے ہیں اور یہ گمراہیاں قیمتی طور پر یہ غار ہی تھا جس کے اوپری حصے میں سوراخ بند ہوا تھا۔ یہ سوراخ قیمتی طور پر بت کے قدموں میں کھتا ہو گا اور ہیرا اسی جگہ سے لڑھ کر نیچے آکر یہاں رک جاتا ہو گا آہ واقعی ایسا ہی ہے اور قیمتی طور پر یہ مرکز فینٹ عظیم آقا کی روح تمہاری معاون تھی کہ اس نے تمہاری یہاں تک راہنمائی کی اور اس طرح اس خونی درندے کا بھی خاتمہ ہوا جس کی عمر صدیوں تھی اور جس نے نجانے کتنے انسانوں کو ہڑپ کیا ہو گا۔

اس تصور کے ساتھ ہی فینٹ کے بدن میں بجلی کی سی تیزی دوڑ گئی اس کے ذہن میں ایک خیال آیا جن لوگوں کو اس درندے نے ہضم کیا ہو گا وہ اس کے پیٹ ہی میں تو نہ رہ گئے ہوں گے یہ ان کی ہڈیاں وغیرہ تو اگلتا ہی ہو گا اور اس خیال نے اسے واپس آنے پر مجبور کر دیا پھر کی وہ چوڑی سل جو پلیٹ فارم کی حیثیت رکھتی تھی ایک طرف سے فینٹ کی نگاہوں کے سامنے تھی لیکن اس کا عقبی حصہ محفوظ تھا اور فینٹ یہ دیکھ چکا تھا کہ یہ پتھر کا ایٹ فارم درندے کی آرام گاہ ہے اور جب اس نے پلیٹ فارم کی بلندیاں طے کر کے اس

ہو مٹی تھی ادھ جیسے جیسے وہ آگے بڑھتا جاتا غار تاریک ہوتا جا رہا تھا اور ایک گھور، اندھیرا ہاروں طرف پھیلا ہوا تھا لیکن اس اندھیرے میں اسے آگے بڑھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی کیونکہ فرش ہموار تھا اور پانی کی شرر شرر ایک طرف سے اس کی رہنمائی کر رہی تھی البتہ یہ خوف تھا اسے کہ اس اندھیرے کی وجہ سے وہ کسی کھڈ میں نہ جا پڑے کیا کہا جا سکتا ہے کہ کس جگہ غار کا یہ راستہ منحصر ہو جائے پھر ناجائز کب تک وہ اس غار میں چلتا رہا اور اس نے اچانک ہی کچھ فاصلے پر مدہم مدہم روشنی محسوس کی اس کے دل میں مسرت کی لہریں نمودار ہونے لگیں یہ روشنی پتہ نہیں کیسی ہے بس یوں معلوم ہوتا تھا کہ اندھیرے کی چادر میں کسی نے اجالے کا پیوند لگا دیا ہو، اس کے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی اور وہ روشنی کی طرف بڑھتا رہا روشنی بلندی کی جانب جا رہی تھی اور آگے کا سفر خاصہ آسان ہوتا جا رہا تھا۔ غار پیچ در پیچ راستوں سے گزرتا ہوا بلند ہوتا چلا گیا۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ جیسے قدموں کے نیچے برف کی سلیں بکھری ہوئی ہیں اور صاف احساس ہو رہا تھا کہ یہاں برف جی ہوئی ہے اور اسی برف سے بوند، بوند، پانی ٹپک رہا تھا یہیں پانی تھا جس نے غار میں بھرنے کی صورت اختیار کر لی تھی وہ رک گیا اور برف کی سیلوں پر نظریں ڈالنے لگا، برف کی سیلوں کے نیچے ایک دراڑ نظر آئی، ایک آدمی یا آسانی اس دراڑ میں ٹھس سکتا تھا فینٹ ریک کر اس میں ٹھس گیا اور کچھ لمبے برف کی ٹھنڈی تہ کے نیچے رینگتے رہنے کے بعد دوسری طرف نکل آیا۔ دوسری طرف نکل کر وہ اٹھا اور اس نے دیکھا کہ وہ ایک ایسی جگہ ہے جو ان ڈھلانوں کے پاس سے گزرتی ہے یعنی وہ ڈھلان جس سے وہ زمین کے دوسرے پرت میں اترے تھے لیکن کیا ہی شاندار راستہ تھا سامنے عقبی کوہ کی بلند اور ناقابل عبور چوٹی تھی جس کے دوسرے طرف برف کی زبردست اور وسیع دریض چٹانیں اوپر کی طرف اٹھتی چلی گئی تھیں۔ ان چٹانوں کا رنگ نیلا ہو رہا تھا اور بلندیوں پر سورج بڑی آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا اس کی خوشیاں انتہا تک پہنچ گئیں وہ سمجھ گیا کہ یہ اندھیرے کے شر میں اترنے کا ایک چور راستہ ہے آہ! جس مشکل کے ساتھ وہ اتر کر نیچے گئے تھے اگر وہ اس طرح یہاں سے نیچے اتریں تو با آسانی زمین کی پہلی سطح پر پہنچ سکتے ہیں۔ فینٹ کے دل میں خوشی کی لہریں دوڑنے لگیں۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا کہ تقدیر نے ان کی اس طرح مدد کی ہو۔ یہ راستہ تو بے حد شاندار ہے اور فرار کے لئے اس سے عمدہ اور کوئی جگہ نہیں ہے وہ خوشی سے اور مسرت سے دیوانہ ہو گیا اور پھر اس نے فیصلہ کیا کہ یہاں سے نیچے اتر کر ایک بار پھر اپنی ڈھلانوں کے راستے اختیار کئے جائیں اور اندھیرے

نے اوپر کا منظر دیکھا تو اسے عقبی حصے میں بے شمار انسانی ہڈیاں نظر آئیں اور کیا ہی خوفناک سرائڈ آٹھ رہی تھی ان سے، لیکن ان ہڈیوں میں جانوروں کی کھالیں بھی پڑی ہوئی تھی اور یقینی طور پر یہ کھالیں وہ تھیں جو قربان ہونے والوں کے جسموں پر لباس کی شکل میں ہوتی ہوں گی ان میں سے کچھ پرانی اور سوکھی ہوئی تھیں لیکن کچھ ایسی تھیں جنہیں حاصل کر کے ہیرے ان میں محفوظ کیئے جاسکتے تھے اور خاصی کاوش کے بعد فینٹ نے ان میں سے ایک چوڑی اور بڑی کھال جو غالباً شیر کی تھی حاصل کی اور اس کی مضبوطی کا اندازہ لگانے کے بعد وہ اس کھال کو وہاں سے لے کر اپنی جگہ پہنچ گیا وسیع دریض کھال کو زمین پر بچھا کر اس نے ہیروں کی روشنی میں اپنا کام شروع کر دیا دوسرے چاقو سے اس نے جو اس کی جب میں موجود تھا اس کھال کی لمبی لمبی ہڈیاں کاٹیں اور ان کی مضبوطی کا اندازہ لگانے کے بعد کھال کا ایک تھیلہ سا بنایا اور پھر پیٹوں سے اسے سینے لگا بڑے بڑے سوراخ کر کے اس نے اس تھیلے کے دونوں کنارے مضبوطی سے سینے اور پہلی بار اس نے لعل شب چراغ کو ہاتھ لگایا تھا بڑا ہیرا جو اس کے چہرے کو سرخ کر رہا تھا اور جسے دیکھ کر ذہن پر نیند جیسی کیفیت طاری ہو جا رہی تھی۔ بہر حال اس نے اسے تھیلے میں ڈالا اور اس کے بعد ایک ایک کر کے تمام ہیرے اس تھیلے میں منتقل کر لئے اور آخر میں وہ اس تھیلے کا منہ چمڑے کی انہی پیٹوں سے سینے لگا اس وقت اس پاس اتنی بڑی دولت تھی کہ اس سے وہ ایک شہر آباد کر سکتا تھا اس نے اس تھیلے کو اپنے لباس کے نیچے سینے کے پاس رکھا اور پھر دو لمبی لمبی پیٹوں سے اسے اپنے بدن کے گرد کس لیا پوری مضبوطی کے بعد اس نے یہ جائزہ لیا کہ تھیلے اپنی جگہ سے ہل تو نہیں سکتے اور جب وہ اس بات سے مطمئن ہو گیا تو اس نے سوچا کہ اب یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ اوپر جانے کیلئے کون سا راستہ اختیار کیا جائے اگر واپس کھائی کی طرف جاتا ہے اور پانی میں اترنے کے بعد بلندیوں کی طرف رخ کرتا ہے تو جب تک اوپر سے کوئی لمبی رسی نیچے نہ ڈالی جائے اس وقت تک ان چکنی اور گول دیواروں کو عبور کرنا ناممکن ہے اور رسی ڈالنے والا بھلا کون ہو سکتا ہے کسی کو بھی معلوم نہیں ہے کہ کوئی یعنی فینٹ ان لوگوں کا دیوتا زام اس وقت بڑے دیوتا سے ایک بہترین ملاقات کر کے واپس کا سفر طے کرنا چاہتا ہے۔ بڑا مشکل رہے گا یہ سلسلہ یہ تو بڑا مشکل ہے اور دن کی روشنی میں خصوصی طور پر کوئی ایسی جگہ جہاں سے، پھر دفعتاً ہی اسے ایک خیال آیا یہ پانی بلندیوں سے آ رہا ہے اس کے لئے اگر کوشش کی جائے اور تقدیر ساتھ دے جائے تو کیا ہی بہتر ہو گا چنانچہ وہ آگے بڑھ گیا لیکن ہیروں کے قید ہونے کے بعد غار کی روشنی ختم

ہوں اس بات سے بالکل ہی غیر مطمئن گویا تقدیر اب مجھ سے میری زندگی بھی مانگ رہی ہے تو ٹھیک نہیں میں نے کب اس زندگی سے پیار کیا ہے میں کب جینا چاہتا ہوں فینٹ نے میرے بھائی کی جگہ پوری کر دی تھی وہ جگہ بھی خالی ہو گئی تو اب میں ہر بندھن سے آزاد ہوں اور اس کے بعد موت کے علاوہ مجھے اور کیا درکار ہو گا؟ تو میشل نے کوہالہ اور مونٹا کو یہ بات بتائی اور سب کے سب ذہنی اذیت کا شکار ہو گئے کوہالہ نے کہا۔

”آہ! اب یوں لگ رہا ہے جیسے زندگی کی شام بیس زمین کی دوسری تہ میں ہو گی بھلا اگر وہ بدل ہو گیا تو پھر ہمارے پاس جینے کا کیا سامان رہ جاتا اور پھر مونٹا کوہالہ اور خود میشل نے نادر کو سمجھایا۔“ میشل کہنے لگی۔

”مسٹر نادر ہمیں اب تک تقدیر ہی کے ساتھ سمجھوتا کرنا پڑا ہے اور آپ یہ سمجھ لیجئے کہ آپ تنہا ہی نہیں ہم سب اس وحشت کا شکار ہیں۔ دیکھیں تقدیر ہمارے لئے کیا فیصلہ کرتی ہے۔“

”اور مشکل تو یہ ہے کہ اب جو ہو گا وہ خاصہ پریشان کن ہو گا کیونکہ جب وہ اپنے درمیان دیوتا کو نہیں پائیں گے اور تقاضا کریں گے ہم سے کہ ”اندھیرے کا خاتمہ کب ہو گا اور کیسے ہو گا؟ تو کیا ہمارے پاس کوئی جواب ہو گا۔۔۔۔۔“

”عارضی طور پر ہم انہیں جواب دے سکتے ہیں۔ ہم ان سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اندھیرے والا آسمانوں سے روشنی لینے گیا ہے۔۔۔۔۔“ میشل نے کہا۔

”لیکن کب تک؟ آخر کار کیا ہو گا۔۔۔۔۔؟“

”آخر کار فیصلہ وقت سے پہلے ناممکن ہے اور وہ انہی خوفناک باتوں کے درمیان وقت گزارتے رہے لیکن کسی کے پاس کوئی حل نہیں تھا خصوصاً یہ لوگ محسوس کر رہے تھے کہ نادر کی ذہنی حالت کافی خراب ہو گئی ہے لیکن رات کے دوسرے پہر جب سب ہی اپنی اپنی آرام گاہوں میں جاگ رہے تھے نادر ہڑا کر اٹھ بیٹھا وہ تیزی سے کوہالہ اور مونٹا کی خواب گاہ میں پہنچا اور اس نے پریشان لہجے میں کہا۔

”کیا فینٹ آگیا دونوں چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر انہوں نے اس سے سوال کیا۔۔۔۔۔؟“

”کیوں۔۔۔۔۔؟ تمہیں اس بات کا کیسے علم ہوا۔۔۔۔۔؟“

”شاید وہ آگیا ہے“ نادر نے بے حواسی کے عالم میں کہا اور انہوں نے خوفزدہ نگاہوں سے نادر کی صورت دیکھی پھر نادر بولا۔

کے شرے میں پہنچا جائے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ فینٹ نے جس مشقت سے یہ فاصلے طے کئے تھے کسی اور انسان سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ اور وہ انتظار کرتا رہا اس وقت کا جب روشنی بالکل ختم ہو جائے اور اندھیرے کا شرنید کی آغوش میں پہنچ جائے۔ تب وہ ان لوگوں تک پہنچے جو اس کی موت کا ماتم کر چکے ہوں گے اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کیا لطف آئے گا ان کے درمیان پہنچ کر ماتم کرنے والے حیران رہ جائیں گے۔



اور فینٹ کا سوچنا بالکل غلط نہیں تھا اس کی گمشدگی نے ان سب کے حواس گم کر دیئے تھے اور ان کے دلوں میں صف ماتم بچھ گئی تھی۔ فینٹ اس طرح کہیں غائب نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہی اس کی یہ فطرت تھی، لیکن سب سے زیادہ خوف کی بات یہ تھی کہ فینٹ کے بغیر یہاں ان کی زندگی ناممکن ہو جاتی۔ بے شک الایا اور کال ان کے خدمت گاروں کی حیثیت سے بڑی خاموشی سے ان کے ہر حکم کی تعمیل کر رہے تھے لیکن وہ بے وقوف نہیں تھے اور جانتے تھے کہ وہ سب اپنی عقیدت کی وجہ سے ان کی خدمت گاری کر رہے ہیں اور یہ سب کچھ صرف اس لئے ہے کہ وہ دیوی اور دیوتاؤں کو اپنے درمیان محسوس کر رہے ہیں اور جب وہ اندھیرے کے دیوتا کو اپنے درمیان نہیں پائیں گے تو یقینی طور پر ان کی بغاوت ابھر آئے گی کیونکہ وہ اندھیرے کے شر میں روشنی کے منتہرے اور روشنی کے بجائے جب ان کا جھوٹا دیوتا ان کے درمیان سے غائب ہو جائے گا تو وہ ضرور یہیں سوچیں گے کہ یہ سب فریب ہے اور اس کے بعد انہیں اپنا برا بھلا یاد آئے گا۔۔۔۔۔ یعنی ہومان جسے اس نے اپنے ہاتھوں سے فنا کر دیا اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اندھیرے والے اپنی فطرت میں شدید وحشت رکھتے تھے اور ان سے ہر دیوانگی کی توقع کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ فینٹ کا گم ہو جانا اس لئے بھی ان کے لئے باعث خوف تھا لیکن یہ خیال دوسروں کا ہو تو ہو۔ نادر کی تو جیسے جان نکل گئی تھی وہ پہلی بار اس قدر ہراساں نظر آیا تھا اور میشل نے اسے تنہائی میں بڑبڑاتے ہوئے سنا وہ کہہ رہا تھا۔

”یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی تقدیر مجھ سے کیا کیا چھینے گی۔ سب کچھ ہی تو چھین گیا ہے۔ ایک بھائی، جس نے ہمیشہ اپنی محبت کے خزانے مجھ پر لٹائے اور تقدیر نے اسے مجھ سے چھین لیا پھر اس کا بدل ملا اور اس بدل نے میرا اس طرح ساتھ دیا کہ شاید میرا بھائی بھی میرے ساتھ اس سے کم نہ کرتا اور اس کے بعد۔۔۔۔۔ اس کے بعد میں تو غیر مطمئن

”نہیں میں پاگل نہیں ہوں۔ مجھے ہواؤں نے اطلاع دی ہے کہ وہ آگیا ہے فینٹ میرا بھائی میرا دوست۔“ میش بھی یہ آوازیں سن کر ان کے پاس آگئی تھی اور وہ سب تار کو سمجھانے لگے تو نادر نے کہا۔

”تم لوگ مجھے پاگل نہ سمجھو میں ہوش و حواس کے عالم میں ہوں میری بات کا یقین کرو فینٹ آگیا ہے۔“

”اور میرے آقا میرے پاس کی بات کا یقین نہ کرنا تو بری ہی عجیب بات ہے بھلا پاس کسے مجھے آواز دے یعنی میرا عظیم آقا میرا دوست اور میں نہ پہنچوں میں آگیا ہوں عظیم آقا“ یہ آواز فینٹ ہی کی تھی اور جہاں وہ موجود تھے اسی دروازے سے سنائی دی تھی اور وہ سب سکتے میں رہ گئے اور میش نے اس انداز میں فینٹ کو دیکھا جیسے وہ فینٹ نہ ہو بلکہ اس کی روح ہو تو فینٹ ہنستا ہو بولا۔

”نہیں چاند زاوی مجھے ناقابل یقین لگا ہوں سے نہ دیکھو عظیم آقا میں آگیا ہوں اور ایک ایسی خوشخبری لیکر کہ تم سنو تو دنگ رہ جاؤ“ پھر انہیں فینٹ کا یقین کرنا ہی پڑا تو نادر نے کہا۔

”تو کہاں چلا گیا تھا۔۔۔۔۔؟“

”روشنی لینے عظیم آقا“ لیکن افسوس اند میرے کے شر کے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے اپنے ساتھیوں کے لئے اور میں نے ایک ایسا راستہ دریافت کیا ہے کہ تم سنو تو دنگ رہ جاؤ اور پھر فینٹ انہیں اپنی کمائی سنانے لگا لیکن کچھ تبدیلیوں کے ساتھ یعنی اس نے اس خزانے کے حاصل کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا جو اس کے سینے سے لگا ہوا تھا اور وہ یقین نہ کرنے والی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے تو فینٹ نے کہا۔

”آج کی رات تو خیر گزر ہی جائے گی کل کا دن اور گزر جائے دو اور اس دوران جو تیاریاں میں کہوں وہ کر لو اور میری بات مان لیتا۔“

”لیکن تو اس کھائی میں اتر گیا تھا۔۔۔۔۔؟“

”ہاں عظیم آقا بس یوں سمجھو میرے آقا یعنی وہ جو اس دنیا سے چلے گئے یعنی قیصر حیات کی روح نے میری رہنمائی کی تھی اور بس اس رہنمائی کے سہارے اور نجانے کس کی مدد سے اس عجیب و غریب راستے پر جا نکلا اور پھر کیا ہی جنگ ہوئی عظیم آقا تمہارے فینٹ کی“ اور تم اس درندے کو دیکھو گے تو یقین نہ کر پاؤ گے اور کہو گے کہ فینٹ تو تو اس کے بدن کا بیسواں حصہ ہے بلکہ شاید اس سے بھی کم تو نے اسے کیسے ہلاک کر دیا لیکن عظیم

آقا پھر تمہیں میرے لئے ایک گیت بنانا پڑے گا جس میں فینٹ دیوتاؤں کا دیوتا، طاقتوروں کا طاقتور کہا جائے گا ہا ہا۔۔۔۔۔“

فینٹ خوشی سے تاپنے لگا اور کہتا اس کا درست ہی تھا لیکن بات کتنی ہولناک خاص طور سے کالے غلام تو یقین کرنے پر تیار ہی نہیں تھے کہ جہاں وہ اتر رہے ہیں وہاں سے ایسی ان کے لئے ممکن ہوگی۔ لیکن فینٹ نے بڑے اطمینان کے ساتھ تمام تیاریاں کی تھیں اور ایسی چیزیں اپنے ساتھ لے لی تھیں جو سفر کے لئے ہوتی ہیں اور وہ سب فینٹ کی باقی حالت پر شبہ کر رہے تھے لیکن رات کی تاریکی میں فینٹ نے جو کام کیا تھا وہ بڑی اہت کا حامل تھا۔ یعنی ایک موٹا رسہ اس نے اس غار میں لٹکایا تھا اور جگہ جگہ اس میں گرہیں باندھ دی گئی تھیں تاکہ کوئی پانی میں نہ گر پڑے اور پھر وہاں سے اس رسے کے ذریعے اس خوفناک غار تک پہنچنے کے انتظامات تھے اور یہ قافلہ جو ویسے بھی زندگی اور موت کے درمیان لٹکا ہوا تھا۔ بالآخر فینٹ کی بات پر یقین کر کے اس خوفناک سفر پر روانہ ہو گیا اور غلام تو دہشت سے کانپ رہے تھے لیکن انہوں نے وہ غار پایا اور بالکل اسی انداز میں جیسا کہ فینٹ نے کہا تھا تو پھر انہوں نے اس خوفناک درندے کو دیکھا جس کا بدن زمین پر اس قدر بھاٹھا کہ انتہا ہو گئی تھی اور اس سے بچ کر ٹکنا مشکل ہو رہا تھا اور اسے دیکھ کر میش کو اپنے حواس پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ فینٹ نے جو کام سرانجام دیا تھا اس کے بعد واقعی اسے دیوتا ہی سمجھا جانا چاہئے تھا لیکن اس سے بڑا نام بھی تھا یعنی وہ راستہ جسے فینٹ نے دریافت کیا تھا اور جب راستے کی تمام تر صعوبتوں سے گزرنے کے بعد اس سوراخ تک پہنچے جو انہیں باہر کی دنیا تک لے جاتا تھا تو بس ہی کے شوش کی آوازیں نکل گئیں اور وہ بدن میں کپکپاہٹ محسوس کرنے لگے اور زمین کا سطح بھی کیا چیز ہے یعنی اپنی زمین جہاں سے مٹی کی خوشبو آتی ہے اس مٹی کی خوشبو سے ان کا خمیر تشکیل پایا اور پھر باہر نکلنے کے بعد انہوں نے سورج کی چمک دیکھی وہ اٹھ اٹھ دیکھیں۔ جو ان کی اپنی تھیں اور زمین کے اس پرت سے یعنی پاتاں سے یعنی ان کی گمراہیوں سے نکلنے کے بعد تو انہوں نے ایسے سفر کیا کہ یقین نہیں آتا تھا۔ میش کی نرم و نازک عورت اس سفر میں اس قدر رفتار کا مظاہرہ کر رہی تھی کہ یقین نہ آئے کہ وہ چاہتے تھے کہ جس قدر جلد ہو زیادہ سے زیادہ دور نکلا جائے اور اس خوفناک آبادی سے لٹکنا کیا ہی مشکل کام تھا اور اس بات کا احساس بھی تھا کہ کہیں گمراہیوں والے ان کو قتل نہ کریں اور اس بات پر افسوس نہ کریں کہ جھوٹے دیوتا یہاں کیا کر گئے یہاں کی

پاس پہنچ گئی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

”مسٹر نادر! آپ جا رہے ہیں۔۔۔۔۔ یہ اندازہ ہے آپ کو کہ اب میرا اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔ یہ دو افراد، یہ بھیانک سرزمین اور یہ کیرال، کیا مجھے ایسی حالت میں چھوڑ کر جانا انسانیت ہے جبکہ میں نے جس طرح بھی بن پڑا آپ کا ساتھ دیا“ نادر نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا، پھر آہستہ سے بولا۔

”میں یہ الفاظ اپنی زبان سے نہیں کہنا چاہتا تھا میشل، میں نے اکثر تمہاری آنکھوں میں محبت کی آگ دیکھی ہے اور اسے محسوس کیا ہے، لیکن میشل میں ایک ٹوٹے ہوئے دل کا مالک ہوں میری محبت مجھ سے دور میرے وطن میں نجانے کس عالم میں ہو گی میں یہ تو کہہ بھی نہیں سکتا کہ وہ میرا انتظار کر رہی ہو گی اور ناکام لوگوں کا انتظار نہیں کرنا چاہئے، میشل میں تمہیں کچھ بھی نہیں دے سکوں گا میرا دل میرے اپنے قبضے میں نہیں ہے۔۔۔۔۔“

”مگر مسٹر نادر! تھوڑی سی وضاحت کر دینا چاہتی ہوں میں۔۔۔۔۔ مجھے علم ہے اور یہ بات کئی بار میں نے محسوس کی اور یہ حقیقت ہے کہ آپ شاید میری بات سن کر نہیں میں آپ کی محبت کو آپ سے نہیں چھیننا چاہتی، لیکن اگر ہو سکے تو اپنے اس غلام سے کہہ دیجئے کہ اپنی زندگی کا بقیہ حصہ مجھے دے دے، ہاں مسٹر نادر میں فینٹ کو چاہتی ہوں، کالے چہرے اور سفید والے فینٹ کو، آپ نہیں سمجھتے مسٹر نادر میرے دل میں کب سے اس کے لئے محبت کا پودا اگا ہے اور اب وہ جوان ہو چکا ہے۔۔۔۔۔“

یہ ایک ایسا ذہنی جھٹکا تھا جس نے نادر کو بھونچکا کر دیا، آج تک میشل کی آنکھوں میں اس نے جو کچھ دیکھا تھا اسے اپنے لئے محسوس کیا تھا لیکن وہ کیا کہہ رہی ہے اور کچھ ایسی کیفیت ہو گئی کہ نادر کے حلق سے قہقہہ آزاد ہو گیا اور اس نے بے اختیارانہ انداز میں میشل کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”کیا واقعی تم سچ کہہ رہی ہو۔۔۔۔۔؟“ میشل نے شرمساری سے گردن جھکالی تھی اور نادر قہقہے لگانے لگا تھا۔۔۔۔۔ اس مایوسی کا سارا احساس اس کے دل سے چھٹ گیا تھا۔۔۔۔۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اگر یہ بات ہے تو بھلا وہ کالا بلا کہاں بھاگ سکتا ہے، فینٹ او فینٹ۔۔۔۔۔“ نادر میشل کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف چینٹا ہوا بھاگا، لیکن دروازے سے اس نے اچانک

مقدس رسمیں ختم کر گئے، ہزاروں سال سے جینے والے اس دیوتا کو ختم کر گئے جو پانی کی تہ میں رہتا تھا اور اس کے بعد ان کے لئے روشنی بھی نہ لے کر آئے، سو یہ سفر جاری رہا، دن رات، دن رات، دن رات اور اس طرح یہ سفر کیا گیا کہ آتے ہوئے اس سفر کی رفتار اس قدر نہیں تھی جو اب تھی اور پھر وہ نجانے کتنا فاصلہ طے کر کے بہت دور تک نکل آئے۔۔۔۔۔ منزلیں ان کے سامنے تھیں راستے کنھن اور دشوار گزار تھے لیکن بس جینے کی امنگ انہیں حوصلہ دے رہی تھی اور وہ بڑھتے چلے جا رہے تھے، ان گزرے ہوئے دن اور راتوں کا تذکرہ اب طوالت بن جاتا ہے جو ان پر گزریں اور جن میں انہوں نے نجانے کیا کیا صعوبتیں اٹھائیں۔۔۔۔۔ لیکن ایک لگن تھی ایک دھن تھی کہ زندہ ہی واپس پہنچیں گے اور زندگی نے جب انہیں یہ موقع دیا ہے تو پھر اس زندگی کی حفاظت کرنا بھی ان کا فرض ہے اور طویل عرصے کے بعد جب آبادی والوں نے ڈاکٹر آر تھر کے کیرال میں ڈاکٹر آر تھر کے اہل خاندان کو واپس آتے دیکھا، یعنی میشل کو ہالہ اور دوسرے لوگ تو حیران رہ گئے اور آبادیوں والے جو اپنا ایک ساتھی کھو کر واپس آ گئے تھے اپنے اپنے عزیز و اقارب میں جا گھسے اور میشل ڈوبتے دل کے ساتھ اپنے کیرال میں، لیکن کچھ مہمانوں کے ساتھ۔۔۔۔۔

اور گزرے ہوئے سفر کی داستانوں نے ہر ایک کی شخصیت بدل دی تھی ہر ایک کے اندر کوئی نہ کوئی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی پھر خاصا وقت یہاں گزر گیا اور ان لمحات کی کہانیاں ایک دوسرے کو سنائی جاتی رہیں جن سے وہ گزرے تھے یہاں تک کہ نادر نے کہا۔

”فینٹ اب میں یہاں سے واپس چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ اور میں شکر گزار ہوں تم سب کا، یعنی فینٹ تمہارا جس نے اس طرح میرا ساتھ دیا کہ شاید دنیا میں کوئی کسی کا ساتھ نہ دے سکے، میشل کا، کوہالہ اور مونگا کا اور میں تم لوگوں کو ہمیشہ یاد رکھوں گا، لیکن یہ تمہاری دنیا ہے، میری دنیا میری مختصر ہے جو آرزو لے کر میں اپنے دل میں نکلا تھا اس کی تکمیل بے شک نہیں کر پایا لیکن دوستیوں کا یہ عظیم خزانہ میں یہاں سے لے کر جا رہا ہوں۔۔۔۔۔“

”مگر عظیم آقا! میرے لئے تم ایسی بات کیوں کہہ رہے ہو جہاں تم جاؤ گے کیا وہاں فینٹ نہیں ہو گا۔۔۔۔۔؟“

”فینٹ! ایک ناکام شخص کے ساتھ زندگی نہیں گزارنی چاہئے تم اس بارے میں غور کر لیتا۔۔۔۔۔“ اور وہ سب خاموش ہو گئے۔۔۔۔۔ لیکن اس وقت جب نادر ڈاکٹر آر تھر کے کیرال کے ایک گوشے میں سر جھکائے اپنی ناکامیوں کا حساب لگا رہا تھا میشل اس کے

”تم جُتھ پر ہنس رہے ہو عظیم آقا لیکن فینٹ ہی تمہارا وفادار دوست ہے اور اس نے وقف بھی نہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔“

”لیکن فینٹ یہ تو خوشی کے لمحات ہیں مجھے میری منزل نہیں ملی نہ سسی میں تو خوش

[illegible]

ہوں کہ تیری زندگی پر بہار آگئی۔“ نادر سنجیدہ ہو کر بولا۔

”میرے دوست فینٹ خوشی کے وہ لمحات کبھی قبول نہیں کرے گا جو تیری خوشی کے بغیر ہوں اور میری کمائی میں اب وہ اصل کلزا شامل ہوتا جا رہا ہے جو اب تک میں نے اپنے سینے میں پوشیدہ رکھا تھا۔“ فینٹ نے کہا۔

”وہ کیا۔۔۔۔؟“ ”پانی والے کا قتل صرف اس لئے نہیں کیا تھا کہ مجھے وہاں کسی ایسے راستے کے مل جانے کی توقع تھی۔“

”تو پھر۔۔۔۔؟“ نادر نے تعجب سے پوچھا۔

”مجھے اس خزانے کی تلاش تھی جس پر اس نے قبضہ کر رکھا تھا اور اسی میں میرے دوست کی خوشی چھپی ہوئی تھی تو میں نے آخر کار وہ خزانہ اس سے چھین لیا۔“

”کیا مطلب۔۔۔۔؟“ نادر کچھ نہیں سمجھ سکا تھا لیکن اس کے بعد فینٹ نے اپنا سبز کھول دیا چمڑے کی تھیلی کا منہ کھلا اور رنگین سنگین، پر سحر روشنیوں نے انہیں اپنے سر میں گرفتار کر لیا۔ ”موٹا، میشل یقین نہ کرنے والی نگاہوں سے، اندھیرے کے شر کے اس وراثی خزانے کو دیکھ رہے تھے جن میں دنیا کے بہترین لعل، نیلم اور دوسرے ہیرے جگمگا رہے تھے ان کی سحر انگیز روشنیوں نے ان کے ذہن تاریک کر دیئے تھے۔

”تو ہوا یوں عظیم آقا۔۔۔۔۔ کہ کالی شکل اور روشن عقل والے فینٹ نے سوچا کہ یہ لعل و جواہر گمراہیوں کے بے وقوف اپنے دیوتا کی نذر کرتے ہیں اور وہ وحشی و درندہ بھلا ان سے کیا شفقت رکھتا ہو گا اور کوہالہ نے ایک سوراخ کا تذکرہ کیا تھا۔

فینٹ انہیں اپنا کارنامہ سنانے لگا۔۔۔۔۔



دو قیمتی کاریں نواب پور میں داخل ہوئیں تو لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھنے لگے۔ ان میں تین سیاہ فام یعنی دو مرد اور ایک عمر رسیدہ عورت لیکن دوسرے دو تاریکی اور روشنی کا انتزاع پیدا کر رہے تھے وہ دو جو بے حد خوبصورت تھے۔ لوگ سمجھ نہ پائے کہ یہ چمکتی حسین کاریں کہا جا کر رکیں گیں ان کی منزل اور حسین شاہ کا بوسیدہ مکان تھا اور حسین شاہ نے اپنے آقا زادے کو پہچان لیا وہ بے اختیار ہو کر نادر سے لپٹ گیا تھا اور نادر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

”تم میرے بزرگ ہو حسین شاہ ہم دونوں بے کسی کے عالم میں یہاں سے گئے تھے لیکن میں وہ عزت وہ توقیر واپس لے آیا ہوں لیکن افسوس۔۔۔۔۔ بھائی قیصر

بات۔۔۔۔۔

”مجھے معلوم ہے۔۔۔۔۔“ حسین شاہ نے کہا۔

”کیا معلوم ہے؟“

”یہی کہ قیصر حیات اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔“

”تمہیں معلوم ہے۔“

”ہاں۔“

”لیکن کیسے۔۔۔۔۔“ نادر نے شدید حیرت سے پوچھا اور حسین شاہ نے گردن جھکا لی

کچھ دیر خاموش رہ کر وہ غمزہ لہجے میں بولا۔

”میں ہی نہیں نواب پور کا ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ قیصر حیات کی روح اس حویلی میں رہتی ہے۔ فیاض حسین نے اس حویلی میں قدم رکھا تو اس پر قیامت ٹوٹ پڑی برا حال ہو گیا اس کا اور اس کے بیٹے کا ہزار جھاڑ پھونک کرائی لیکن اسے حویلی میں رہنا نصیب نہیں ہوا۔ حویلی خالی کر دی تب جا کر مشکلوں سے نجات ملی اور اب وہ آسیب زدہ حویلی لگاتی ہے یہی حال مرزا فیروز بیگ کا ہوا۔

”کیا۔۔۔۔۔؟“ نادر نے پھرائی پھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”اس نے اپنی بیٹی کے کیلئے رشتے کئے سب ناکام ہوئے کچھ لڑکے حادثوں کا شکار ہوئے کچھ نے خود اس شادی سے توبہ کی تو بچے فیروز بیگ کی بیٹی اب تمہارے نام پر بیٹھی ہوئی ہے ہر جگہ قیصر حیات کی کاروائی نمایاں تھی۔“

نادر بے اختیار رونے لگا تھا۔ اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا تھا آہ میرے بھائی نے ہمت کے بعد بھی میری آرزوؤں کی تکمیل کی۔

”اور اب اس حویلی میں بھرپور آبادی ہے اس کے تین گوشے ہیں ایک میں موٹا اور بالہ معزز بزرگوں کی حیثیت سے رہتے ہیں دوسرے میں فینٹ اور میشل۔۔۔۔۔ تیسرے نے میں فرخندہ اور نادر کا قیام ہے۔“

اکثر رات کی تنہائیوں میں انہیں ایک روشن ہیولا نظر آتا ہے جس کے دجود سے روشن ستارے جھڑے ہوتے ہیں دو ناموجود آنکھیں خوشی سے مسکراتی محسوس ہوتی ہیں۔

ختم شد